اُردو شرح

انوار الباری

صحیح البخاری

مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

و دیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرة مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انوار الباری

۱۵

اردو شرح

صحیح البخاری

تقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

انوار الباری کی پندرھویں قسط پیش ہے۔ اس میں آخری بحث ''رفع یدین'' پر ہے، جو اختلافی مسائل میں سے معرکۃ الآراء مسئلہ سمجھا جاتا ہے اور اسی لئے اس پر اکابرِ امت نے مستقل رسائل بھی لکھے ہیں، ہم نے امام بخاری اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقات بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دی ہیں۔

قسط نمبر ۱۴ و ۱۵۔ کافی تاخیر سے شائع ہو رہی ہے، اس کا سبب دوسرے نامساعد حالات کے علاوہ اپنی علالت وغیرہ بھی ہوئی، اب خدا کا شکر ہے تازہ دم ہو کر پھر سے کمر ہمت باندھی ہے، اور احباب افریقہ نے بھی حوصلہ افزائی کی ہے قسط نمبر ۱۶، ۱۷ کا بھی کافی مواد مہیا ہو چکا ہے۔ اور توقع ہے کہ اس موسم سرما میں ان دونوں کے مسودات بھی مرتب ہو کر کتابت کے مراحل طے کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

یہ بھی خیال ہوا تھا کہ آئندہ اقساط میں متن بخاری شریف اور ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے، بلکہ صرف حدیثی مباحث اور اکابر امت کی تحقیقات عالیہ ہی پیش کر دی جائیں تاکہ مزید ۱۰، ۱۲ جلدوں میں شرح پوری ہو جائے مگر احباب افریقہ نے اس خیال سے اتفاق نہ کیا لہٰذا شرح بدستور متن بخاری و ترجمہ کے ساتھ ہی چلے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وبہ نستعین۔

فضل الباری کا خیر مقدم

ہمارے اکابر دیوبند میں سے حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ بھی بڑے پایہ کے مفسر و محدث تھے، ان کے مشہور و معروف تفسیری فوائد اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم عرصہ سے شائع شدہ ہیں۔ اب خدا کا شکر ہے ان کے زمانۂ قیام ڈابھیل کے امالی درس بخاری شریف کا بھی ایک مجموعہ ''فضل الباری'' کے نام سے ادارۂ علوم شرعیہ کراچی نے شائع کرنا شروع کیا ہے اور اس کی دو جلدیں ہمارے پاس بھی آچکی ہیں، اس کے مرتب فاضل جلیل مولانا قاضی عبد الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند مستحق مبارکباد ہیں کہ اتنے بڑے کام کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کامیاب فرمائے۔ اور ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ صفحہ نمبر ۴۹/۱ تا صفحہ نمبر ۷۳/۱ میں جو انہوں نے سوانح امام بخاریؒ ذکر کئے ہیں، ان کے بارے میں ہماری کچھ معروضات ہیں، خاص طور سے تعداد احادیث بخاری پر بھی کچھ لکھنا ہے واللہ الموفق:۔

تعداد احادیث بخاری

مکررات و معلقات وغیرہ سب کی مجموعی تعداد نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) لکھی ہے۔ حالانکہ حسب تحقیق حافظ صحیح تعداد ۹۰۷۹ (نو ہزار اناسی) ہے اس طرح کہ کل تعالیق ۱۳۴۱ اور متابعات ۳۴۱، باقی ۷۳۹۷ موصول ہیں۔

حافظ ابن حجر نے پہلے مقدمہ کی ترتیب و تالیف ۸۱۳ھ میں کی تھی، پھر تیس سال میں شرح لکھ کر ۸۴۲ھ میں ختم کی تھی۔ حافظ نے مقدمہ میں لکھا کہ ابن صلاح و نووی وغیرہ نے کل تعداد مع مکررات وغیرہ کے ۷۲۷۵ اور بغیر مکررات کے چار ہزار لکھی ہے، یہ غلط ہے، پھر حافظ نے ہر

باب کی احادیث صحیح طور سے شمار کر کے تین صفحات میں رد و اصلاح کی اور ۷۲۷۵ کے عدد پر ۱۲۲ کا اضافہ کیا۔ لہٰذا کل ۷۳۹۷ ہوگئیں، پھر ہر باب کی تعالیق و متابعات کو بھی نہایت احتیاط سے شمار کیا اور ۲ صفحات میں رد و قدح کر کے کل تعالیق کی تعداد ۱۳۴۱ اور متابعات کی تعداد ۳۴۱ منضبط کی۔ تینوں میزانوں کا مجموعہ ۹۰۷۹ ہوتا ہے، مگر حافظ سے یہ چوک ہوگئی کہ دو جگہ مقدمہ صفحہ ص ۴۶۵/ اور فتح الباری صفحہ ۱۳/ ۴۱۹ میں مجموعی تعداد ۹۰۸۲ درج کر دی، تیسری جگہ فتح صفحہ ۶۳/ ۱ میں مجموعی تعداد کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

سہو حافظ: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری شریف میں حافظ کی اسی فرو گذاشت کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ شمار مجموع میں تین کا فرق ہوگیا۔ اور یہ ایسا تسامح ہے کہ ہر شخص ہر وقت سہولت سے معلوم کر سکتا ہے، اور بظاہر یہ کاتب کی غلطی بھی نہیں ہے نہ حضرتؒ نے اس کو کاتب کی غلطی بتلائی ہے۔

دوسری بات یہ کہ حافظ نے صفحہ ۶۳/ ۱ میں بغیر تکرار کی کل تعداد ۲۵۱۳ لکھی ہے، اور صرف معلق و متابع کی تعداد بغیر تکرار کے ۱۶۰ بتلائی ہے۔ اس طرح غیر مکرر موصول کی خالص تعداد ۲۳۵۳ رہ جاتی ہے اور اسی لئے حافظ نے لکھا کہ چار ہزار کی بات بھی ابن صلاح وغیرہ کی درست نہیں ہے۔

مقدمہ فیض الباری صفحہ ۱/ ۳۸ میں جو مقدمۂ فتح الباری کے حوالہ سے احادیث موصولہ کی تعداد ۲۴۶۰ لکھی ہے اور اس بارے میں مقدمۂ قسطلانی کا حوالہ بھی محل نظر ہے، کیونکہ اصل مقدمہ فتح الباری میں یہ چیز نہیں ملی، پھر اس کی تلخیص قسطلانی میں کیسے چلی گئی؟

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ مرتب سوانح نے صفحہ ۷۱ میں جو مراد حضرت شاہ صاحبؒ کی سمجھی اور اس کی تغلیط کی، وہ صحیح نہیں۔ افسوس ہے کہ حضرتؒ کے علم و فضل اور تبحر و جامعیت سے پوری طرح واقف حضرات بھی شائع شدہ امالی کی اغلاط و تسامحات کو بے تکلف حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں، راقم الحروف نے متعدد بار صراحت کی ہے کہ حضرتؒ کے درس ترمذی و بخاری کے مطبوعہ امالی میں سے کوئی بھی حضرتؒ کے ملاحظہ سے نہیں گذرے اور نہ حضرتؒ نے کسی کے مضامین کی تصویب فرما کر ان کی ذمہ داری لی ہے اور در حقیقت ضبط و فہم کی نقائص، حوالوں کی اغلاط، تعبیری مسامحات اور دوسری قسم کی کوتاہیاں خاص طور سے حضرت کے امالی لکھنے والوں سے بہ کثرت ہوئی ہیں، اور اسی لئے فیض الباری کے مقدمہ میں تو علامہ بنوریؒ امر مذکور کی وضاحت اسی لئے کر دی تھی کہ حضرتؒ کی طرف غلطیوں کا انتساب نہ ہو، مگر بہت سے لوگ مقدمہ بھی نہیں پڑھتے، اور غلطیوں کو بھی حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے اعتراض کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی کتنی واضح بات تھی اور حضرتؒ کا اشارہ حافظ کے سہو کی طرف بالکل درست تھا، مگر کچھ بات تو فیض الباری کی تعبیری غلطیوں کی نذر ہوئی اور کچھ مرتب فضل الباری کے اعتراض و جواب سے مغالطہ میں پڑ گئی۔ اور حضرتؒ کے اصل مقصد اور مراد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

افادہ: یہاں مناسب ہے کہ دوسری مشہور کتب صحاح سابقہ کا ذکر بھی بہ ترتیب تقدم و تاخر تالیفی و زمانی اجمالاً ایک جگہ کر دیا جائے:۔

(۱) کتاب الآثار امام اعظمؒ (م ۱۵۰ھ) بروایتِ امام محمد امام ابو یوسف و امام زفر وغیرہ جو چالیس ہزار احادیث و آثار کا انتخاب ہے۔ جو بقول علامہ سیوطی شافعیؒ (دور صحابہ کے بعد کہ وہ تالیفی دور نہ تھا) احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ ہے، اور لکھا کہ امام صاحب اس امر میں منفرد ہیں کہ آپ نے سب سے پہلے علم شریعت کو مرتب و مبوب کیا پھر ان کا اتباع امام مالک نے موطاً کی ترتیب میں کیا اور امام صاحب سے کسی نے سبقت نہیں کی (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) گویا امام صاحبؒ محدثین مولفین کے جد امجد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مزید تفصیل و تحقیق کیلئے ملاحظہ ہو۔

''جامع المسانید'' صفحہ ۳۴ اور ''امام ابن ماجہ و علم حدیث'' (از مولانا عبد الرشید نعمانی) صفحہ ۱۵۸ تا ۱۷۶، جس میں حضرتؒ شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیزؒ کی عبارات سے پیدا شدہ غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا گیا ہے۔ اور مقدمہ شرح کتاب الآثار امام اعظمؒ از علامہ مفتی مہدی حسنؒ۔ یہ

کتاب اب دوبارہ مفتی صاحبؒ کی شرح کے ساتھ بھی شائع ہوگئی ہے۔

(۲) موطأ امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس میں ۶۰۰ حدیث مسند جمع ۲۲۲ مرسل جمع ۶۱۳ موقوف + ۲۸۵ اقوال تابعین ہیں۔ کل ۱۷۲۰
(۳) مصنف عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ) احادیث و آثار کا گرانقدر مجموعہ مجلس علمی کراچی سے مکمل شائع ہوگیا ہے۔
(۴) ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)............حیدر آباد دکن سے پانچ جلدیں شائع ہوچکی ہیں
(۵) مسند امام احمدؒ (م ۲۴۱ھ) جس میں ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث و آثار ہیں ستر ولاکھ میں سے انتخاب۔
(۶) صحیح الامام البخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کل تعداد مع مکررات ۹۰۷۹۔ بغیر مکررات ۲۳۵۳ جو چھ لاکھ کا انتخاب ہے (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۵، ۴۹۰)
(۷) صحیح الامام مسلمؒ (م ۲۶۱ھ) کل تعداد چار ہزار جو تین لاکھ احادیث کا انتخاب ہے۔
(۸) سنن ابن ماجہؒ (م ۲۷۳ھ) کل تعداد چار ہزار (بلا تکرار) (۹) سنن ابی داؤدؒ (م ۲۷۵ھ) کل تعداد چار ہزار آٹھ سو
(۱۰) سنن امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) (۱۱) سنن امام نسائی (م ۳۰۳ھ)
(۱۲) صحیح ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) (۱۳) معانی الآثار امام طحاویؒ (۳۲۱ھ)

جامع سفیان کا مرتبہ اس وقت ایسا ہی ہوگا جیسے اب ہم آخر میں بخاری و ترمذی وغیرہ کا درس لیتے ہیں، اور امام بخاری کو جو مالی منافع امام ابو حفص شفیق استاذ سے پہنچے تھے وہ علمی سرپرستی کے علاوہ تھے، حافظ ذہبی نے بھی اپنے رسالہ "الامصار ذوات الاثار" میں بخارا کے جن اعیان محدثین کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان میں بھی عبداللہ بن محمد مسندی کے ساتھ امام ابو حفص کبیر کا ذکر موجود ہے حافظ سمعانی نے لکھا کہ ان سے بے شمار خلوق نے روایت حدیث کی ہے، اور حقیقت یہ کہ ان کی ذات سے اقلیم ماوراء النہر میں حدیث و فقہ کی جتنی اشیا ہوئی ان کے معاصرین میں سے کسی سے نہیں ہوئی بخارا کا ایک ایک گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا السمعانی نے یہ بھی لکھا کہ صرف خیزاخزا میں ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے باہر تھی، یہ صرف ایک قریہ کا حال تھا،

امام ابو حفص کبیر موصوف نے فقہ و حدیث کی تعلیم امام ابو یوسف و امام محمدؒ سے حاصل کی تھی، اسی لئے ان کا شمار امام محمد کے کبار تلامذہ میں ہوا ہے اور بخارا کے علاقہ میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔ امام موصوف کے صاحبزادے امام ابو حفص صغیر اور امام بخاری مدت تک طلب حدیث میں رفیق و ہم سفر رہے ہیں اور دونوں کے خاندانوں کے تعلقات عرصہ تک قائم رہے ہیں حافظ ابن حجر نے بھی مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۸۲ میں امام ممدوح کو امام بخاری کے مشائخ میں شمار کیا ہے، اور ان کے حق میں ممدوح کا یہ قول بھی نقل کیا کہ ایک دن یہ لڑکا بڑا آدمی بنے گا، یعنی اس کی بڑی شہرت ہوگی ملا ابن ماجہ (اردو صفحہ ۱۸۵)

جامع سفیان ثوری

فقہ میں سفیان ثوری اور امام اعظمؒ کا عموماً ایک ہی مذہب ہے، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی میں جو مذہب ان کے نام سے نقل کرتے ہیں وہ اکثر امام ابو حنیفہؒ کے موافق ہوتا ہے، امام ابو یوسف نے تو یہاں تک فرما دیا تھا کہ سفیان ثوری مجھ سے بھی زیادہ امام ابو حنیفہ کے متبع ہیں، امام ثوری اگرچہ خود بھی امام اعظمؒ کی مجلس درس حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں بھی روایت کی ہیں مگر امام صاحب کی فقہ کو انہوں نے علی بن سیر سے اخذ کیا ہے جو امام صاحب کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام ثوری نے اپنی جامع میں زیادہ تر ان ہی سے مدد لی ہے، امام حدیث یزید بن ہارون نے بھی فرمایا کہ سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ کی فقہ کو علی بن سیر سے حاصل کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انہوں نے اپنی یہ کتاب جس کا نام جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے (ابن ماجہ اردو علامہ نعمانی عم فیضہم ص ۱۸۴)

اسی طرح امام بخاری نے اپنے علم فقہ وحدیث کی تکمیل حضرت عبداللہ بن مبارک اور وکیع کی تصنیفات پڑھ کر کی ہے، اور یہ دونوں مع امام ابوحفص کے حنفی تھے، اس لئے امام بخاری کے علمی استفادات اور تکمیل دروس کے زمانہ کو ایسے اکابر ائمہ حدیث وفقہ خصوصاً حنفی مکتب فکر علماء کے ذکر سے خالی رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

راقم الحروف کا حاصل مطالعہ

امام بخاریؒ کی زمانہ تکمیل تک کی تعلیم وتربیت کا ماحول اوپر بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ سفیان ثوری خود بھی صاحب مذہب مجتہد مطلق تھے، اور ان کا مذہب چوتھی صدی تک جاری رہا، وہ امام اعظم کے مداحین بلکہ تلامذہ حدیث وفقہ میں سے تھے، عبداللہ بن مبارک کا درجہ تو ایسا ہے کہ ان کو امام بخاری وعبدالرحمن مہدی اور اسحٰق بن راہویہ سب ہی نے مسلم امام فقہ وحدیث کا مانا ہے، اور عبداللہ بن مبارک امام اعظم کے نہ صرف تلمیذ رشید بلکہ متبع اعظم ومداح کبیر تھے کہ امام صاحب کی کوئی برائی سننے کے روادار ہی نہ تھے، اسحٰق بن راہویہ بھی جب تک اپنے وطن میں رہے امام صاحب اور ان کی فقہ کے دلدادہ تھے، عراق پہنچ کر جب عبدالرحمن بن مہدی وغیرہ معاندین امام اعظم کی صحبت اختیار کی تو اس کا اثر لے لیا تھا، اسی لئے جو حضرات ان کو اب بھی حنفی کہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں، وہ اگر حنفی رہتے تو امام بخاری پر ہی کیوں خلاف اثر ڈالتے۔

بہرحال امقدرات نہیں ٹلتے، ورنہ امام بخاری بھی امام اعظم ہی کی فقہ کے دلدادہ ہوتے، مگر علامہ حمیدی، نعیم خزاعی اور عبدالرحمن بن مہدی اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ نے مخالف اثرات ڈالے اور حنفی قضاۃ نے بھی امام بخاری پر بے جا سختیاں کیں، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام بخاریؒ ائمہ حنفیہ اور فقہ حنفی کے سب سے بڑے مخالف ہوگئے، اور چونکہ مزاج میں تشدد اور زود تاثری کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے ایسی زبان اور لہجہ بھی اختیار فرمالیا جس کی ایسے عظیم المرتبت امام حدیث سے توقع نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم علمہ اتم واحکم

مقدمہ فضل الباری پر معروضات

صفحہ ۵۳ میں امام بخاری کی عبداللہ بن مبارک اور وکیع پر جو وجہ تفوق تحریر کی گئی ہے، وہ اول تو محتاج حوالہ ہے۔ ایسی اہم علمی باتوں کو بغیر حوالہ کے نہیں لکھنا چاہیے تھا، پھر یہ کہ امام بخاری کے پاس وہ پانچ سو احادیث کس درجہ کی تھیں؟ کیونکہ ان کو تو لاکھوں احادیث غیر صحیح بھی یاد تھیں، اور عبداللہ بن مبارک تو امام بخاری سے بھی بڑے عالم حدیث تھے، خود امام بخاری نے بھی ان کو اپنے زمانہ کا اعلم مانا ہے، پھر ان کا زمانہ بھی امام بخاری سے مقدم تھا، اس لئے ممکن ہے، غیر صحیح احادیث ان کو بھی امام بخاری کی طرح اتنی ہی یاد ہوں یا غیر صحیح احادیث بعد کے زمانہ کی پیداوار ہوں تو اس سے تفوق کیسے ثابت ہوگا؟ اسی طرح امام وکیع بھی کبار محدثین میں سے تھے۔ کسی بے سند بات کے ذریعہ ان کو گرانا مناسب نہیں، صفحہ ۵۴ میں محدثین کرام کی طرف یہ امر مسلمہ طور سے منسوب کرنا کہ امام بخاری جس پر بھی ثقہ ہونے کا حکم لگادیں وہ ہر خطرے سے باہر ہے، احتیاط کے خلاف ہے، جبکہ ان کی تاریخ کبیر وصغیر وغیرہ سامنے ہیں اور خود صحیح بخاری میں بھی ضعیف رواۃ موجود ہیں، کیا ان سے صحیح میں روایت کرنا ان کی توثیق نہیں ہے باقی یہ بات ضرور ایسے موقع پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی محفوظ رکھنی چاہئے کہ صحیح بخاری کے ضعیف رواۃ کی وجہ سے کوئی روایت اس لئے نہیں گرے گی کہ اس کے متابعات اس کو صحیح وقوی ثابت کرنے کے لئے موجود ہیں۔ لیکن اس سے خود امام بخاری کے عمل روایت عن الضعاف کی توثیق تو درست نہ ہو جائے گی، پھر یہ امر بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ توثیق کو اگر یہ پایہ دے دیا گیا تو جرح کو کیسے مجروح کریں گے، جو توثیق سے بھی کہیں زیادہ کہے خصوصاً ائمہ حنفیہ وغیرہ کے لئے۔ فافہم ولا تغفل۔

بہرحال مدح وذم میں مبالغہ یا بے سند کوئی بات نہ آئے تو زیادہ اچھا ہے۔ **ھذا ما عندی وما ابرئ نفسی۔**

ص ۵۵۔ میں فن روایت کے سلسلہ میں بے لاگ جرح وتنقید کے لئے انتہائی محتاط الفاظ استعمال کرنے کا دعوے بھی محتاج دلیل بلکہ

بے دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ۵۹۔ میں جہاں حضرت عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ تک کی خدمت تدوینِ حدیث کا بھی ذکر آ گیا، وہاں امام اعظمؒ کی مشہور و معروف مسانید اور امام ابو یوسف و امام محمد کی موطا، کتاب الآثار، کتاب الحج وغیرہ کے ذکر کو نظر انداز کرنا بے محل معلوم ہوا۔ اگر ہم بھی ائمہ حنفیہ کی ایسی اہم حدیثی خدمات کو نظر انداز کریں گے تو دوسرے تو پہلے ہی سے ان کو زاویۂ خمول میں ڈالے ہوئے ہیں، اور اگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو تدوینِ فقہ کا عظیم الشان کام جو امام اعظم نے اجلۂ محدثین کے ذریعہ اپنی سرپرستی میں انجام دلایا، وہ بھی تو معنیً وحکماً تدوینِ حدیث ہی تھی، جس سے ساڑھے بارہ لاکھ شرعی مسائل مدون ہو کر ساری دنیا میں پھیل گئے، اور اس کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا یہ ارشاد بھی پھر سے اپنی یاد میں تازہ کر لیں کہ ابو حنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ انہوں نے دین میں کہا ہے وہ سب قرآن و حدیث ہی کا مقصد و منشا ہے اور کچھ نہیں۔

ص ۶۰۔ میں امام اعظم کے مسانید کا ذکر ہوا تو اس تکر کے ساتھ کہ ''وہ خود امام کے تصنیف کردہ نہیں بعد میں کسی نے جمع کئے ہیں'' یہ تعبیر نہایت غیر انسب ہے جبکہ امام اعظم کی ۲۲۔۲۳ مسانید کی روایت اکابر محدثین نے کی ہے، اور سلسلۂ روایت امام اعظم تک بلا شک و ریب متصل ہے۔ شاید اس بارے میں قاضی صاحب کا مطالعہ بہت ناقص ہے۔ پھر یہ کہ مسند احمد کی روایت وتحسین ان کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے کی ہے، اور مسانید امام اعظم کی روایت شیخ عبداللہ سے کہیں زیادہ بڑے اکابر اور جلیل القدر محدثین نے کی ہے۔ پھر یہ تفوق بھی امام اعظم کی مسانید کو حاصل ہے کہ ان میں ثلاثیات بہ کثرت ہیں، اور ثنائیات بلکہ وحدانیات بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام صاحب کے درمیان صرف ایک راوی (صحابی) کا واسطہ ہے۔ جبکہ موطا امام مالک میں وحدانیات بالکل نہیں ہیں، اور مسند امام احمد و مسند امام شافعی میں ثلاثیات ہیں، ثنائیات نہیں ہیں۔

صحیح بخاری کی کل غیر مکرر ۲۵۱۳ احادیث میں سے صرف ۲۲ ثلاثیات ہیں باقی رباعیات ہیں، مسلم کی چار ہزار احادیث میں سب رباعیات ہیں، ترمذی میں صرف ایک ثلاثی ہے، باقی سب رباعیات ہیں، ابوداؤد کی ۴۸۰۰ احادیث میں سے صرف ایک ثلاثی ہے باقی سب رباعیات ہیں، نسائی میں بھی سب رباعیات ہیں، ابن ماجہ کی چار ہزار مرویات میں سے صرف پانچ ثلاثیات ہیں باقی سب رباعیات ہیں (جن میں حضور علیہ السلام تک چار واسطے ہوتے ہیں)۔

ص ۶۲، ص ۶۳، ص ۶۴ میں امام بخاری کی تاریخ کبیر و صغیر اور رسالہ رفع یدین و فاتحہ کے ذکر میں ان کے محتویات کا تعارف نہیں کرایا گیا جو ضروری تھا۔ تاکہ طلبۂ حدیث واقف ہوتے۔

ص ۶۴ میں اسحٰق بن راہویہ کو حنفی لکھنا صحیح نہیں، وہ تلمذاً ضرور حنفی تھے مگر بعد کو وہ بھی امام بخاری وغیرہ کی طرح اصحاب الظواہر میں شامل ہو گئے تھے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری پر زیادہ اثر ان کا ہی پڑا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام بخاری کا اجتہاد

اسی طرح یہ لکھنا بھی تسامح ہے کہ امام بخاری ایک مجتہد کی شان رکھتے تھے، ہاں اگر یہ کہا جاتا تو درست ہوتا کہ وہ بھی ایک درجہ کا اجتہاد رکھتے تھے، باقی ان کو مجتہد مطلق قرار دینا ائمہ اربعہ کی طرح درست نہیں ہے۔ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذیؒ نے بھی ان کے اجتہاد یا اجتہادی مسائل کو اہمیت نہیں دی جبکہ وہ دوسرے مذاہب و مسالک کی طرف تصریحاً یا اشارۃً ضرور تعرض کرتے ہیں۔ اور مقدمہ فیض الباری للشیخ محمد بدر عالمؒ ص ۵۸ میں بھی امام بخاری کو مجتہد بلا ریب جو لکھا گیا ہے وہ موہم ہے، وہاں بھی مراد ایک درجہ کا اجتہاد ہے، مجتہد مطلق مراد نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ اتنا اجتہاد ان کو حاصل تھا کہ کسی کے مقلد ہونے کے محتاج نہ

تھے، نیز فرمایا تھا کہ امام اعظمؒ پر تو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد میں توسع کیا ہے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ امام بخاری نے تو ان سے بھی زیادہ توسع اختیار کیا ہے کہ معمولی اشاروں اور عموم سے بھی استنباط کر لیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے مجتہد ہونے نہ ہونے کے بارے میں اپنے مقدمۂ فتح الباری میں کوئی تعرض نہیں کیا، ثناء اماثل کے ذیل میں بھی بعض اماثل سے صرف حدیث وفقہ میں برتری نقل کی ہے۔ اور بعض نے حدیث وفقہ میں مثل امام مالک بھی کہا ہے (مقدمہ ص ۴۸۳)۔

دراسات اللبیب میں امام بخاری کو اہل ظاہر سے قرار دیا۔ اور مستقل فصل میں ظاہریہ واہل الظاہر میں مفصل طور سے فرق بیان کیا ہے۔ ظاہریہ میں داؤد ظاہری وغیرہ اور اصحاب الظواہر میں امام بخاری کو گنایا (ص ۳۰۰)۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ایضاح الادلہ کی تذییل ص ۷ میں داؤد ظاہری، ابن تیمیہ، ابن قیم، نواب صدیق حسن خان اور مولوی نذیر حسین وغیرہ کو عاملین علی الظاہر لکھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کے مجتہد ہونے میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

ص ۶۵۔ میں لکھا کہ کسی ایک بڑے کی حمایت میں دوسرے کی تنقیص کرنا مسلک اہل حق کے خلاف ہے الخ تو کیا ائمہ حنفیہ کی جتنی تنقیص وتحقیر شروع سے اب تک کی گئی ہے اور اب تک بھی کی جارہی ہے، جبکہ وہ سب ان بعد کے تنقیص کرنے والوں کے بڑوں کے بھی بڑے تھے، اس کے ذکر وتذکرے سے بھی پہلو تہی کرنا ہی اولیٰ وانسب قرار پائے گا؟ اس موقع پر حضرت مجدد قدس سرہٗ کے ارشاد سے استدلال بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اور امام صاحب کو صرف فنِ فقہ میں امام ماننے کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ وہ فنِ حدیث کے بھی امام اعظم تھے۔

ص ۶۵ میں امام بخاری کے بارے میں مطلق طور سے یہ لکھنا بھی خلاف تحقیق ہے کہ ان کے اقوال کو ہم سند مانتے ہیں۔ فن جرح و تعدیل میں ان کے سب اقوال سند مان لئے جائیں تو امام بخاریؒ نے اپنی تصانیف (التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر۔ کتاب الضعفاء الصغیر وخلق افعال العباد) میں امام اعظم کے بارے میں لکھا کہ مرجئ تھے اور لوگوں نے ان کی رائے اور حدیث سے سکوت اختیار کیا۔ امام ابو یوسف کو بھی متروک قرار دیا، امام محمد کو جہمی بتلایا، محدث کبیر یوسف بن خالد سمتی بصری پر بھی مسکوت عنہ کا حکم لگایا جبکہ وہ سنن ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں، اسد بن عمرو کو صاحب الرائی اور ضعیف فی الحدیث کہا جبکہ وہ امام احمد واحمد بن منیع ایسے محدثین کبار کے استاد ہیں اور امام احمد نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت حدیث بھی کی ہے، پھر امام صاحب اور امام ابو یوسف وامام محمد کا جو مسلّم درجہ حدیث ورجال میں ہے وہ ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کے حالات میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری جلد اول ودوم)۔

رسالہ رفع یدین میں امام بخاری نے جیسے جیسے سخت کلمات واقوال امام اعظم کے بارے میں استعمال کئے، کیا وہ بھی ہمارے لئے سند ہیں؟ اور رسالہ فاتحہ خلف الامام میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اس مسئلہ کے ذیل میں آئے گا اور کچھ ذکر مقدمہ انوار الباری میں امام بخاری کی تصانیف کا تعارف کرانے کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ امر بھی لائق نسیان نہیں کہ جس کے مداح زیادہ ہوں اس کے بارے میں جارحین کی جرح مقبول نہیں ہوتی، خاص طور سے جب کہ وہ جرح ہم عصروں کی طرف سے ہو یا متعصبین کی طرف سے اور امام بخاری ودارقطنی وغیرہ کا شمار بھی متعصبین میں سے کیا گیا ہے۔ اور امام بخاری وغیرہ کے متعصبانہ رویہ پر نہ صرف اکابر حنفیہ نے بلکہ غیر حنفیہ نے بھی نقد کیا ہے۔ صاحب دراسات اللبیب شیخ معین سندی نے تو امام بخاری کی تہمت ارجاء پر شدید لہجہ میں جوابدہی کی ہے۔ اور لکھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے لئے جو خدائے عظیم کی طرف سے علوم عقلیہ ونقلیہ کے اونچے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے، امام بخاری جیسے کی طرف سے ارجاء کی تہمت کیوں کر مانی جاسکتی ہے جبکہ ارجاء کا بطلان اور خلاف کتاب وسنت واجماع ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔ اور امام بخاری کا امام صاحب کے حق میں ''سکتوا عن رأیه و حدیثه'' کہنا تو اس لئے بھی غلط ہے کہ خود امام بخاری نے یہ اعتراف کیا ہے کہ کبار سلف میں سے عبداللہ بن مبارک، وکیع، عباد بن العوام، ہشیم، مسلم بن خالد، ابومعاویہ

مصری وغیرہ شیوخ بخاری جیسے ائمۂ حدیث نے امام صاحب سے روایت حدیث کی ہے اور دوسرے حضرات (علامہ مزی وغیرہ) نے تو سینکڑوں کی تعداد میں امام صاحب سے سماع حدیث کرنے والے گنائے ہیں، اور امام صاحب کی رائے کو اخذ کرنے والوں سے تو دنیا بھری ہوئی ہے۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ ان کی رائے سے سکوت کرنے والے کتنے نفر ہیں، بہت ہوئے تو ایک قطرہ کے برابر بہ نسبت سمندر کے۔ جو شخص ''عقد الجمان فی مناقب النعمان'' میں ان کا شمار پڑھے گا وہ ہمارے بیان کی تصدیق کرے گا (دراسات اللبیب ص۴۵۲ طبع کراچی) تہذیب المزی قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد سے ترجمۂ امام اعظمؒ کی نقل ص ۲۷۱ لغایۃ ص۲۸۴ احقر کے پاس ہے جس میں ۹۷ شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جو امام صاحب کے تلمیذ حدیث تھے اور ان کا ذکر علامہ سیوطی شافعی نے بھی ''تبییض الصحیفہ بمناقب الامام ابی حنیفہ'' میں کیا ہے۔

یہ شیخ معینؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید فی الحدیث کا بیان ہے، جو خود بھی اہل حدیث اور اصحاب الظواہر میں سے بڑے پایہ کے محدث وعلامہ تھے، اور جنہوں نے فقہ حنفی پر بڑے بڑے اعتراضات بھی کئے ہیں، مگر بڑی حد تک منصف تھے، دوسرے متعصب اہل حدیث حضرات کی طرح نہ تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہ وہ امام بخاری کی جلالت قدر کے قائل نہ ہوں بلکہ ان کے نہایت درجہ کے معتقد تھے اور ان کے لئے دراسات میں امام الائمہ اور قبلۂ مشائخ الستہ جیسے القاب لکھتے ہیں، لیکن یہ ان کے انصاف، مرتبہ شناسی اور **انزلوا ان علی منازلهم** کی بات تھی کہ امام بخاریؒ کی جلالت قدر ہی کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے اعلیٰ وارفع مقام کو بھی پہنچانتے تھے، اور اسی لئے مذکورہ زوردار طریقہ پر دفاع کو ضروری سمجھا۔

اسی طرح بعض جروح امام بخاری کا دفاع امام اعظمؒ کی طرف سے حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی کیا ہے، اور امام صاحب کی براءت ثابت کی ہے، پھر اکابر محققین حنفیہ نے بھی اس بارے میں بہت کافی ووافی لکھا ہے۔

امام بخاری کا قول امام ابو یوسف کے بارے میں ''متروک الحدیث'' ہونے کا کس طرح معتبر وسند بن سکتا ہے جبکہ امام نسائی جیسے متشدد فی الرجال نے ان کی توثیق کی ہے، اور امام احمد، علی بن المدینی وامام یحییٰ بن معین ایسے کبار شیوخ امام بخاری نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات میں ان کو شیخ متقن لکھا۔ علامہ ذہبیؒ نے مستقل رسالہ میں امام ابو یوسفؒ کے حفظِ حدیث ودیگر کمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے۔ متاخرین ائمہ رجال امام ابن تیمیہ وغیرہ نے امام صاحب یا امام ابو یوسف پر کسی جرح کو قابل ذکر بھی نہیں سمجھا۔ خطیب نے حسب عادت امام ابو یوسف پر جرح نقل کی مگر اثناء جرح میں جواب بھی دے دیا ہے۔ امام شافعی ایسے محدث کبیر بھی بواسطۂ امام محمدؒ ابو یوسف کے تلمیذ حدیث ہیں۔ **فکیف یصح القول فیه انه متروک الحدیث والله المستعان.** پھر کیا امام بخاری کی یہ بات بھی کسی کے لئے حجت وسند بن سکتی ہے کہ جو راوی حدیث الایمان قول وعمل کا قائل نہ ہو اس سے حدیث کی روایت نہ لی جائے۔ حالانکہ خود امام بخاری بھی معتزلہ کی طرح الایمان قول وعمل کے قائل نہ تھے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سارے ہی اہل حق کا مسلک ارجاء سنت ہے، اور ارجاء بدعت کی تہمت حنفیہ پر بھی نہیں لگ سکتی۔

امام بخاری کا قول امام محمد کے بارے میں جہمی ہونے کا کیونکر صحیح وسند بنے گا جبکہ محدث صیمریؒ نے امام محمدؒ سے نقل کیا کہ ''میرا مذہب اور امام ابو حنیفہ وابو یوسف کا مذہب وہی ہے جو حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا''۔ ائمہ حنفیہ کے سارے عقائد ''کتاب عقیدۂ طحاوی'' میں مذکور ہیں، پھر بھی کوئی ان کو مرجئی یا جہمی بتلائے تو سراسر غلطی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے مجموعہ رسائل ص۱/۴۳۶ میں خود امام محمدؒ ہی سے یہ روایت پیش کی کہ وہ جہمی عقائد والے کو خارج از ملت قرار دیتے تھے، پھر بھی ان کو جہمی بتلانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اور امام صاحبؒ کا جہم بن صفوان کو اپنی مجلس سے کافر کہہ کر نکلوا دینے کا قصہ تو بہت مشہور ہے۔ پھر ان ہی کے اتنے بڑے تلمیذ کبیر ونائب الامام الاعظم ...... جہمی کیسے ہو سکتے تھے؟ ہم اپنے علم ومطالعہ کی حد تک یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی بڑی شخصیت نے امام

بخاری کے سوا امام محمد کو جہمی نہیں کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ص ٦٩ میں امام الحرمین اور امام غزالی رحمہ اللہ کے بارے میں جو قصہ بیان ہوا وہ بھی محلِ نظر اور محتاج سند ہے، ایسے اکابر ملت سے ایسے واقعات کی صحت مشکوک ہے، پھر اسی کے مثل امام ذہلی و امام بخاری کے واقعہ کو ظاہر کرنا بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ امام ذہلی بڑے جلیل القدر محدث وفقیہ تھے، اور امام بخاری کے اساتذۂ کبار میں سے تھے اور انہوں نے امام بخاری کی خیر خواہی کے لئے ہی ان کو یہ مشورہ دیا تھا کہ خلق قرآن کے بارے میں کسی کو مسئلہ نہ بتلائیں اور سکوت اختیار کریں، مگر امام صاحب نہ مانے اور پھر پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ اس واقعہ کو حسد وغیرہ پر محمول کرنا خلافِ تحقیق ہے۔ اور غالباً اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاذ حدیث امام ذہلی سے بہت سی احادیث بخاری میں روایت کی ہیں۔ جبکہ امام مسلم نے نہ اپنے استاذ امام ذہلی سے کوئی حدیث روایت کی اور نہ اپنے ممدوح اعظم امام بخاری سے کوئی حدیث لی۔ حافظ ابن حجر نے اس کو امام مسلم کے انصاف سے تعبیر کیا ہے، مگر روایتِ حدیث ایسے مقدس ومحترم ترین امر کے بارے میں یہ انصاف کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجھے قوی امید ہے کہ مرتب فضل الباری فاضلِ محترم مولانا قاضی عبد الرحمٰن صاحب دام فیضہم میری گذارشات سے ناراض نہ ہوں گے اور کوئی غلطہ ہوئی ہو یا خلافِ شان کوئی بات تو اس کو معاف فرمادیں گے۔ خدا کا شکر ہے ہم دونوں کا مقصد ایک ہے اور اس خالص علمی میدان میں ہم ایک دوسرے کے رفیق ومعاون رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ آخر میں میری ان سے یہ گذارش بھی ہے کہ وہ مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرما کر ممنون وماجور ہوں۔ وعند اللہ فی ذاک الجزاء. وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

تشکر وامتنان

جیسا کہ سابق جلد کے مقدمہ میں عرض کیا گیا تھا انوار الباری کا پھر سے کام احبابِ آفریقہ کی تائید واصرار پر شروع ہوا ہے، اور یہ دونوں جلدیں ان ہی کی مالی اعانت سے شائع ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں الحاج ایس ایم ڈوکرات، الحاج مولانا اسماعیل گارڈی، الحاج ایم ایم بوڈھانیہ، میاں برادرس، متی برادرس، الحاج ابراہیم کوساڈیہ، الحاج مولانا عبد الحق عمرجی، مولانا قاسم محمد سیما، مولانا عبد القادر، مولانا احمد محمد گردا، مولانا یوسف احمد اور دیگر حضرات ناظرینِ انوار الباری کی نیک دعاؤں اور خصوصی تشکر کے مستحق ہیں جو مالی اعانت کے علاوہ اپنے مفید مشوروں سے بھی راقم الحروف کو مستفید کرتے رہتے ہیں۔ جزاهم اللہ خیر ما یجزی بہ عبادہ.

احقر
سیّد احمد رضاء عفا اللہ عنہ.
بجنور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه على القادر المقتدر الذى بيده تتم الصالحات، والصلوة والسلام على سيدنا و مولانا محمد افضل المرسلين و خاتم النبين و على آله و صحبه والائمة المجتهدين و من تبعهم الى يوم الدين

باب ذكر العشآء والعتمة و من راٰه واسعاً وقال ابوهريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم اثقل الصلوة على المنافقين العشآء والفجر وقال لو يعلمون ما فى العتمة والفجر قال ابوعبدالله والاختيار ان يقول العشآء لقول الله تعالىٰ و من بعد صلوة العشآء ويذكر عن ابى موسى قال كنا نتناوب النبى صلى الله عليه وسلم عند صلوة العشآء فاعتم بها وقال ابن عباس و عائشة اعتم النبى صلى الله عليه وسلم بالعشآء وقال بعضهم عن عائشة اعتم النبى صلى الله عليه وسلم بالعتمة وقال جابر كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى العشآء وقال ابو برزة كان النبى صلى الله عليه وسلم يؤخر العشآء وقال انس اخر النبى صلى الله عليه وسلم العشاء الآخرة وقال ابن عمروابوايوب و ابن عباس صلى الله عليه وسلم العشاء الأخرة وقال ابن عمرو ابوايوب و ابن عباس صلى النبى صلى الله عليه وسلم المغرب والعشآء

(عشاء اور عتمہ کا ذکر، اور جس نے عشاء اور عتمہ دونوں کہنا جائز خیال کیا ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز تمام نمازوں سے زیادہ گراں ہیں اور فرمایا کہ کاش وہ جان لیں کہ عتمہ اور فجر میں کیا (ثواب) ہے، امام بخاری کہتے ہیں، کہ بہتر یہ ہے کہ عشاء کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "**و من بعد صلوة العشاء**" ابوموسیٰ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، کہ (ہم) نبی ﷺ کے پاس عشاء کی نماز میں باری باری سے جاتے تھے، (ایک مرتبہ) آپ نے اس کو عتمہ میں پڑھا، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز عتمہ میں پڑھی، ابو برزہ کہتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں تاخیر کرتے تھے، حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) پچھلی عشاء میں تاخیر فرمادی، ابن عمر اور ابوایوب اور ابن عباس نے کہا ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی)۔

۵۳۴: حدثنا عبدان قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا يونس عن الزهرى قال سالم اخبرنى عبدالله قال صلى الله لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة صلوة العشآء و هى التى يدعوالناس العتمة ثم انصرف فاقبل علينا فقال ارائيتكم ليلتكم هذه فان راس مائة سنة منها لايبقى ممن هو اليوم على ظهر الارض احد.

ترجمہ: حضرت عبداللہ (ابن عمرؓ) روایت کرتے ہیں، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی، اور یہ وہی (نماز) ہے۔ جس کو لوگ عتمہ کہتے تھے، نماز سے فارغ ہوکر ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ میں تمہیں تمہاری اس شب کی خبر دوں جو لوگ اس وقت زمین کے اوپر ہیں آج سے سو ۱۰۰ برس کے شروع تک ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے ایسے الفاظ واسماء کے لئے گنجائش وتوسع نکالی ہے، جن کے اطلاق سے کوئی بڑی غلط فہمی اوپر کی طرح نہ ہو، مثلاً عشاء کے لئے عتمہ کا اطلاق، حافظ نے لکھا کہ یہ پہلے کی طرح نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام سے بھی ایسا ثابت ہے جبکہ مغرب پر عشاء کا اطلاق حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے، پھر سلف کا اختلاف مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ عتمہ کہنے والوں پر عتاب وغصہ کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ سے جواز نقل ہوا اور بعض نے خلاف اولیٰ قرار دیا، اور یہی راجح ہے۔ (فتح ص ۳۱، ۲) قال ابو ہریرہؓ سے امام

بخاری نے اطرافِ احادیث مجذوفۃ الاسانید ذکر کئے ہیں، جو بقول حافظ سب صحیح ہیں اور دوسری جگہوں پر ان کی تخریج ہو چکی ہے، ان سے عتمہ وعشاء کا ایک دوسرے پر جو اطلاق کا ثبوت ہوتا ہے، حافظ نے ان کی تخریج ذکر نہیں کی، علامہ عینی نے ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

قولہ فان رأس مائۃ سنۃ الخ

اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت زمین پر زندہ تھے، لہٰذا حضرت عیسیٰ عیہ السلام جو آسمان پر زندہ ہیں، اس میں داخل نہیں، پھر فرمایا کہ جس نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسدِ مثالی کے ساتھ نزول کریں گے، اس نے غلطی کی، کیونکہ وہ یقیناً جسدِ اصلی وعنصری کے ساتھ نزول فرمائیں گے۔ حافظ نے یہاں کچھ نہیں لکھا، محقق عینیؒ نے لکھا۔ علامہ نووی نے یہ مراد لی کہ اس رات میں زمین پر کوئی ایسا نہیں جو ایک سو سال سے زیادہ زندہ رہے گا، اس امر کی نفی نہیں ہے کہ اس کے بعد بھی کسی کی عمر ایک سو سال سے زیادہ نہ ہوگی، علامہ ابن بطال نے کہا کہ ایک سو سال کے اندر یہ قرن ختم ہو جائے گا، جس میں ہم ہیں، اور حضور علیہ السلام کا مقصد اس کے فرمانے سے اس امت کے لوگوں کی عمروں کا بہ نسبت سابقہ امم کے کم ہونے کی طرف اشارہ تھا تاکہ عبادت وخیر میں پوری سعی کریں، اور کسی نے کہا کہ ارض سے حضور علیہ السلام کی مراد ارضِ مدینہ طیبہ تھی جس طرح آیت الم تکن ارض اللّٰہ واسعۃ میں ارض سے مراد مدینہ ہے اور بعض الارض سے ملائکہ نکل گئے کہ وہ آسمانی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر زندہ ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی اقامت بحر میں ہے، ہاروت وماروت اگرچہ دنیا میں ہیں مگر وہ بشر نہیں ہیں، ابلیس وشیاطین وجن بھی بشر نہیں ہیں اور حدیث میں بشر مراد ہیں، نیز سیدنا حضرت عیسیٰ اور خضر علیہم السلام کے بارے میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ امت محمدیہ میں نہیں ہیں اور حدیث میں ذکر امت کا ہے کہ ان کو اعمالِ خیر کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

حیاتِ خضر علیہ السلام

علامہ عینی نے یہاں یہ بھی لکھا کہ امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حدیث الباب سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا ہے، لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں اور علامہ سہیلی نے محقق امت ابن عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ متواتر اخبار وآثار سے حضرت خضر علیہ السلام کا اجتماع حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، لہٰذا اس سے عدمِ اجتماع والی بات بھی غلط ہو جاتی ہے، اور بالفرض اگر وہ حضور علیہ السلام کے پاس نہ بھی تشریف لائے ہوں تو کتنے ہی حضرات حضور علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں مگر حاضرِ خدمت نہیں ہو سکے نہ آپ کو دیکھ سکے اس لئے عدمِ اتیان عدمِ حیات کی دلیل نہیں بن سکتی، پھر لکھا کہ حضرت ابن عباس ووہب کی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی مرسل ہیں، مقاتل و اسماعیل بن ابی زیاد شامی کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض نے کہا کہ ولی ہیں، علامہ ابوالفرج نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ (عمدہ ص۲/۵۷۲)

باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس او تاخروا

(عشاء (کی نماز) کا وقت، جب لوگ جمع ہو جائیں، تو پڑھنا اگر دیر میں آئیں، تو دیر کر کے پڑھنا)

۵۳۵: حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا شعبة عن سعد بن ابراهیم عن محمد بن عمرو وهو ابن الحسن بن علی بن ابی طالبؓ قال سالنا جابر بن عبدالله عن صلوة النبی صلی الله علیه وسلم فقال کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی الظهر بالهاجرة والعصر والشمس حیة والمغرب اذا وجبت والعشآء اذا کثرالناس عجل واذا اقلوا اخروالصبح بغلس

ترجمہ: (۵۳۵) حضرت محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے جابر بن عبداللہ نے نبی کریم ﷺ کی نماز کی

کیفیت پوچھی، انہوں نے کہا کہ ظہر کی نماز آپ دوپہر میں پڑھتے تھے، اور عصر کی ایسے وقت کہ آفتاب صاف ہوتا، اور مغرب کی جب وہ غروب ہو جاتا، اور عشاء کی نماز جب آدمی بہت ہو جاتے، جلد پڑھ لیتے، اور جب کم ہوتے تو دیر میں پڑھتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں (پڑھتے)۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس باب میں عشاء کا وقت بیان ہوا ہے کہ وہ اجتماع کے وقت ہے، اول وقت جمع ہوں تو اول وقت ہے اور دیر سے جمع ہوں تو تاخیر ہے اور حدِ تاخیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ان کو ہم حدیث نمبر ۵۴۱ کے تحت بیان کریں گے۔

باب فضل العشآء

(نماز عشاء کی فضیلت کا بیان)

۵۳۶: حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ ان عآئشۃ اخبرتہ قالت اعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء و ذلک قبل ان یفشوا الاسلام فلم یخرج حتیٰ قال عمرؓ نام النسآء والصبیان فخرج فقال لاھل المسجد ماینتظرھا احدمن اھل الارض غیرکم

۵۳۷: حدثنا محمد بن العلآء قال حدثنا ابواسامۃ عن برید عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ قال کنت انا واصحابی الذین قدموامعی فی السفینۃ نزولا فی بقیع بطحان والنبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ فکان یتناوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند صلوٰۃ العشآء کل لیلۃ نفرمنھم فوافقنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا واصحابی ولہ بعض الشغل فی بعض امرہ فاعتم بالصلوٰۃ حتیٰ ابھآر اللیل ثم خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی بھم فلما قضیٰ صلوتہ قال لمن حضرہ علیٰ رسلکم ابشروا ان من نعمۃ اللہ علیکم انہ لیس احد من الناس یصلی ھذہ الساعۃ غیرکم اوقال ما صلےٰ ھذہ الساعۃ احد غیر کم لایدری ای الکلمتین قال قال ابوموسی فرجعنا فرحیٰ بما سمعنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: ۵۳۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شب عشا کی نماز میں رسول خدا ﷺ نے تاخیر کردی یہ (واقعہ) اسلام کے پھیلنے سے پہلے (کا ہے) (چنانچہ) آپ اس وقت نکلے، جس وقت حضرت عمرؓ نے آپ سے آکر (کہا) کہ عورتیں اور بچے سو چکے۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ زمین والوں میں سوا تمہارے کوئی اس نماز کا منتظر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵۳۷۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ میں اور میرے وہ ساتھی جو کشتی میں میرے ہمراہ آئے تھے بقیع بطحان میں مقیم تھے۔ اور نبی کریم ﷺ مدینہ میں تھے، تو ان میں سے کئی کئی آدمی نوبت بہ نوبت نبی کریم ﷺ کے پاس جاتے تھے (ایک دن) ہم سب یعنی میں اور میرے ساتھی نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپکو اپنے (کسی) کام میں (ایسی) مصروفیت تھی، کہ (عشاء کی) نماز میں آپ نے تاخیر کردی، یہاں تک کہ رات آدھی ہوگئی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ اور لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ نماز ختم کر چکے تو جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سے فرمایا، کہ ٹھہرو، خوش ہو جاؤ، کیونکہ تم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ تمہارے سوا کوئی آدمی اس وقت نماز نہیں پڑھتا، یہ فرمایا کہ اس وقت میں تمہارے سوا کسی نے نماز نہیں پڑھی، معلوم نہیں آپ نے (ان دو جملوں میں سے) کون سا فرمایا حضرت ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ ہم اس بات سے جو کہ رسول خدا ﷺ سے ہم نے سنی خوش ہو کر لوٹے۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ امام بخاریؒ نے جو دو حدیثیں اس باب میں ذکر کی ہیں ان دونوں سے کوئی واضح خصوصی فضیلت نماز عشاء کی ثابت

نہیں ہوتی، البتہ انتظار عشا کی فضیلت نکلتی ہے، شاید وہی مراد ہو۔ (فتح صفحہ ۳۲۲) لیکن اگر انتظار کی فضیلت بتلانی تھی تو یہ لفظ کیوں حذف کیا اور آگے امام بخاری کتاب الاذان میں ایک باب مسجد میں انتظار صلوٰۃ کا لائیں گے تو تکرار ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ ظاہر یہ ہے کہ حسب ارشاد نبوی نماز کا یہ وقت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا یہی نماز عشا کی فضیلت بن گئی۔ پھر شاہ صاحبؒ نے انتظار والی توجیہ کے مقابلہ میں اسی توجیہ کو ترجمۃ الباب کے مناسب بتلایا اور لکھا **کما لایخفی علی من له طبع سلیم.** گویا انتظار والی توجیہ طبع سلیم پر گراں ہے اور علامہ عینی نے بھی حافظ کی توجیہ پر نقد کیا ہے، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک **فضل انتظار العشاہی فضل العشا** ہے۔ (الابواب ۲ صفحہ ۲۴۵) لیکن سوال یہ ہے کہ انتظار کی فضیلت تو ہر ایک نماز کے لئے یکساں ہے، اس میں عشا کی الگ کیا خصوصیت ہے، لہٰذا بہتر توجیہ وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ نے بیان کی اور ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اور آپ نے اس بارے میں پوری تحقیق و تفصیل بھی فرمائی جو قابل ذکر ہے۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے قوله علیہ السلام **و ما ینتظرها احد غیر کم** پر فرمایا کہ علامہ سیوطیؒ نے حصر بہ نسبت اہل کتاب کے قرار دیا اور اپنی شرح البخاری میں یہ دعویٰ کیا کہ عشا کی نماز کسی امت میں نہیں تھی بجز اس امت کے، اور امام طحاوی کے قول سے استدلال کیا کہ سب سے پہلے عشا کی نماز ہمارے نبی اکرم ﷺ نے پڑھی ہے، لیکن اس میں مجھے تامل ہے کیونکہ سب نمازیں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہیں، اگرچہ ان کی امتوں پر فرض نہ تھیں، اور بنی اسرائیل پر صرف فجر و عصر کی نماز تھی جیسا کہ نسائی میں ہے۔ اس لئے علامہ سیوطیؒ کی رائے مذکور کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ عشا کی نماز بوصف فرضیت اسی امت کے ساتھ خاص ہے اور دوسروں نے اگر پڑھی ہے تو وہ نفل کے طور پر پڑھی ہے۔ لہٰذا **ما ینتظرها** کا مطلب بھی بحیثیت فرض ہونے کے ہوگا، بعض نے یہ کہا کہ ابتدا میں اسلام چونکہ اطراف مدینہ میں نہ پھیلا تھا جیسا کہ حدیث الباب میں بھی اس کا ذکر ہے لہٰذا حصر بہ نسبت اطراف کے ہوگا۔ (یہاں فیض الباری صفحہ ۲۔۱۳۱ میں بجائے اطراف کے الکفار غلط ہے) حافظ اور عینی نے لکھا:۔ مراد یہ ہے کہ اس ہیئت مخصوصہ یعنی جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوتی تھی۔ بجز مدینہ کے، اور اسی کو داؤدی نے بھی اختیار کیا ہے۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں تو صحابہ کرام کمزور تھے، چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، اور بجز مکہ و مدینہ کے اور شہروں میں اسلام داخل نہ ہوا تھا (فتح ۲ صفحہ ۳۴ و عمدہ ۲ صفحہ ۵۷۸) پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حصر بہ نسبت مسجد نبوی کے ہو اور دوسری مساجد میں نماز عشا اپنے وقت پر بلا تاخیر کے ہو جاتی ہو، کیونکہ حسب روایت دارقطنی مدینہ میں ۹ مساجد تھیں، اور علامہ سمہودی نے بھی متعدد بتلائی ہیں، یعنی دوسری مساجد میں لوگ نماز عشا پڑھ کر سو چکے، اور تم میری وجہ سے تاخیر سے پڑھ رہے ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری صفحہ ۹۱ میں حدیث آنے والی ہے، جس میں حضور علیہ السلام کا ارشاد **صلی الناس و رقدوا الخ** موجود ہے، جس سے حضرتؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے اور صفحہ ۱۹ میں **ولم یکن احد یومئذ یصلی غیر اهل المدینة** اور دوسری جگہ اسی صفحہ پر **ما ینتظرها احد غیر کم من اهل الارض، ولاتصلی یومئذ الا بالمدینة** بھی ہے، ان سب کو سامنے رکھ کر بات منقح ہو جاتی ہے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں انتظار نماز عشا کے واقعات متعدد اوقات میں پیش آئے ہیں، یہاں حضرت عائشہ کی حدیث میں ابتداء اسلام کا واقعہ ہے پھر حضرت ابو موسیٰؓ کی حدیث بہت بعد کی ہے، کیونکہ وہ حبشہ سے ۷ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ہیں، وہ یمن سے حضور علیہ السلام کی زیارت شریفہ کے لئے نکلے تو پہلے ہی تھے، مگر راستہ میں ہوا آندھی نے ان کو حبشہ میں پھینک دیا اور وہاں وہ سات سال تک رکے رہے، پھر وہ مع اپنے اصحاب کے حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ پہنچے اور بقیع بطحان میں اترے، وہاں سے نوبت بہ نوبت ان میں سے کچھ افراد حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارک میں ہر رات عشاء کے وقت حاضر ہوا کرتے تھے اور اسی زمانہ کا قصہ حدیث

میں بیان ہوا ہے، اور باب النوم قبل العشاء میں جو حدیث ابن عباس آنے والی ہے، اس کا واقعہ اس سے بھی بعد کا ہے کیونکہ وہ ۸ھ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے چشم دید حالات بعد کے ذکر فرماتے ہیں۔

حضرتؒ نے اس تفصیل کی کوئی خاص وجہ بیان نہیں فرمائی، اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی اس کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، احقر عرض کرتا کہ شاید مقصد یہ ہوگا کہ ہر زمانہ کے مناسب توجیہ اختیار کر لی جائے، اور خاص طور سے مسجد نبوی والی توجیہ ہر زمانہ کے لئے موزوں ہوسکتی ہے، یعنی دوسری مساجد مدینہ میں نماز عشا میں اتنی تاخیر نہ ہوتی تھی جتنی مسجد نبوی میں ہو جاتی تھی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حضرات صحابہ کرام علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے مختلف اطراف سے پہنچے تھے، اور کچھ کچھ دن قیام کر کے اپنے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام کی ہمہ وقتی مشغولی اور شبانہ تعلیم جاری رہنے کے سبب سے نماز عشا میں تاخیر معمولی بھی اور بعض اوقات غیر معمولی بھی ہو جاتی ہوگی، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہوگا کہ آپ دن کے معمولات سے تھک کر بعد مغرب آرام فرماتے ہوں گے، اس لئے بھی نماز عشا میں زیادہ تاخیر ہو جاتی ہوگی، وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ اتنی تاخیر کی مسجد نبوی کے علاوہ کہیں بھی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

باب ما یکرہ من النوم قبل العشآء

(عشاء کی نماز) سے پہلے سونا مکروہ ہے)

۵۳۸: حدثنا محمد بن سلام قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی قال حدثنا خالدن الحذآء عن ابی المنھال عن ابی برزۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا

ترجمہ ۵۳۸: حضرت ابو برزہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ عشا سے پہلے سونے کو، اور اس کے بعد بات کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اگر کوئی نماز عشا کے وقت اٹھانے والا ہو، یا عادۃً نماز سے قبل اٹھ سکتا ہو تو سونے میں کوئی حرج نہیں، (بشرط یہ کہ نماز قضا نہ ہو کہ صبح تک سوتا ہی رہے) امام طحاویؒ نے فرمایا کہ رخصت صرف دخول وقت عشا سے قبل کے لئے ہے، اس کے بعد کراہت ہے۔

باب النوم قبل العشآء لمن غلب

(جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لئے عشاء سے پہلے سونے کا بیان)

۵۳۹: حدثنا ایوب بن سلیمان قال حدثنی ابوبکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان اخبرنی ابن شھاب عن عروۃ ان عآئشہ قالت اعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعشآء حتیٰ ناداہ عمر الصلوٰۃ نام النسآء والصبیان فخرج فقال ما ینتظرھا من اھل الارض احد غیرکم قال ولا یصلی یومئذ الا بالمدینہ قال وکانوا یصلون فیما بین ان یغیب الشفق الیٰ ثلث اللیل الاول

۵۴۰: حدثنا محمود قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی نافع قال حدثنا عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شغل عنھا لیلۃ فاخرھا حتی رقدنا فی المسجد ثم استیقظنا ثم رقدنا ثم استیقظنا ثم خرج علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال لیس احد من اھل الارض ینتظر الصلوٰۃ غیرکم وکان ابن عمر لا یبالی اقدمھا ام اخرھا اذا کان لایخشیٰ ان یغلبہ النوم عن وقتھا وقد کان یرقد قبلھا قال ابن جریج قلت لعطاء فقال سمعت ابن عباس یقول اعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ليلة بالعشآء حتى رقد الناس واستيقظوا ورقدوا واستيقظوا فقام عمر بن الخطاب فقال الصلوٰة قال عطآء قال ابن عباس فخرج نبی الله صلى الله عليه وسلم كانى انظر اليه الأن يقطر راسه' مآء واضعاً يده' علىٰ راسه فقال لولاً ان اشق علىٰ امتى لامرتهم ان يصلوها هكذا فاستثبت عطآء كيف وضع النبى صلى الله عليه وسلم علىٰ راسه يده' كمآ انباه ابن عباسؓ فبددلی عطآء بين اصابعه شيئاً من تبديد ثم وضع اطراف اصابعه علىٰ قرن الراس ثم ضمها يمرها كذٰلک علىٰ الراس حتىٰ مست ابهامه' طرف الاذن مما يلى الوجه على الصدغ وناحية اللحية لايعصر ولا يبطش الا كذٰلک وقال لولآان اشق علىٰ امتى لامرتهم ان يصلوا هكذا.

ترجمہ ۵۳۹: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ (ایک مرتبہ) رسول خدا ﷺ نے عشا (کی نماز) میں تاخیر کردی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو آواز دی، کہ نماز (تیار ہے) عورتیں اور بچے سو گئے، تب آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا، کہ اس نماز کا تمہارے سوا کوئی انتظار نہیں کرتا (ابو برزہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک مدینہ منورہ کے سوا اور کہیں نماز نہ پڑھی جاتی تھی، وہ کہتے ہیں کہ صحابہ (عشاء کی نماز) شفق کے غائب ہو جانے کے بعد رات کی پہلی تہائی تک پڑھ لیتے تھے۔

ترجمہ ۵۴۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات رسول خدا ﷺ کو عشا کے وقت کوئی ضرورت پیش آ گئی، اس وجہ سے آپ کو (عشا کی) نماز میں تشریف لانے میں تاخیر، ہو گئی، یہاں تک کہ ہم مسجد میں سو رہے، پھر جاگے، پھر سو رہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا کہ اس وقت زمین والوں میں تمہارے سوا کوئی (اس) نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، (اور ابن عمر کچھ پروانہ کرتے تھے، کہ عشاء کی نماز جلد پڑھ لیں یا دیر میں پڑھیں۔ بشرطیکہ نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا۔ اور کبھی وہ عشاء سے پہلے سو رہتے تھے، ابن جریج کہتے ہیں میں نے عطاء سے (اس حدیث کو) بیان کیا تو انہوں نے کہا، کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا وہ کہتے تھے، کہ ایک شب رسول خدا ﷺ نے عشاء کی نماز میں اس حد تک تاخیر کردی کہ لوگ سو رہے اور پھر جاگے، اور پھر سو رہے اور پھر جاگے، تو عمر بن خطاب کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے (جا کر آپ سے) کہا کہ نماز (تیار ہے) عطاء کہتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا، پھر رسول خدا ﷺ باہر تشریف لائے گویا کہ میں آپ کی طرف اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا ہے، اور آپ اپنا ہاتھ سر پر رکھے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا، کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا تو یقیناً انہیں حکم دے دیتا کہ عشاء کی نماز اسی طرح (اسی وقت) پڑھا کریں (ابن جریج کہتے ہیں) پھر میں نے عطاء سے بطور تحقیق کے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر کس طرح رکھا تھا، جیسا کہ ابن عباس نے ان کو خبر دی تو عطاء نے میرے (دکھانے کے) لئے اپنی انگلیوں کے درمیان میں کچھ تفریق کردی اس کے بعد اپنی انگلیوں کے سرے سر کے ایک جانب پر رکھ دیئے پھر ان کو ملا کر اس طرح سر پر کھینچ لائے۔ یہاں تک کہ ان کا انگوٹھا ان کے کان کی لو سے جو چہرے کے قریب ہے، داڑھی کے کنارے مل گیا، آپ جب پانی بالوں سے نچوڑتے اور جلدی کرنا چاہتے تو اسی طرح فرمایا کرتے، آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر گراں نہ سمجھتا، تو بے شک انہیں حکم دے دیتا کہ وہ (عشاء کی نماز) اسی طرح (یعنی اسی وقت) پڑھا کریں۔

تشریح: حضرت نے فرمایا کہ حالات کے مطابق تقسیم ہے، اسی لئے جس پر کسی وجہ سے نیند کا زیادہ غلبہ ہو تو اس کے لئے بھی شرعاً گنجائش واجازت ہے۔ حدیث الباب میں ہے کہ عشا کی نماز غروب شفق سے تہائی شب تک پڑھائی جاتی تھی، اس لئے شفق کی تحقیق بھی ضروری ہوئی، علامہ خطابی نے لکھا۔ کچھ حضرات کی رائے ہے کہ شفق سرخی ہوتی ہے غروب کے بعد، یہ حضرت ابن عمر وحضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مکحول وطاؤس کا بھی یہی قول ہے امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلی، امام ابویوسف، امام محمد، امام شافعی، امام احمد واسحق نے اسی کو اختیار کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے

شفق بیاض کو قرار دیا جو سرخی کے بعد ہوتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے، اسی قول کو امام ابوحنیفہ اور اوزاعیؒ نے اختیار کیا، تیسری رائے بعض حضرات کی یہ بھی ہے کہ شفق حمرۃ و بیاض ملی جلی کا نام ہے کہ نہ خالص سرخی ہو نہ کھلی سفیدی، (معالم السنن صفحہ ۱۲۵ تا ۱۲۵)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہ آخر کا قول زیادہ پسند ہے کیونکہ شفق اشفاق و شفقت سے مأخوذ ہے، جس کے معنی میں رقت ہے، اس لئے اس میں دونوں کا ہلکا رنگ و عکس ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا وقت ہوتا ہے تقریباً اتنا ہی غروب شمس سے غروب شفق ابیض تک ہوتا ہے۔ علم ریاضی والوں نے یہی تحقیق کی ہے نیز فرمایا کہ احادیث میں جو عشا کا وقت ثلث یا نصف لیل تک آیا ہے وہ سورۂ مزمل کی آیت "قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا اوزد علیه" کے مطابق ہے، حق تعالے نے اوقات لیل کو نماز عشا اور نماز تہجد کے درمیان تقسیم فرما دیا ہے، اگر عشا کو نصف کے اندر پڑھ لیا تو باقی نصف تہجد کے لئے رہ گئی اور اگر نماز عشا ثلث کے اندر پڑھی تو اس رات میں باقی دو ثلث تہجد کے لئے رہ گئے۔ اور اسی کے مطابق نزول باری بھی ہوتا ہے، کہ اس کی روایات بھی عشا کی طرح کوئی نصف کی ہے کوئی ثلث کی حافظؒ نے اگرچہ ثلث آخر کو ترجیح دی ہے مگر میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ سب روایات صحیح ہیں، اور نزول کے بھی انواع ہیں، کسی کا وقت ثلث کے لئے ہے، کسی کا نصف کے لئے اور ہم ان نزولات کی کیفیات و ذوق سے ناواقف ہیں مزید تحقیق اس کے موقع پر آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

باب وقت العشآء الیٰ نصف اللیل وقال ابوبرزة كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستحب تاخیرها

۵۴۱: حدثنا عبدالرحیم المحاربی قال حدثنا زائدة عن حمید ن الطویل عن انس قال اخر النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰة العشآء الیٰ نصف اللیل ثم صلی ثم قال قد صلی الناس وناموا اما انكم فی صلوة ما انتظر تموها وزادا بن مریم قال اخبرنا یحییٰ بن ایوب قال حدثنی حمید سمع انسا كانی انظر الیٰ و بیض خاتمه لیلتئذ

ترجمہ ۵۴۱: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عشا کی نماز میں (ایک مرتبہ) نصف شب تک تاخیر فرمائی، اس کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے، اور تم نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے اس کا انتظار کیا، اور ابن ابی مریم نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن ایوب نے کہا، وہ کہتے ہیں مجھ سے حمید نے بیان کیا، انہوں نے انسؓ سے سنا کہ گویا میں اس شب والی آپ کی انگوٹھی کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: علامہ عینیؒ نے آخر وقت عشا کے لئے صحابہ کرام کے مختلف آثار و اقوال ذکر فرما کر لکھا کہ ان ہی کے تحت ائمہ مجتہدین کا بھی اختلاف پیش آیا ہے، چنانچہ قاضی عیاض نے لکھا کہ امام مالک و شافعی (فی قول) ثلث رات تک کے قائل ہیں، اصحاب الرای و شافعی (فی قول آخر) اور ابن حبیب (مالکیہ میں سے) نصف تک کہتے ہیں، امام نخعی ربع تک مانتے ہیں۔ بعض حضرات طلوع فجر تک کہتے ہیں، یہی قول داؤد کا ہے اور امام مالک بھی وقت ضرورت اس کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ عینی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے مسلک میں تاخیر افضل ہے، مگر لیالی صیف میں شرح ہدایہ میں نصف شب تک تاخیر کو مباح لکھا ہے، بعض نے تاخیر بعد الثلث کو مکروہ بہ کراہت تحریمہ قرار دیا۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۷۳)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ نماز عشا ثلث لیل تک مستحب ہے، اور نصف تک جائز بلا کراہت ہے، اس کے بعد کراہت تنزیہی ہے، جیسا

کہ محقق ابن امیر الحاج نے تحقیق کی ہے اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے، پھر جن حضرات نے کراہت تحریم کہا ہے وہ بھی مسافر کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ اس لئے بعد نصف بھی بلا کراہت مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسافر کے لئے تاخیر مغرب میں بھی کراہت نہیں تا کہ وہ جمع صوری کر سکے، یعنی مغرب کو آخر وقت میں اور عشا کی اول وقت میں پڑھ لے (غیر مسافر کے لئے حنفیہ کے یہاں بھی مغرب میں تعجیل مسنون ہے اور تاخیر مکروہ) حافظ نے لکھا کہ یہاں تو امام بخاری نے نصف لیل تک کا باب باندھا ہے۔ مگر مسلم میں حدیث صریح ہے جس میں اول و آخر وقت عشا کا بیان ہے، علامہ نووی نے فرمایا کہ نصف لیل تک وقت ادا مختار ہے، لیکن وقت جواز طلوع فجر تک ہے، کیونکہ حضرت ابوقتادہ سے مسلم میں حدیث ہے کہ دوسری نماز تک پہلی کا وقت رہتا ہے، اور پہلی نماز میں اتنی تاخیر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اصطخری نے ضرور یہ کہا ہے کہ اگر آدھی رات گذر گئی تو پھر نماز عشا وقتا ہوگئی، مگر جمہور کا استدلال حدیث ابی قتادہ مذکورہ سے ہے۔ اس پر حافظ نے اضافہ کیا کہ عموم حدیث ابی قتادہ سے بالاجماع نماز فجر کو مستثنیٰ کریں گے (کہ اس کا وقت دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہے) اور امام شافعی کے قول جدید پر مغرب کو بھی۔ (کہ اس قول پر مغرب کا وقت ان کے نزدیک صرف اتنا ہے کہ وضو وغیرہ کر کے تین رکعات پڑھ لے) حافظ نے یہاں یہ بھی لکھا کہ مجھے امتداد وقت عشا الی طلوع الفجر کے لئے کوئی صریح حدیث نہیں ملی (فتح ۲ صفحہ ۳۵)

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک امام بخاری نے بھی اصطخری کا مسلک اختیار کیا ہے، اور وہ ایک قول امام شافعی و مالک کا بھی ہے۔ لیکن اسی حدیث الباب بخاری میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشا کو نصف لیل تک موخر کیا، اور پھر نماز پڑھی اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے نصف کے بعد نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ پھر یہ وقت صبح تک کے لئے ہوگیا کیونکہ اقوال صرف تین ہی ہیں۔ ایک ثلث کا دوسرا نصف کا' تیسرا طلوع فجر تک کا، ایسا قول کسی کا بھی نہیں ہے کہ بعد نصف کے اور طلوع فجر سے پہلے ختم ہو۔ امام طحاوی نے کہا کہ تمام احادیث پر نظر کر کے یہ بات ثابت ہے کہ عشا کا وقت جائز طلوع فجر تک ہے کیونکہ حدیث حضرت عائشہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز کو موخر کیا تا آنکہ بیشتر رات کا حصہ جاتا رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوری رات ہی نماز عشا کا وقت ہے، اور اس کی تائید کتاب حضرت عمرؓ بنام ابی موسیٰ سے بھی ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ عشا کی نماز رات کے جس حصہ میں چاہو پڑھو، اور حدیث ابی قتادہ مسلم کی اوپر گذری ہے، جس سے علامہ نووی نے بھی طلوع فجر تک کا وقت تسلیم کیا ہے، پھر امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں پوری تفصیل سے اسی کو ثابت کیا ہے اور لکھا کہ حضرت عبید بن جریج نے حضرت ابوہریرہؓ سے سوال کیا کہ نماز عشا میں افراط کیا ہے، آپ نے جواب دیا طلوع فجر۔ (اس سے بھی وقت جواز کی انتہا معلوم ہوئی) حاشیہ لامع ۲۲۳ صفحہ ۲۲۲ اول، اوجز ا صفحہ ۲ میں ہے کہ حنفیہ کے نزدیک عشا کا وقت طلوع فجر تک ہے۔ اور مغنی میں بھی وقت ضرورت طلوع فجر ثانی تک ہے۔ ابھی امام طحاوی کے مسلک اور تحقیق کا حوالہ بھی اوپر آچکا ہے۔

انتظار صلوۃ کا مطلب: حدیث الباب میں ہے کہ جب تک تم نماز کے انتظار میں رہو گے تمہارا وقت نماز میں ہی شمار ہوگا۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تو نماز جماعت سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں انتظار صلوۃ میں بیٹھنے کی فضیلت ہے جو اور بھی بہت سی احادیث میں وارد ہے، مگر بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نماز سے فارغ ہو کر دوسری نماز کا انتظار کرنے میں بھی بڑی فضیلت ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ اس پر تعامل بھی ہوا یا نہیں کیونکہ سلف سے یہ بات شہرت و کثرت کے ساتھ منقول نہیں ہوئی کہ وہ نمازوں کے بعد دوسری نمازوں کے لئے مساجد میں رکے رہتے تھے، حالانکہ فضیلت کی بہ کثرت احادیث کے پیش نظر عملی نظائر بھی سامنے ضرور آتے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید مراد فقط تعلق قلب ہو۔ اور اس معنی کی تائید بھی بعض احادیث سے ہوتی مثلاً حدیث ابی ہریرہؓ بخاری و مسلم میں ہے کہ سات آدمیوں کو حق تعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایہ میں جگہ دے گا ان میں سے ایک وہ بھی ہے جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہے (کہ کب نماز کا وقت ہو اور مسجد میں جاؤں) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ مومن کی سب سے بڑی خوبی اسکے قلب کا انتظار و دھیان نماز و مسجد کی طرف ہے، اور مسجد و نماز میں

بھی اگر دل باہر کی چیزوں میں ہو تو وہ بالکل بے سود ہے۔ اور اگر کسی کو دونوں باتیں میسر ہوں کہ قلب و جسم دونوں مسجد میں ہوں تو یہ ظاہر ہے نور علی نور ہے، اسی سلسلہ کی کچھ احادیث سے نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر ذکر اللہ کرنے کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل صلوٰۃ الفجر والحدیث

نماز فجر کی فضیلت کا بیان اور حدیث

۵۴۲: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن اسماعیل قال حدثنا قیس قال قال لی جریر بن عبداللہ کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال امآ انکم سترون ربکم کما ترون ھذا لا تضامون اولا تضاھون فی رویتہ فان استطعتم الا تغلبوا علیٰ صلوٰۃ قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا فافعلوا ثم قال فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا قال ابوعبداللہ زاد ابن شھاب عن اسماعیل عن قیس عن جریر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سترون ربکم عیاناً

۵۴۳: حدثنا ھدبۃ بن خالد قال حدثنا ھمام قال حدثنی ابوجمرۃ عن ابی بکر بن ابی موسی عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلے البردین دخل الجنۃ و قال ابن رجآء حدثنا ھمام عن ابی جمرۃ ان ابابکر بن عبداللہ ابن قیس اخبرہ بھٰذا

۵۴۴: حدثنا اسحٰق قال حدثنا حبان قال ثنا ھمام قال حدثنا ابوجمرۃ عن ابی بکر بن عبداللہ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ

ترجمہ ۵۴۲: حضرت جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم (ایک مرتبہ) شب بدر میں نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ آپ نے چاند کی طرف نظر فرمائی۔ اور فرمایا، سنو! عنقریب تم لوگ اپنے پروردگار کو بے شک و شبہ اسی طرح دیکھو گے، جس طرح (اس وقت) اس چودھویں رات) چاند کو دیکھ رہے ہو، لہٰذا اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب سے قبل کی نماز پر (شیطان سے) مغلوب نہ ہو، تو کرو، پھر آپ نے فرمایا **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا**، امام بخاری کہتے ہیں، کہ ابن شہاب نے اسمٰعیل سے انہوں نے قیس سے انہوں نے جریر سے اتنے لفظ زیادہ روایت کئے ہیں کہ عنقریب تم اپنے پروردگار کو علانیہ دیکھو گے۔

ترجمہ ۵۴۳: حضرت ابوبکر بن ابی موسیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دو ٹھنڈی نمازیں پڑھ لے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا، اور ابن رجا نے کہا کہ ہم سے ہمام نے بواسطہ ابوجمرہ، اور ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے اس کو بیان کیا۔

ترجمہ ۵۴۴: ہم سے اسحٰق نے بواسطہ حبان، ہمام، ابوجمرہ و ابوبکر، حضرت عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح: اوپر ترجمۃ الباب میں ''والحدیث'' کا جو لفظ ہے، وہ صرف روایت ابی ذر میں ہے، حافظ نے لکھا کہ اس لفظ کے لئے یہاں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اور کرمانی نے جو "**باب فضل الفجر و باب الحدیث الوارد فی فضل صلوٰۃ الفجر**" سے توجیہ کی ہے وہ بعید ہے، کیونکہ یہ زیادتی کسی مستخرج میں بھی نہیں ہے اور نہ کسی شارح نے اس طرف توجہ کی تو بظاہر وہ غلط اور وہم ہے، یا **باب فضل صلاۃ الفجر و العصر** ہوگا، عصر کی جگہ الحدیث لکھا گیا۔ (فتح ۲ صفحہ ۳۵) علامہ عینی نے لکھا کہ حافظ ابن حجر کا کرمانی کی توجیہ کو رد کرنا اور خود اس زیادتی کو وہم قرار دینا دونوں باتیں نامناسب ہیں، بلکہ وہم و تحریف والی توجیہوں سے کرمانی کی توجیہ بہتر ہے، اور میرے نزدیک یہ توجیہ ہے کہ رات کو سونے کے بعد صبح کو اٹھنا نئی زندگی کا حصول ہے، اسی لئے سو کر اٹھنے کی دعا بھی **الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیہ**

النشور، وارد ہے، لہٰذا اٹھ کر بطور اداءِ شکر صبح کی نماز پڑھنی ہے، اور چونکہ اس کی ادائگی کی حدیث میں فضیلت بھی نہایت عظیم ہے اس لئے اس کی طرف ترجمۃ الباب میں اشارہ کیا ہے۔ (عمدہ ۲ صفحہ ۵۸۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ لفظ مذکور کہ زیادتی پر شارحین نے بہت سی توجیہات کی ہیں لیکن کوئی شافی بات نہ ہو سکی، میری رائے یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت تراجم ابواب کے اندر یہ بھی ہے کہ اگر کسی غیر مقامی حدیث سے بھی کوئی فائدہ لینا چاہتے ہیں تو اس کو ترجمہ کے ضمن میں ذکر کر دیتے ہیں اگر چہ وہ اس ترجمہ کے مناسب نہ ہو، اور میں اس کا نام ''انجاز'' رکھتا ہوں یہاں بھی میرے نزدیک یہی صورت ہے کہ فضیلت نماز فجر کا ذکر ہے، اور اس کی کوئی مناسبت حدیث بعد العشاء سے نہیں ہے، مگر چونکہ حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے کہ حضور علیہ السلام سے صحابہ کرام نے فضیلت نماز فجر کو مسجد نبوی میں چاندنی رات کے اندر حاضر خدمت رہ کر سنا ہے تو اسی فائدہ کے لئے بطور ''انجاز'' امام بخاری نے ''الحدیث'' سے اشارہ حدیث بعد العشاء کی طرف کر دیا، اور بتلایا کہ کسی دینی بات کو بعد عشا بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اس توجیہ کو اقرب التوجیہات فرمایا، ساتھ ہی کچھ تامل بھی اس لئے کیا کہ کوئی تصریح اس امر کی کتب حدیث میں نہ مل سکی کہ حضور علیہ اسلام کا یہ ارشاد بعد نماز عشاء کے صادر ہوا ہے، اگر چہ احتمال زیادہ اسی کا ہے کیونکہ بدر کی روشنی اسی وقت شدید و قوی ہوتی ہے جو مقام تشبیہ کے لئے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے دو توجیہ منقول ہیں ایک یہ کہ باب کا لفظ مقدر مانیں یعنی باب فضل صلوٰۃ الفجر و باب فضل الحدیث فیہ اور تکرار باب اس حدیث کی عظیم منقبت ظاہر کرنے کے لئے ہوا، کیونکہ اس میں رؤیتِ باری تعالیٰ کی بشارت دی گئی ہے، (لیکن تکرار لفظ باب سے تو بہتر یہ ہے کہ والحدیث کو صلوٰۃ الفجر پر عطف کر دیں، اس سے بھی یہی فائدہ حاصل ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیث الباب میں تو فضیلت عصر کی بھی رؤیۃ باری عزاسمہ کے ساتھ ہے، وہاں بھی باب فضل صلوٰۃ العصر والحدیث لانا تھا، جبکہ وہاں بھی یہی حدیث جریر گذر چکی ہے)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ''الحدیث کا عطف فضل پر کیا جائے، یعنی و باب الکلام بعد الفجر کہ فجر کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہیں، جیسا کہ آیت **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها** کے یہاں ذکر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت تسبیح کا ہے۔ اور احادیث میں بھی کراہت وارد ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آیت حکم تسبیح قبل طلوع الشمس میں تسبیح کرنے کا حکم ہے، جس کی تعمیل نماز فجر کے ذریعہ ہوگئی۔ پھر جس طرح قبل غروب والی نماز عصر کے بعد باتیں کرنے کی کوئی ممانعت آیت سے نہیں نکلتی اسی لئے نماز عصر کے بعد باتیں کرنا جائز ہے، یہاں بھی نماز فجر کے بعد اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ پھر بعد نماز فجر کے اگر چہ بہتر یہی ہے کہ ذکر واذکار میں مشغول ہو، مگر باتیں کرنے کی ممانعت والی احادیث معلوم نہ ہو سکیں جیسی کہ ممانعت حدیث بعد العشاء کی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب وقت الفجر

نماز فجر کے وقت کا بیان

۵۴۵: حدثنا عمرو بن عاصم قال حدثنا همام عن قتادة عن انس ان زيد بن ثابت حدثه' انهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم قاموا الى الصلوة قلت كم بينهما قال قدر خمسين او ستين يعني اية

۵۴۶: حدثنا الحسن بن الصباح سمع روح بن عبادة قال حدثنا سعيد عن قتادة عن انس بن مالك ان نبي صلى الله عليه وسلم وزيد بن ثابت تسحرا فلما فرغا من سحورهما قام النبي صلى الله عليه وسلم

الی الصلوة فصلے قلنا لانس کم کان بین فراغهما من سحورهما ودخولهما فی الصلوة قال قدرما یقرؤ الرجل خمسین اٰیة

۵۴۷: حدثنا اسماعیل بن ابی اویس عن اخیه عن سلیمان عن ابی حازم انه سمع سهل بن سعد یقول کنت اتسحر فی اهلی ثم تکون سرعة بیّ ان ادرک صلوة الفجر مع رسول الله صلی الله علیه وسلم

۵۴۸۔ حدثنا یحیی بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب قال اخبرنی عروة بن الزبیر ان عآئشة رضی الله عنها اخبرته قالت کن نسآء المؤمنات یشهدن مع رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ینقلبن الیٰ بیوتهن حین یقضین الصلوٰة لایعرفهن احد من الغلس

ترجمہ۵۴۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ زید بن ثابت نے مجھ سے بیان کیا کہ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سحری کھائی اس کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوگئے میں نے پوچھا کہ ان دونوں میں کتنا فصل تھا، زید نے کہا، پچاس یا ساٹھ (کی تلاوت) کے اندازے پر۔

ترجمہ۵۴۶۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ اور زید بن ثابت دونوں نے سحری کھائی جب اپنی سحری سے فارغ ہوگئے تو نبی کریم ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور اپنی نماز پڑھی، ہم لوگوں نے ان سے پوچھا کہ ان دونوں کے سحری سے فراغت کرنے، اور نماز کے درمیان میں کس قدر فصل تھا، انس نے کہا اس قدر کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

ترجمہ۵۴۷: حضرت ابوحازم سہل بن سعدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر کے لوگوں میں (بیٹھ کر) سحری کھایا کرتا تھا، پھر مجھے اس بات کی جلدی پڑجاتی تھی کہ کس طرح میں فجر کی نماز رسول خدا ﷺ کے ہمراہ پڑھ لوں۔

ترجمہ۵۴۸: حضرت عروہ بن زبیر حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مسلمان عورتیں رسول خدا ﷺ کے ہمراہ فجر کی نماز میں اپنی چادروں میں لپٹ کر حاضر ہوتی تھیں، جب نماز ختم کرچکتیں اور اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاتیں تو کوئی شخص اندھیرے کے سبب سے ان کو پہچان نہ سکتا تھا۔

تشریح: امام بخاری نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور سب سے یہ ثابت کیا ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے جھٹ پٹے وقت میں پڑھنی چاہئے اور یہی مذہب امام مالک، شافعی واحمدؒ کا بھی ہے، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک اسفار میں نماز پڑھنا بہتر ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شرکت کریں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفی کتاب فقہ مبسوط میں ہے کہ ظہر میں ابراد اور صبح میں اسفار کی فضیلت حنفیہ کے یہاں اس وقت ہے کہ لوگ جمع نہ ہوں، اگر جمع ہوں تو افضل تعجیل ہی ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے عشاء میں بھی تعجیل کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف جواز کا نہیں ہے بلکہ استحباب کا ہے۔ پھر یہ کہ آئمۂ حنفیہ میں سے ہی امام محمد اور امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ غلس (اندھیرے) میں شروع کر کے اسفار (روشنی کے وقت) میں نماز صبح ختم کی جائے، اور ختم بھی ایسے وقت میں کرنی چاہئے کہ اگر نماز لوٹانے کی ضرورت پڑ جائے تو مستحب طریقہ پر پھر سے پڑھی جاسکے، یعنی ۴۰ سے ۶۰ آیت تک دونوں رکعتوں میں پڑھی جاسکیں۔

بحث ونظر: سب سے اول گذارش ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے ابتدائی دور تدریس دارالعلوم دیوبند میں ابوداؤد ومسلم شریف پڑھائی تھیں جبکہ حضرت شیخ الہندؒ ترمذی وبخاری شریف پڑھایا کرتے تھے، اس وقت کے درس کی امالی مولانا محمد صدیق ساکن نجیب آباد ضلع بجنور کی ضبط کردہ ''انوارالمحمود'' کے نام سے طبع شدہ موجود ہے، اور العرف الشذی معارف السنن وفیض الباری (امالی درس ترمذی وبخاری) بھی ہمارے سامنے ہیں، اور حضرتؒ نے ''کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ'' لامام محمدؒ کے حوالہ سے ایک بات پیش کی ہے، یہ کتاب بھی اب طبع شدہ موجود ہے، لیکن

حضرتؒ کے ارشاد کو پیش کرنے میں کچھ مسامحت ہوگئی ہے، اس کو بھی ہم واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، امام محمدؒ نے جس مقصد سے یہ کتاب لکھی تھی وہ سب اہل علم پر روشن ہے، امام صاحب نے اپنی کتاب کا آغاز اسی مسئلہ سے کیا ہے اور بتلایا ہے کہ حنفیہ اور امام مالکؒ کے اختلاف کی نوعیت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے آثار کی روشنی میں اور اس لئے بھی کہ لوگ صبح کو نیند کی گرانی سے اٹھتے ہیں، یہ فیصلہ کیا کہ صبح کی نماز اسفار میں پڑھی جائے تاکہ سونے والے اور دوسرے سب ہی جماعت میں شریک ہو جائیں، دوسرا مسلک امام مالک و اہل مدینہ کا ہے کہ اندھیرے میں پڑھی جائے، پھر لکھا کہ دونوں کے لئے آثار واخبار ہیں، مگر ہمارے نزدیک اسفار ہی بہتر ہے۔ کیونکہ پہلے لوگ جو اندھیرے میں پڑھتے تھے وہ قراءت طویل کرتے تھے، جس سے سونے والوں اور دوسروں کو جماعت کی نماز مل جاتی تھی، اور ختم وہ بھی اسی وقت کرتے تھے، جس وقت اسفار والے کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے منقول ہے کہ وہ صبح کی نماز میں سورۂ بقرہ پڑھتے تھے، تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرے سے نماز اسی لئے پڑھتے تھے (کہ کافی وقت لگے گا اور اسفار تک نماز ختم ہوگی۔) لیکن جو لوگ تھوڑی قراءت کریں اور مفصل کی سورتیں یا ان کی برابر کی قراءت قرآن مجید سے کریں ان کو اسفار میں ہی پڑھنی چاہئے۔ (کتاب الحجہ مع حواشی محدث علام مولانا مفتی مہدی حسنؒ)

اس سے ثابت و واضح ہے کہ امام محمدؒ کا مسلک بھی امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف ہی کی طرح ہے، کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر سورۂ بقرہ جیسی طویل قراءت اب بھی کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ اس کو اندھیرے میں شروع کرنا پڑے گا، اور جس طرح کتب فقہ حنفی میں ہے کہ صبح کی نماز میں طوال مفصل پڑھی جائیں، یعنی سورۂ حجرات (پارہ نمبر ۲۶) سے سورۂ بروج (پارہ نمبر ۳۰) تک کی سورتیں۔ اور اسی کا ارشاد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو فرمایا تھا، ان سب سورتوں میں ۱۸ سے ۶۰ تک آیات ہیں، سورۂ نجم و رحمن میں زیادہ ہیں تو ان کی آیات بہت چھوٹی چھوٹی ہیں، غرض دونوں رکعتوں میں جتنی قراءت نماز صبح میں ہونی چاہئے، اس میں ۸-۱۰ منٹ صرف ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ اتنی قراءت کے لئے اندھیرے سے نماز شروع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اور اسی کی طرف امام محمدؒ رہنمائی فرما رہے ہیں، اور اسی لئے انہوں نے اسفار کو احب الینا فرمایا یعنی امام صاحب وغیرہ اور اپنا مسلک ایک ہی قرار دیا، اور اندھیرے میں شروع کرنے کو ایک مخصوص حالت پر محمول کیا، برخلاف اس کے کہ امام طحاوی کا مسلک یہ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرے۔ یہ مسلک بالکل الگ ہے کیونکہ امام مالک شافعی و احمد کے نزدیک نماز صبح اندھیرے میں شروع کرنا اور اندھیرے میں ہی ختم کرنا افضل ہے، ائمہ حنفیہ سب ہی کے نزدیک اسفار میں شروع اور اسی میں ختم ہے، صرف امام طحاوی حنفی کا یہ مسلک سب سے الگ ہے کہ اندھیرے میں شروع کر کے اسفار میں ختم ہو۔ امام محمدؒ نے اس صورت کو غیر معمولی طوالتِ قراءت پر محمول کر دیا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے لوگوں نے اس پر عمل کیا تھا اور ظاہر ہے کہ امام ابویوسف اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ سے الگ نہیں ہی، لہٰذا تینوں ائمہ حنفیہ کا مسلک واحد ہے اور وہی بات نقل مذہب کی کتابوں میں بھی ملتی ہے، غرض کتاب الحجہ اور دوسری کتب نقول میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حضرتؒ کی مراد بیان کرنے میں مسامحت ہوئی ہے۔ حضرتؒ کا مقصد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف تو اسفار ہی کے بدایۃ ونہایۃ میں قائل ہیں امام طحاوی بدایت فی التغلیس ونہایت فی الاسفار کے قائل ہیں یعنی قراءت خواہ طویل ہو یا قلیل نماز ایسے وقت ہو کہ غلس میں شروع کر کے اسفار پر ختم کرے، کیونکہ غلس اور اسفار کے بھی مراتب ہیں۔ امام محمدؒ نے یہ صراحت کی کہ ہم بدایۃ فی التغلیس ونہایۃ فی الاسفار کو صرف غیر معمولی تطویل قراءت پر محمول کرتے ہیں، اس کے سوا دوسری صورتوں میں بدایۃ ونہایۃ دونوں میں اسفار ہی افضل ہے اور چونکہ امام ابوحنیفہ کا منشاء سب لوگوں کا جماعت پالینا ہے، اس لئے طویل قراءت میں وہ بھی یہی کہیں گے جو امام محمد نے فرمایا ہے اور اگر امام طحاوی کے یہاں بھی اطالت قراءت کی قید بدایۃ فی التغلیس ونہایۃ فی الاسفار کے لئے مان لی جائے تو پھر چاروں ائمہ حنفیہ کا مسلک متحد ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دلائل اسفار وحافظ ابن حجرؒ:

حنفیہ کے حق میں اسفار کے دلائل اتنے زیادہ اور قوی ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی باوجود مسلک شافعی ہونے کے اس کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو، معارف السنن ص۲/۴۲، تاہم فتح الباری وغیرہ میں حافظ نے وہی روش رکھی ہے جو دیگر شافعیہ یا وہ خود اختلافی مسائل میں اختیار کیا کرتے ہیں۔ دلائل اسفار اوجز اور معارف السنن، عمدۃ القاری وغیرہ میں دیکھے جائیں۔ ہمیں یہاں اہم بات ذکر کرنی ہے۔

حدیث ابن مسعودؓ کی بحث

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ دلائل اسفار میں ایک حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ہے، جس کو امام بخاری نے بھی **باب من اذن و اقام لکل واحدۃ** ص۲۲۷ میں ذکر کیا ہے، اور وہ امام شافعی وغیرہ کے مخالف ہے اس میں ہے کہ "میں نے کبھی بھی حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو، بجز اس دن کے، یعنی یوم مزدلفہ میں صبح کی نماز اور مغرب کی نماز بھی وقت سے بدل کر مزدلفہ کی شب میں عشا کے وقت میں پڑھی"۔ کیونکہ ظاہر ہے آپ نے اس دن بھی صبح کی نماز طلوع فجر میں قبل تو پڑھی نہ ہوگی کہ وہ تو کسی طرح بھی اور کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا اول وقت پر پڑھنے کو ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے غیر وقت اس لئے قرار دیا ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے عام معمول کے خلاف تھی، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کی عام عادت اسفار میں پڑھنے کی ہی تھی ابتداء وقت کی نہ تھی جو شافعیہ کا مسلک ہے اور صرف حج کے موقع پر دسویں ذی الحجہ کو مزدلفہ میں صبح کی نماز اول وقت ہوتے ہی آپ نے پڑھی ہے۔ نیز آپ کے قولی ارشادات سے بھی اسفار کا ہی حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے قول وفعل دونوں سے اسفار کا مستحب وافضل ہونا واضح ہو گیا۔ علامہ نووی نے فرمایا کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود سے امام ابوحنیفہؒ جمع بین الصلاتین فی السفر کی ممانعت بھی ثابت کی ہے، مگر یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مزدلفہ کی مدات میں جمع بین الصلاتین کا ذکر کر کے یہ بھی کہا کہ اس کے سوا حضور علیہ السلام نے کبھی دو نمازوں کو جمع نہیں کیا، حالانکہ جمع عرفہ سب کے نزدیک ثابت ہے، اور عبداللہ بن مسعود نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا ان کی حدیث قابل استدلال نہیں رہی۔ حضرتؒ نے علامہ نووی کا یہ اعتراض نقل کر کے فرمایا کہ حافظ نے بھی ان کے اعتراض کو ذکر کیا اور خاموشی سے آگے گذر گئے (جیسے اس کو تسلیم کر لیا ہو) میں کہتا ہوں کہ جمع عرفہ کا ذکر بھی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت نسائی میں موجود ہے، ملاحظہ ہو، کتاب الحج میں باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ، نسائی ص۲/۴۴ (واضح ہو کہ بعینہ اسی عنوان سے یہ باب کتاب الصلوۃ میں بھی ص۱/۱۰۰ میں امام نسائی نے قائم کیا ہے مگر وہاں ابن مسعود کی یہ روایت ذکر نہیں فرمائی، اس لئے صرف اس کو دیکھ کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نسائی کا حوالہ غلط ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے علامہ نووی سے یہ روایت نسائی پوشیدہ رہی ہو، مگر حافظ ابن حجرؒ سے تو مخفی نہ ہوگی، اس لئے ان کا سکوت موجب حیرت ہے۔

حضرتؒ کے اس قسم کے محدثانہ نکات نہایت قابل قدر ہیں، احقر کا خیال ہے شاید علامہ سندیؒ محشی نسائی شریف کو بھی علامہ نووی کے اعتراض اور حافظ کے سکوت سے یہی یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ضرور گر جانے کے ہی لائق ہے کہ انہوں نے جمع عرفہ ایسی مشہور ومتواترات بات کا بھی انکار کر دیا اور فرما دیا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے دو نمازوں کو جمع کیا ہو بجز مزدلفہ کے اور اسی کی صبح کو فجر کی نماز بھی وقت سے قبل پڑھی (نسائی شریف ص۱/۱۰۰ باب الجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفہ)

اس پر علامہ سندی نے حاشیہ میں لکھا کہ شاید حضرت ابن مسعودؓ کو جمع عرفہ کی خبر نہ پہنچی ہوگی، اس لئے حصر سے ایسی بات فرما دی۔

حیرت ہے کہ نسائی شریف ص۲/۴۴ کی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی حدیث **کان رسول اللہ ﷺ یصلی الصلوات لوقتھا الا بجمع و عرفات**، ان سے بھی مخفی ہوگئی۔ ورنہ وہ حاشیہ میں ایسی بات نہ لکھتے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

قولہ ان زید بن ثابت

حضرتؒ نے فرمایا: یہ وہی حضرت زید بن ثابتؓ ہیں جو حضور علیہ السلام کی نمازِ شبانہ میں بھی شریک ہوئے ہیں اور ان کا مذہب نماز وتر کے بارے میں وہی ہے جو حنفیہ کا ہے (تفصیل کشف الستر میں ہے)

قولہ کنت اتسحر فی اہلی

یعنی میں اپنے گھر میں سحری کھا کر جلدی کر کے حضور علیہ السلام کے ساتھ نمازِ صبح میں شرکت کرتا تھا، حضرتؒ نے فرمایا کہ بظاہر یہ تغلیس کی نماز صرف رمضان کے لئے تھی، کیونکہ آخری وقت سحری کھا کر سب کو جمع ہونا زیادہ آسان تھا، اور حنفیہ بھی جمع ہونے کی سہولت کے لئے ہی اسفار کو افضل قرار دیتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے اسفار کے لئے ترغیبی ارشادات کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ رمضان کے اندر ہمارے اکابر کا معمول بھی سحری کے بعد متصلا نمازِ فجر کی جماعت کا رہا ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نمازِ فجر پڑھ کر سونے کا جو معمول ہوگیا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکہ حدیث میں ہے **الصبحة تمنع الرزق** (جامع صغیر سیوطی ص۲/۴۹) یعنی صبح کا سونا رزق کو کم کرتا ہے، اور نوم الصبحة تمنع الرزق (کنوز الحقائق مناوی ص۱۳۱/۲ برحاشیہ جامع صغیر) اسی لئے حضرت شاہ صاحبؒ اپنے تلامذہ کو بھی صبح کے وقت سونے سے روکا کرتے تھے اور یہی حدیث سنایا کرتے تھے، لہٰذا اگر سونا ہی ہو تو طلوعِ شمس کے بعد سوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

قولہ لایعرفہن احد من الغلس

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: اس میں "من الغلس" حضرت عائشہؓ کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ دوسرے راوی حدیث کا اپنی طرف سے اضافہ اور قیاسی اظہار خیال ہے، کیونکہ ابن ماجہ ص۴۹ باب وقت الفجر میں اسی حدیث حضرت عائشہؓ میں اس طرح ہے **فلا یعرفهن احد، تعنی من الغلس،** یعنی نیچے کا راوی بتلانا چاہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عدمِ معرفت کی بات غلس کی وجہ سے فرمائی ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ خود بخاری میں جو دوسری جگہ حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ آپ غلس میں پڑھا کرتے تھے یعنی بطریق عادت کے ایسا کرتے تھے تو "دارمی" میں بعینہ اسی متن وسند سے حدیث اس طرح ہے:۔ **کان یغلس او کانوا یغلسون،** یعنی اس میں روایت شک کے ساتھ ہے کہ حضور علیہ السلام غلس میں پڑھتے تھے، یا دوسرے حضرات پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس سے بھی استدلال ضعیف ہے شکِ راوی کی وجہ سے۔

معرفت سے کیا مراد ہے؟

علامہ نووی نے فرمایا کہ اتنا زیادہ اندھیرا ہوتا تھا کہ مردوں کو عورتوں سے الگ نہ پہچان سکتے تھے، علامہ عینی نے فرمایا کہ معرفتِ عین مراد ہے کہ مثلاً فاطمہؓ کو عائشہؓ سے ممتاز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا میرے نزدیک علامہ نووی کی تاویل بہت مستبعد ہے، اور مراد معرفت شخص ہی ہے کہ ایک کو دوسرے سے متمیز نہ کر سکتے تھے۔ یہ نہیں کہ اندھیرا اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ عورتوں کو مردوں سے بھی متمیز نہ کر سکتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب اور علامہ عینی کی رائے واضح ہو جانے کے بعد بھی فیض الباری ص۳۲۳/۲ سطر۵ میں **لا یعرف الرجال من النساء** کا اندراج سبقت قلم ہے۔

فلیتنبہ لہ:۔ نہایت افسوس ہے کہ سابقہ مطبوعہ امالی انور کے بیشتر مقامات میں حضرتؒ کی مراد صحیح طور سے پیش نہیں کی جا سکی ہے۔

باب من ادرک من الفجر رکعة

اس شخص کا بیان جو فجر کی ایک رکعت پائے

۵۴۹: حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار وعن بسر بن سعید و عن الاعرج یحدثونه' عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص آفتاب کے نکلنے سے پہلے صبح کی ایک رکعت پالے، تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جو کوئی آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے، تو بے شک اس نے عصر کی نماز پالی۔

باب من ادرک من الصلوٰة رکعةً

اس شخص کا بیان جس نے نماز کی ایک رکعت پائی

۵۵۰: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال حدثنا مالک عن ابن شھاب عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال من ادرک رکعةً من الصلوٰة فقد ادرک الصلوٰة

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے، تو اس نے (پوری) نماز پالی:

باب الصلوٰة بعد الفجر حتیٰ ترتفع الشمس

فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک نماز پڑھنے کا بیان

۵۵۱: حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا ھشام عن قتادة عن ابی العالیه عن ابن عباسؓ قال شھد عندی رجال مرضیون وارضاھم عندی عمر ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نھیٰ عن الصلوٰة بعد الصبح حتیٰ تشرق الشمس و بعدالعصر حتیٰ تغرب

۵۵۲: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبة عن قتادة سمعت اباالعالیة عن ابن عباسؓ قال حدثنی ناس بھٰذا

۵۵۳: حدثنا مسدد قال حدثنا یحیی بن سعید عن ھشام قال قال اخبرنی ابی قال اخبرنی ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لاتحروا بصلوتکم طلوع الشمس ولاغروبھا قال حدثنی ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم اذا طلع حاجب الشمس فاخروالصلوٰة حتیٰ ترتفع واذا غاب حاجب الشمس فاخروالصلوة حتی تغیب تابعه' عبده

۵۵۴: حدثنا عبید بن اسمٰعیل عن ابی اسامة عن عبیداللہ عن خبیب ابن عبدالرحمٰن عن حفص بن عاصم عن ابی ھریرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نھی عن بیعتین و عن لبستین و عن صلوتین نھی عن الصلوة بعد الفجر حتیٰ تطلع الشمس و بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس و عن اشتمال الصمآء وعن الاحتبآء فی ثوب واحد یفضی بفرجهٖ الی السمآء و عن المنابذة والملامسة

ترجمہ ۵۵۱: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں، کہ میرے سامنے چند پسندیدہ لوگوں نے کہ ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک عمرؓ تھے، یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے اور عصر کے بعد غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔

ترجمہ ۵۵۲: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے چند آدمیوں نے اس حدیث کو روایت کیا۔

تشریح ۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے پہلے ادراک صلوۃ کی حدیث خاص عصر کے لئے ذکر کی تھی پھر باب سابق میں خاص فجر کے لئے، پھر آپ مطلق ہر نماز کے لئے لائے ہیں۔ ممکن ہے اس سے اشارہ یہ ہو کہ پہلی حدیثیں بھی اس مطلق حدیث کی طرح مسبوق کے لئے ہیں۔ تفصیل پہلے ہو چکی۔

ترجمہ ۵۵۳: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نمازیں طلوع آفتاب کے وقت نہ پڑھو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت، عروہ کہتے ہیں، مجھ سے ابن عمر نے (یہ بھی) کہا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے، کہ جب آفتاب کا کنارہ نکل آئے تو آفتاب بلند ہونے تک نماز موقوف کر دو اور جب آفتاب کا کنارہ چھپ جائے تو جب تک پورا نہ چھپ جائے، اس وقت تک نماز موقوف کر دو۔ عبدہ نے اس کے تابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ ۵۵۴: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو قسم کی بیع، اور دو قسم کے لباس اور دو نمازوں سے منع فرمایا، فجر کے بعد نماز پڑھنے سے، جب تک آفتاب اچھی طرح نہ نکل آئے اور عصر کے بعد (نماز سے) جب تک کہ (اچھی طرح) آفتاب غروب نہ ہو جائے اور ایک کپڑے میں اشتمال صماء اور احتباء سے، جو کہ پورے طور پر شرم گاہ کے لئے پردہ نہ ہو سکے، اور (بیع) منابذہ اور ملامسہ سے۔

تشریح: نماز فجر کے بعد طلوع شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے اور نماز عصر کے بعد بھی غروب شمس تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ امام بخاری نے یہاں چار احادیث ذکر کیں۔ جن سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے، مگر امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں صرف بعد فجر کا ذکر کیوں کیا؟ اس کی وجہ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں نے یہ لکھی کہ احادیث میں اول ذکر بعد فجر کا ہے یا اس لئے کہ حضور علیہ السلام سے بعد عصر کے تو نماز پڑھنا ثابت بھی ہوا ہے، مگر بعد فجر کے نہیں ہوا۔ (عمدہ ص ۵۸۸/۲ و فتح ص ۲/۳۹)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اکابر امت نے حضور علیہ السلام کی نماز بعد العصر کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے ترجمۃ الباب میں سے اس کی صریح و متواتر ممانعت کو نظر انداز کر دینا موزوں نہ تھا اور اولاً و ثانیاً والی تاویل بھی دل کو نہیں لگتی، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس ترجمۃ الباب کا ذکر ہی چھوڑ دیا۔

علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ نماز بعد صبح و بعد عصر دونوں کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، علامہ عینی نے فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی نماز آپ سے مخصوص تھی اور امت کے لئے ممنوع ہی رہی (خیر جاری در حاشیہ بخاری ص ۸۲)

ایک حدیث ترمذی شریف میں یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر پڑھی تھیں، وہ بعد ظہر کی دو سنت تھیں کیونکہ حضور علیہ السلام لوگوں کو مال تقسیم کرنے میں مشغول ہو گئے تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا، اس کے بعد فرض عصر کے اور دو رکعت پڑھیں اور اس کے بعد پھر کبھی نہ پڑھیں (فتح الباری ص ۲/۴۳) حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بعد عصر کے نفل نماز مکروہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے یہاں پانچ وقت نماز کے لئے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں، طلوع و غروب و استواء کے اوقات جن میں کوئی نماز فرض و نفل جائز نہیں حتی کہ نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت بھی۔ اور بعد نماز فجر طلوع تک اور بعد نماز عصر غروب تک قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ جائز ہیں، باقی سب مکروہ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلے تین اوقات میں نماز کے اندر نقص خود وقت کے نقص و خرابی کے سبب آتا ہے اور آخر کے دو وقتوں میں وقت کی وجہ سے کراہت نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ یہ دونوں وقت فرضوں کے لئے رکھے گئے ہیں۔ لہٰذا

کراہت لاجل الوقت نہیں، بلکہ لحق الفرض ہوئی۔ تاکہ پورا وقت فرض نماز کے لئے مشغول ہو۔ اگر وقت کی وجہ سے ہوتی تو فجر وعصر کی تاخیر طلوع وغروب سے قبل تک جائز نہ ہوتی، حالانکہ تاخیر فرض آخر وقت تک جائز ہے اور ممانعت بھی صرف بعد فرض کے لئے نہ ہوتی بلکہ قبل کے لئے بھی ہوتی، اسی لئے ہر قسم کے فرض و واجب ادا و قضا ان وقتوں میں درست ہوئے اور سجدۂ تلاوت و نماز جنازہ بھی واجب بعینہ ہونے کی وجہ سے درست ہوئے، بخلاف دو رکعت بعد الطواف کے کہ وہ واجب بعینہ نہیں بلکہ واجب لغیرہ ہے۔ اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض[1] شارحین ہدایہ سے یہ وجہ فرق مخفی رہی ہے۔

شیخ ابن ہمام کا اعتراض اور تحقیق انور

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ نے جو پانچوں اوقات میں کراہت صلوٰۃ کا فیصلہ فرق وتخصیص کے ساتھ کیا ہے وہ بلا دلیل نہیں ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے اعتراض قائم کیا کہ ممانعت کا حکم آخری دو وقتوں میں بھی پہلے تین اوقات کی طرح مطلق ہے، اور نص شرعی کی تخصیص ابتداء رائے سے کرنا جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تخصیص بالرائے کا مسئلہ وہی ہے جو شیخ نے بتلایا اگرچہ خود حنفیہ کا عمل بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ اخلاق ومعاملات کی احادیث میں تخصیص بے تکلف کرتے ہیں، تاہم یہ تسلیم ہے کہ وہ احادیث عبادات میں ایسا نہیں کرتے وجہ یہ ہے کہ اول میں وجہ حکم واضح وروشن ہوتی ہے اور عبادات میں خفی ہوتی ہے، اسی لئے علامہ ابن دقیق العیدؒ نے تصریح کی ہے کہ وجہ اگر جلی ہو تو تخصیص بالرائے بلانکیر جائز ہے۔

دوسرے یہ کہ یہاں بھی تخصیص ابتداءً نہیں ہے، کیونکہ وتر کی تخصیص حدیث دار قطنی سے ہو چکی ہے، جس کی تصحیح علامہ عراقی نے شرح ترمذی میں کی ہے (یعنی جس کے وتر فوت ہوئے ہوں وہ صبح کے بعد پڑھ لے) ابوداؤد میں ہے کہ جب یاد آئے پڑھ لے، ترمذی میں ہے کہ صبح کو پڑھ لے، یہ مرسل قوی الاسناد ہے اور اس میں مرفوع حدیث بھی ہے مگر اس میں ایک راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہے، حاصل یہ کہ نہی وممانعت صلوٰۃ اگرچہ پانچوں اوقات مذکورہ کے لئے وارد ہے، مگر امام صاحب نے ان کے حکم میں فرق شریعت ہی کے منشاء کو سمجھ کر کیا ہے دوسرے ائمہ نے ایسی دقت نظر سے کام نہیں لیا، کیونکہ شریعت نے حکم ممانعت کو ان دو وقتوں میں نماز فجر وعصر کے ساتھ وابستہ کیا ہے، وقت کے ساتھ نہیں جیسا کہ باقی تین کے ساتھ کیا ہے، پھر حضور علیہ السلام کے عمل سے بھی کہ آپ نے بعد عصر دو رکعت پڑھی ہیں۔ یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں وقت میں نماز کے لئے صلاحیت وتوسع ضرور ہے، برخلاف باقی تین اوقات کے۔

مسلک امام مالکؒ وغیرہ

امام مالک نے استواء کو اوقات مکروہہ کی فہرست سے خارج کیا اور باقی چار میں فرائض کی اجازت دی، نوافل کی نہیں، امام شافعیؒ نے حنفیہ کی طرح اوقات مکروہہ تو پانچ ہی رکھے۔ مگر ان میں فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل ذوات الاسباب کی بھی اجازت دی، امام مالکؒ کی طرح فرائض ونوافل میں فرق نہیں کیا۔ اور نوافل میں فرق اس لئے کیا کہ جن نوافل کی ترغیب شرع نے دی ہے، مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ تو گویا خود شریعت ہی نے ان کو ممانعت سے نکال دیا۔ لہٰذا وہ اوقات ممنوعہ میں بھی جائز ہونے چاہئیں، البتہ جو نوافل ایسے ہیں جن کی شریعت نے خاص طور سے ترغیب نہیں دی۔ نہ کسی سبب سے ان کو لازم کیا بلکہ بندہ کی مرضی پر رکھا کہ چاہے کرے یا نہ کرے وہ ممانعت کے تحت آسکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب احادیث ممانعت سے ساری نمازیں نکل گئیں، فرائض، واجبات اور نوافل ذوات الاسباب بھی تو اب صرف

---

[1] یہاں بھی صاحب فیض الباری سے مسامحت ہوئی کہ سب شارحین کی طرف غلط نسبت ہوگئی جبکہ صاحب عنایہ نے فرق کیا ہے اور اس جگہ عبارت میں بھی خلل ہے، ملاحظہ ہو ص ۲/۱۳۷ (مولف)

دوسرے کچھ نوافل باقی رہ گئے۔ اوراس طرح احادیث کثیرہ متواترہ کا فائدہ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ ان حضرات نے احادیث کثیرہ عامہ اور ضوابط کلیہ ہامہ کو چند جزوی واقعات کے سبب سے مخصوص ومحدود بنادیا برخلاف اس کے حنفیہ نے ان سب احادیث کو اپنے عموم واطلاق پر قائم رکھا اوران ہی کو اسوہ فی الباب بنایا، اور جزوی واقعات کو بطور ''واقعۃ حال لاعموم لہا'' کے خصوصیت پر اتارا۔ اصحاب انصاف فیصلہ کریں گے کہ کون سی صورت اعلیٰ وافضل ہے، اکثر نمازوں کو اوقات شیطان میں داخل کردینا یا ان کو اس سے بچالینا؟

بعض سلف کا مسلک

ان حضرات نے بعد فجر وعصر کے ہر نماز کو جائز کہا اور حکم ممانعت کو سدذرائع پر محمول کیا یعنی اس لئے کہ کہیں وہ نماز عین طلوع وغروب کے وقت پر نہ ہو جائے، لہٰذا ان کے نزدیک اوقات مکروہہ صرف تین ہو گئے، لیکن اس مسلک پر بعد فجر وعصر والی احادیث ممانعت کے تحت کوئی فرد ہی باقی نہ رہے گا اور احادیث مذکورہ بلا مصداق رہ جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا شاید حضرت عمرؓ کا مسلک بھی یہی تھا، کیونکہ علامہ سیوطی نے نقل کیا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ بعد عصر دورکعت پڑھتے تھے، اور یہ زمانہ حضرت عمرؓ کا تھا۔ آپ نے ان کو سختی سے روکا تو انہوں نے کہا میں وہ کام نہیں چھوڑوں گا جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کیا کرتا تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں سدذرائع کے طور پر روکتا ہوں کہ مبادا غروب کے وقت پر بھی کہیں نہ پڑھ لو۔

امام بخاریؒ کا مسلک

آپ نے آگے "باب من لم يكره الصلوة الابعد العصر و الفجر" قائم کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بھی امام مالک کی طرح استواء کو وقت مکروہ نہیں مانتے، شاید اس کی حدیث ان کی شرط پر نہ ہو، پھر انہوں نے بعد فجر وعصر کے وقت کو طلوع وغروب تک پہنچا کر عین طلوع وغروب کو بھی شامل کرلیا ہے، اس طرح ان کے نزدیک وقت مکروہ دو ہی رہ گئے اور یہی ترجمۃ الباب میں وجہ حصر بھی ہے، ورنہ عین طلوع وغروب کے وقت ان کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری نے اگرچہ استواء سے صرف نظر کرلی ہے، مگر اس کے بارے میں مسلم وابن ماجہ وغیرہ میں متعدد صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب لا تتحرى الصلوٰة قبل غروب الشمس

(غروب آفتاب سے پہلے نماز کا قصد نہ کیا جائے)

۵۵۵: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن نافع عن ابن عمران رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايتحرىٰ احدكم فيصلى عند طلوع الشمس ولاعند غروبها

۵۵۶: حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله قال حدثنا ابراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب قال حدثنى عطآء بن يزيد الجندعى انهٗ سمع اباسعيد الخدرى يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لاصلوٰة بعد الصبح حتىٰ ترتفع الشمس ولاصلوٰة بعد العصر حتىٰ تغيب الشمس.

۵۵۷: حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر قال ثنا شعبة عن ابى التياح قال سمعت حمران بن ابان يحدث عن معاوية رضى الله عنه قال انكم تصلون صلوٰة لقد صحبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم

فمار ايناه يصليهما ولقد نهى عنهما يعني الركعتين بعد العصر

۵۵۸: حدثنا محمد بن سلام قال اخبرنا عبدة عن عبيد الله عن خبيب عن حفص بن عاصم عن ابى هريرة قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلوتين بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتىٰ تغرب الشمس

ترجمہ۵۵۵: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص طلوع آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے۔

ترجمہ۵۵۶: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) نہیں جب تک کہ آفتاب بلند نہ ہو جائے اور نہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز (جائز) ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

ترجمہ۵۵۷: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (اے لوگو!) تم ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کی صحبت اٹھانے کے باوجود آپ کو اسے پڑھتے نہیں دیکھا اور یقیناً آپ نے اس سے ممانعت فرمائی، یعنی عصر کے بعد دو رکعتیں:۔

ترجمہ۵۵۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے دو نمازوں سے ممانعت فرمائی ہے، فجر کے بعد آفتاب کے نکلنے تک اور عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے تک۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر امام بخاریؒ تحری اور عدم تحری کے حکم میں فرق نہیں کرتے بلکہ لفظ تحری چونکہ حدیث میں آ گیا تھا، اس لئے اس کو ترجمہ میں لے لیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں جانب میں سے کسی ایک کے لئے فیصلہ کن رائے نہ دینا چاہتے ہوں، تاہم چونکہ حدیث قیس بن فہدان کی شرط پر نہ تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی بعد فرض فجر کوئی نماز ماثور نہیں ہے اس لئے اس کے جواز کو مرجوح سمجھتے ہیں، اور عصر کے بعد کی رکعتوں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کی شرط پر بھی حدیث رکعتین بعد العصر ثابت ہے اور فیصلہ اس کے لئے بھی اس لئے نہ کر سکے ہوں گے کہ حضرت عمرؓ سے رکعتیں بعد العصر پڑھنے والے کے لئے تعزیر کرنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا حکم لگانے میں نرمی اختیار کی اور تعارض کی وجہ سے توسع سے کام لیا۔ واللہ اعلم۔

باب من لم يكره الصلوٰة الا بعد العصر والفجر

رواه عمروا بن عمرو ابو سعيد وابوهريره

اس شخص کا بیان، جس نے صرف عصر اور فجر (کے فرض) کے بعد نماز کو مکروہ سمجھا ہے، اس کو عمر اور ابن عمر اور ابوسعید اور ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے

۵۵۹: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا حماد بن زيد عن ايوب عن نافع عن ابن عمر قال اصلى كمارأيت اصحابى يصلون لآانهىٰ احداً يصلى بليل ونهار ماشآء غيران لاتحروا طلوع الشمس ولاغروبها

ترجمہ۵۵۹: ۔حضرت ابن عمرؓ کہا، جیسے میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح میں ادا کرتا ہوں میں کسی کو منع نہیں کرتا کہ وہ دن رات میں جس قدر چاہے، نماز پڑھے، البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ طلوع آفتاب (کے وقت نماز پڑھنے) کا قصد نہ کرو، اور نہ غروب آفتاب کے وقت اس کا قصد کرو۔

تشریح۵۵۹: اس حدیث کی تشریح پہلے گذر گئی۔

باب ما یصلی بعد العصر من الفوآئت و نحوها وقال کریب عن ام سلمة صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد العصر الرکعتین وقال شغلنی ناس من عبدالقیس عن الرکعتین بعد الظهر

۵۶۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا عبدالواحد بن ایمن قال حدثنی ابی انه سمع عائشة قالت والذی ذهب به ماترکهما حتیٰ لقی اللہ و ما لقی اللہ حتی ثقل عن الصلوة وکان یصلی کثیراً من صلوته قاعداً تعنی الرکعتین بعد العصر و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلیهما فی المسجد مخافة ان یثقل علیٰ امته و کان یحب ما یخفف عنهم

۵۶۱: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا هشام قال اخبرنی ابی قال قالت عائشة رضی اللہ عنها ابن اختی اما ترک النبی صلی اللہ علیہ وسلم السجدتین بعد العصر عندی قط

۵۶۲: حدثنا موسی بن اسماعیل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الشیبانی قال ثنا عبدالرحمن بن الاسود عن ابیه عن عآئشة قالت رکعتان لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعهما سرا ولا علانیة رکعتان قبل صلوٰة الصبح ورکعتان بعد العصر

۵۶۳: حدثنا محمدبن عرعرة قال حدثنا شعبة عن ابی اسحاق قال رایت الاسود ومسروقاً شهداعلے عآئشة قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایاتینی فی یوم بعد العصر الاصلی رکعتین

ترجمہ ۵۶۰: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس کی قسم جو نبی کریم ﷺ کو دنیا سے لے گیا آپ نے اپنی وفات کے وقت تک عصر کے بعد دو رکعتیں ادافرمانا کبھی نہیں چھوڑیں، اور جب آپ اللہ سے ملے ہیں، اس وقت بوجہ ضعف عمر کے آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ نماز سے تھک جاتے تھے، اور آپ اپنی بہت سی نمازیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور نبی کریم ﷺ ان دونوں کو یعنی عصر کے بعد دو رکعت (ہمیشہ) پڑھا کرتے تھے، لیکن گھر ہی میں پڑھتے تھے، اس خوف سے کہ آپ کی امت پر گراں نہ گزرے۔ کیونکہ آپ وہی بات پسند فرماتے تھے، جو آپ کی امت پر آسان ہو۔

ترجمہ ۵۶۱: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! نبی کریم ﷺ نے عصر کے بعد دو رکعتیں میرے ہاں کبھی ترک نہیں فرمائیں۔

ترجمہ ۵۶۲: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ دو رکعتوں کو پوشیدہ و آشکارا کبھی ترک نہ فرماتے تھے، دو رکعتیں، صبح کی نماز سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کی نماز کے بعد:۔

ترجمہ ۵۶۳: حضرت اسود اور مسروقؒ حضرت عائشہؓ کے اس قول کی گواہی دیتے تھے کہ انہوں نے فرمایا، نبی کریم ﷺ عصر کے بعد جب کسی دن میرے پاس آتے تھے، تو دو رکعتیں ضرور ادا فرما لیا کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کا رجحان بعد نماز فجر کے طلوع تک ہے تو حنفیہ ہی کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ سنت فجر بھی بعد الطلوع ہی پڑھ سکے گا، لیکن بعد العصر میں شافعیہ کے مسلک کی طرف معلوم ہوتا ہے، اسی لئے یہاں حضرت عائشہؓ کی حدیث لائے ہیں، جس سے حضور علیہ السلام کا بعد العصر دو رکعت پڑھنے کا ثبوت مداومت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے بعد العصر کے لئے متعدد تراجم وعنوانات قائم کئے ہیں۔ گویا امام بخاری نے حدیث حضرت عائشہؓ کو راجح سمجھا ہے اور امام ترمذیؒ نے باوجود شافعی ہونے کے حدیث ابن عباسؓ کو اصح قرار دیا ہے، کہ حضور علیہ السلام نے جو دو رکعت بعد عصر کے پڑھی تھیں وہ ظہر کے بعد کی متروکہ تھیں، ان کو ہی آپ نے بعد عصر پڑھا تھا، پھر کبھی نہیں پڑھیں۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا کہ یہ حدیث حسن ہے، پھر لکھا کہ چند صحابہ سے حضور علیہ السلام کا بعد

عصر دو رکعت پڑھنا بھی مروی ہے، مگر یہ اس کے خلاف ہے حضور علیہ السلام نے نماز بعد العصر کی ممانعت فرمائی اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث زیادہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی دو رکعت عصر کے بعد نہیں پڑھیں۔ اور حضرت زید بن ثابت سے بھی حضرت ابن عباسؓ ہی کی طرح روایت ثابت ہے البتہ حضرت عائشہؓ سے متعدد روایات ایسی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی ان کے پاس عصر کے بعد تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عائشہؓ سے ہی روایت حضرت ام سلمہؓ کے واسطہ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعد عصر و بعد فجر نماز سے ممانعت فرمائی ہے۔ اور جس بات پر اہل علم کا اجماع ہوا وہ یہی ہے کہ بعد عصر و بعد فجر کے نماز مکروہ ہے، بجز خاص استثناء کے مثلاً مکہ معظمہ میں بعد نماز عصر اور بعد نماز صبح کے طواف کے بعد والی نماز کہ اس میں حضور علیہ السلام سے رخصت مروی ہے اور اہل علم کی ایک جماعت صحابہ اور بعد کے حضرات نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ یہ قول امام شافعی، امام احمد و اسحٰق کا ہے لیکن دوسرے اہل علم صحابہ اور دوسرے حضرات نے مکہ معظمہ میں بھی بعد طواف کے صبح و عصر کے بعد نماز کو مکروہ ہی قرار دیا ہے۔ یہ قول سفیان ثوری، امام مالک اور بعض اہل کوفہ کا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہاں امام شافعیؒ کا مسلک صرف مکہ معظمہ کے بارے میں جواز کا معلوم ہوتا ہے حالانکہ امام شافعی کے نزدیک دو رکعت بعد عصر کا جواز مطلقاً ہے اور اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی تائید کے لئے زور لگایا ہے دوسرے یہ کہ امام احمدؒ کا مسلک مغنی ابن قدامہ کے ذریعہ مثل مذہب امام ابوحنیفہؒ کے ثابت ہے، اس لئے امام ترمذیؒ سے یہاں دو تسامح ہو گئے، واللہ اعلم۔

اس طرح جمہور ائمہ (امام صاحب، امام مالک و احمدؒ) کا مسلک عدم جواز نماز بعد العصر کا ہوا اور صرف امام شافعی جواز کے قائل ہیں، جمہور کی بڑی دلیل ممانعت کی احادیث کثیرہ متواترہ و مشہورہ ہیں۔ اور مذکورہ حدیث ابن عباس و زید بن ثابت بھی، اور امام شافعی نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ اس میں بہت اضطراب ہے۔ کسی میں ہے کہ آپ نے اس معاملہ کی صحیح تحقیق کے لئے حضرت ام سلمہؓ کا حوالہ دیا۔ گویا وہ خود اس کی پوری ذمہ داری لینا نہیں چاہتی تھیں، اور طحاوی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، تو فرمایا کہ میرے یہاں تو حضور علیہ السلام نے عصر کے بعد دو رکعت پڑھی نہیں۔ البتہ حضرت ام سلمہؓ نے مجھے بتلایا کہ ان کے یہاں پڑھی ہے، اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہؓ کو معاف کرے، انہوں نے روایت میں تسامح کیا، میں نے تو یہ کہا تھا کہ حضور علیہ السلام نے بعد ظہر والی دو رکعت ادا کی تھیں، اور حضرت عائشہؓ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، مگر دوسروں کو منع فرماتے تھے، اور صوم وصال رکھتے تھے اور دوسروں کو منع فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں باتیں حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے تھیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصل تحقیقی خبر اس بارے میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس تھی، اسی لئے حضرت عائشہؓ بھی ان پر حوالہ کرتی تھیں، اور حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو عصر کے بعد قضا کر لیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ روایت طحاوی کی ہے، جس کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے لکھا کہ یہ روایت ضعیف ہے، حجت نہیں بن سکتی (فتح ص۴۳/۲) یہاں تو امام طحاوی کی روایت بتلا کر اس کو حافظ نے ضعیف بتلا دیا، لیکن اسی حدیث کی روایت تلخیص میں امام احمد سے نقل کر کے سکوت کر گئے۔ اور اس کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، محدث ہیثمی نے ''الزوائد'' ص۲۲۴/۲ میں لکھا کہ اس حدیث امام احمد کے رجال رجال صحیح ہیں، پھر تعجب ہے کہ فتح الباری میں صرف امام طحاوی کی طرف نسبت کر کے حدیث کو گرا دیا اور اس طرف سے صرف نظر کر لی کہ اسی حدیث کو امام احمد اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے اور چونکہ امام احمد کے رجال حدیث مذکور کو ضعیف نہیں کہہ سکتے تھے، اس لئے سکوت سے کام لیا۔ اس سے ان کا تعصب شدید ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ اس حدیث کے رجال میں یزید بن ہارون بہت بڑے محدث اور ثقہ حنفی ہیں، اور حماد بن سلمہ بھی ثقہ ہیں رجال مسلم میں سے ہیں۔ بلکہ امام بخاریؒ پر یہ اعتراض بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حماد بن سلمہ

سے روایت نہیں لی اور ان سے بہت کم درجہ کے لوگوں سے لی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض لوگ یزید بن ہارون عن حماد بن سلمہ کو ضعیف ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ مسلم شریف میں ان سے بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ اور امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں حدیث مذکور کی تصحیح کی ہے۔ اور فرمایا کہ بخاری میں حدیث عن معاویہؓ بھی ہمارے لئے حجت ہے، جس میں انہوں نے کہا کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو جس کو ہم نے حضور علیہ السلام کو پڑھتے نہیں دیکھا جبکہ ہم بھی حضور کی صحبت میں رہے ہیں۔ بلکہ آپ نے ان سے روکا ہے، یعنی ۲رکعت بعد عصر سے (بخاری ص ۸۳) پھر فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین وغیرہ میں بہت اضطراب ہے اور اسی لئے امام ترمذی نے حضرت ابن عباس کی حدیث کو حضرت عائشہؓ کی حدیث پر راجح قرار دیا ہے۔ اور ہماری دلیل مصنف عبدالرزاق کی حدیث بھی ہے، جس میں ہے کہ ہم وہ کریں گے، جس کا حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا (کہ ہمیں بعد عصر نماز سے روک دیا) اور حضور نے وہ کیا جس کا حکم ان کو ملا تھا۔ نیز حضرت عمر و ابن عباس کا بعد عصر نماز پڑھنے والوں کو تعزیر و سزا دینا بھی ثابت ہے۔

فیض الباری کا تسامح: ص ۱۴۱ سطر ۸ میں **قال الحافظ و فيه جرير عن عطاء** کا تعلق حدیث عائشہؓ سے کر دیا ہے، حالانکہ حافظ کا نقد حدیث ابن عباسؓ سے متعلق ہے، اور سطر ۲۰ میں زید بن ہارون غلط چھپ گیا ہے۔ صحیح یزید ہے۔

راوی بخاری کا تسامح

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اصل مضمون حدیث کا اس طرح تھا **ما تركهما حتى لقى الله، تعنى الركعتين بعد العصر وما لقى الله تعالى حتى ثقل عن الصلوة وكان يصلى كثيرا من صلاته قاعدا وكان النبى ﷺ** الخ راوی نے قاعدا کے ساتھ تعنی والے جملے کو جوڑ کر ترتیب و معنی کو بگاڑ دیا۔ فتنبہ لہ

امام دارمی کا عمل

مسند دارمی میں یہ بھی ہے کہ جب ان سے حضرت عائشہؓ والی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میرا عمل تو اس پر ہے، جس پر حضرت عمرؓ عمل کرتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایک عمدہ استدلال حنفیہ و جمہور کے لئے یہ بھی ہے کہ محدث جلیل و فقیر نبیل حضرت لیث بن سعدؒ نے طبقات میں نقل کیا کہ وہ موسم حج میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے، کسوف شمس بعد عصر ہوا تھا، وہاں کسی نے بھی نماز کسوف نہ پڑھی، حالانکہ وہ نماز ذوات الاسباب میں بھی تھی (جس کی نماز شوافع جائز کہتے ہیں) سوال کیا گیا کہ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے ہیں؟ تو لوگوں نے کہ کراہت وقت کی وجہ سے، یہ واقعہ ہزاروں تابعین کے سامنے پیش آیا اور صحابہ کا بھی آخری دور تھا، مگر کسی نے بھی نماز کسوف کے لئے اقدام نہیں کیا۔ اس واقعہ کو علامہ عینی نے نقل کیا ہے اور غالباً ۸۳ھ کا ہے، پھر فرمایا کہ یہ لیث حنفی ہیں (کما صرح بہ ابن خلکان فی کتاب الخراج) امام شافعیؒ نے فرمایا کہ لیث ہمارے نزدیک امام مالک سے کم نہیں ہیں، لیکن ان کے اصحاب نے ان کو ضائع کر دیا (یعنی ان کے علوم کی خدمت نہیں کی) ان کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ سے مسئلہ قراءۃ خلف الامام میں امام طحاوی نے ذکر کی ہے۔ لیکن ان کی تقلید متقدمین کی طرح تھی۔

اصحاب صحاح کا حال

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں ضمناً کچھ ذکر اصحاب صحاح کا بھی کیا اور فرمایا کہ امام ابوداؤد تو دل بھر کے امام ابوحنیفہؒ کی تعظیم کرتے تھے۔ امام مسلم کا حال معلوم نہ ہو سکا اور ان کے شافعی ہونے کی بھی نقل موجود نہیں ہے، صرف ان کے ایک رسالہ سے استنباط کیا گیا ہے کہ

شافعی ہیں۔ امام ترمذی امام صاحب کی نہ تعظیم کرتے ہیں نہ تحقیر معتدل ہیں۔ امام بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں، اپنی حدیثیں لاتے ہیں، امام صاحب کی نہیں لاتے۔ امام نسائی بھی حنفیہ کے خلاف ہیں۔

باب التکبیر بالصلوٰۃ فی یوم غیم

بادل کے دنوں میں نماز سویرے پڑھنے کا بیان

۵۶۴: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن یحییٰ هو ابن ابی کثیر عن ابی قلابة ان اباالملیح حدثه' قال کنا مع بریدة فی یوم ذی غیم فقال بکروا باً الصلوٰة فان النبی صلے الله علیه وسلم قال من ترک صلوٰة العصر حبط عمله

ترجمہ: ۔ حضرت ابوالملیحؒ روایت کرتے ہیں، کہ ہم ایک دن بریدہ کے ہمراہ تھے، یہ دن ابر کا تھا تو انہوں نے کہا کہ نماز سویرے پڑھ لو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، جس نے نماز عصر چھوڑ دی، تو سمجھ لو کہ اس کا (نیک) عمل ضائع ہو گیا۔

تشریح: ابر و بارش کے دنوں میں نماز جلد پڑھنے کا حکم اسی لئے کیا گیا کہ کہیں وقت کا اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے نماز قضا نہ ہو جائے، یا وقت مکروہ میں داخل نہ ہو جائے، جو بمنزلہ ترک صلوٰۃ ہے۔ (الخیرالجاری)

پھر سوال یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان تو مطلق نماز کا قائم کیا اور حدیث الباب میں نماز عصر کا ذکر ہے تو مطابقت نہ ہوئی، جواب یہ ہے کہ واقعہ وقت عصر کا ہے، جس میں حضرت بریدہؓ نے نماز عصر سے متعلق حدیث پیش کی، اور قیاس سے ہر نماز کے حکم کی طرف اشارہ کیا۔

حنفیہ کے نزدیک عام طور سے تمام نمازوں میں سوا مغرب کے تاخیر مستحب ہے۔ اور عصر و عشاء کی نماز صرف ابر کے دن جلد پڑھنا مستحب ہے، شافعیہ کے یہاں تمام نمازوں میں سوا عشاء کے تعجیل مستحب ہے۔

مشاجرات صحابہؓ: حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرات صحابہ کرام کے تذکرہ میں ضمناً فرمایا کہ بعض لوگ ان کے باہمی جھگڑوں کے واقعات سن کر بے دین ہو جاتے ہیں، اسی لئے علماء نے ان کے مطالعہ کو ممنوع قرار دیا ہے، اسی طرح اگر ایمان کا مدار اقوال بخاری وغیرہ پر ہوتا تو ضرور ہمارا ایمان بھی جاتا رہتا، مگر ایمان کا تعلق خدا اور اس کے رسول سے ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا اشارہ اس طرف تھا کہ امام بخاری وغیرہ نے بھی امام اعظمؒ وغیرہ کے بارے میں انصاف نہیں کیا اور سخت ریمارکس کر گئے ہیں، مگر ان کے کہنے سے کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

یا رسول اللہ کے لئے افادۂ انور

حضرتؒ درس بخاری میں جہاں کوئی عبارت پڑھنے والا طالب علم یا رسول اللہ کے ساتھ ﷺ کہتا، تو فرماتے تھے کہ جس قدر لکھا ہے اسی قدر پڑھو، راویان حدیث نبوی ہم سے زیادہ پابند احکام شرع تھے، اور ان کی عبادات و ریاضات بھی ہم سے زیادہ ہیں۔ اور لڑائی بھڑائی بھی ان کے یہاں ہم سے زیادہ ہے، بلکہ وہ غیر مستحق کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہم مستحق کو۔ (اشارہ ہے جرح رواۃ و جرح ائمہ کی طرف) اس کے علاوہ وہ ہم سے ہر چیز میں زیادہ اور افضل ہیں۔

ضروری تنبیہ: جیسا کہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا ہمیں اپنے اسلاف و اکابر امت کی پوری عظمت کرنی چاہئے کہ چند کوتاہیوں کے علاوہ کہ وہ بھی معلوم نہ تھے، وہ ہم سے ہزار جگہ برتر و افضل تھے، اور اسی کے ساتھ ہمیں چاہئے کہ جب ان کا ذکر کریں تو ان کا نام بھی ادب و احترام سے لیں۔ عربی زبان میں ناموں کے ساتھ القاب و آداب لکھنے کا دستور نہ تھا۔ اس کی وجہ سے ہم بھی ان کے نام ساتھ ادب نہ برتیں تو یہ ہمارے

عرف کے خلاف ہوگا کہ ہمارے یہاں باعظمت لوگوں کے تذکروں میں القاب وآداب کی رعایت نہ کرنا خلاف ادب ہے اور ہمیں اپنی عرف ورسم کے لحاظ سے مثلاً کسی صحابیِ رسول اکرم ﷺ کے نام ساتھ اول میں حضرت اور آخر میں رضی اللہ عنہ نہ لکھنا بڑی بے ادبی وناحق شناسی ہے یہ بھی واضح ہو کہ صحابہ کے لئے اور دیگر اکابر امت کے لئے رحمہ اللہ لکھنا بھی کافی ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے لئے ص یا صلعم والی تخفیف جائز نہیں۔ افسوس ہے کہ آجکل کے علماء بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ اکابر نے اس پر نکیر کی ہے۔

باب الاذان بعدذهاب الوقت

وقت گزرجانے کے بعد نماز کے لئے اذان کہنے کا بیان

٥٦٥: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا محمد بن فضيل قال حدثنا حصين عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابيه قال سرنامع النبی صلى الله عليه وسلم ليلة فقال بعض القوم لوعرست بنا يا رسول الله قال اخاف ان تناموا عن الصلوة قال بلال انا اوقظكم فاضطجعوا واسند بلال ظهره' الى راحلته فغلبته عيناه فنام فاستيقظ النبی صلى الله عليه وسلم وقدطلع حاجب الشمس فقال يا بلال اين ماقلت قال مآالقيت على نومة مثلها قط قال ان الله قبض ارواحكم حين شآء وردها عليكم حين شآء يا بلال قم فاذن بالناس بالصلوة فتوضا فلما ارتفعت الشمس وبياضت قام فصلى

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ شب میں سفر کیا، تو بعض لوگوں نے کہا، کہ کاش! آپ اخیر شب میں مع ہم سب لوگوں کے آرام فرماتے (تو کتنا اچھا ہوتا) آپ نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم نماز (فجر) سے (غافل ہوکر) سو نہ جاؤ، بلال بولے، کہ میں تم سب کو جگا دوں گا، لہٰذا سب لوگ لیٹ رہے اور بلال اپنی پیٹھ اپنے اونٹ سے ٹیک کر بیٹھ گئے، مگر ان پر بھی نیند غالب آگئی، اور وہ بھی سو گئے، (چنانچہ) نبی کریم ﷺ ایسے وقت بیدار ہوئے، کہ آفتاب کا کنارہ نکل آیا تھا، آپ نے فرمایا، اے بلال! تمہارا کہنا کہاں گیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ (یارسول اللہ) ایسی نیند میرے اوپر کبھی مسلط نہ کی گئی (جیسی کہ آج مجھ پر طاری ہوگئی) آپ نے فرمایا (سچ ہے) اللہ نے تمہاری جانوں کو جس وقت چاہا قبض کر لیا اور جس وقت چاہا واپس کیا، اے بلال اٹھو۔ اور نماز کے لئے اذان دے دو، پھر آپ نے وضو فرمایا اور جب آفتاب بلند اور سفید ہوگیا، آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھی:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس میں امام بخاری حدیث لیلۃ التعریس لائے ہیں اور ہمارے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب کئی نمازیں قضا ہو جائیں تو جماعت سے ادا کر سکتے ہیں مگر اذان شروع میں صرف ایک بار ہوگی اور اقامت ہر نماز کے ساتھ ہوگی، لیکن اذان فائتہ نماز کے لئے جب ہوگی کہ گھر میں پڑھے، مسجد میں پڑھے گا تو نہیں۔

پھر فرمایا کہ لیلۃ التعریس کا واقعہ ایک بار پیش آیا ہے، خیبر سے واپسی میں اور جن حضرات نے متعدد بتلائے ان کو تصرفات رواۃ اور تغائر الفاظ کی وجہ سے مغالطہ لگا ہے۔ حتی کہ محقق ابن سید الناسؒ نے بھی دو واقعے سمجھے اور کوئی حدیث بخاری کو وہم راوی کہہ دے گا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔

اگر کسی پر یہ بات گراں ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی شان رفیع سے مستبعد ہے کہ ان کی نماز قضا ہوئی ہو، تو یہ کوئی بات نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو جگانے پر مامور کر دیا تھا اور حضرت بلال نے پوری ذمہ داری لی تھی، اس لئے وہ لیٹے بھی نہ تھے، بلکہ اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے، مگر خدا کی تقدیر میں تو اسی طرح تھا کہ باوجود ان سب انتظامات کے بھی نماز قضا ہو جائے، چنانچہ وہی ہوا، اور حق یہ ہے کہ سونے کی حالت میں اگر مجبوری و بے اختیاری کی وجہ سے نماز میں تقصیر ہو تو وہ شریعت میں معاف بھی ہے، چنانچہ نسائی شریف باب

من نام عن صلوۃ میں حدیث نبوی ہے کہ کوتاہی پر مواخذہ حالت بیداری کا ہوگا، نوم کی حالت کا نہ ہوگا، دوسری میں ہے کہ ایسے شخص سے مواخذہ ہوگا جو نماز نہ پڑھے اور اسی حالت میں دوسری نماز کا وقت آجائے تب بیدار ہو۔

شرح قولہ ان اللہ قبض ارواحکم

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عام طور سے لوگ قبض روح بمعنی موت سمجھتے ہیں، لیکن اصل حقیقت وہ ہے جو علامہ محقق سہیلیؒ نے پیش کی ہے کہ قبض کے معنی دبانا، بھینچنا ہے، جیسے تم روئی وغیرہ کسی چیز کو مٹھی میں بھینچ کر بند کرلو۔ اس سے وہ پھیلی ہوئی چیز ایک جگہ سمٹ جاتی ہے۔ یہ تو قبض کی صورت ہے اور رد اس کا یہ ہے کہ پھر اس کو سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے۔ قبض روح کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ وہ سونے کی حالت میں سمٹ جاتی ہے اور اپنے بعض افعال سے رک جاتی ہے، اسی کو قرآن مجید میں توفی وارسال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کو حدیث الباب میں قبض ورد فرمایا گیا ہے۔ پھر جب عمر ختم ہوجاتی ہے تو اس وقت کامل قبض توفی کامل ہوگا کہ روح کو بدن سے خارج کرلیں گے، نیند کی حالت میں وہ خارج نہیں ہوتی بلکہ وہ جسم کے اندر ہی رہ کر ایک جانب میں سمٹ جاتی جس کی وجہ بعض افعال کے لحاظ سے معطل ہوجاتی ہے۔ اگرچہ تدبیر بدن کا کام پھر بھی کرتی رہتی ہے۔

رد روح نبوی کا مطلب

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جو ارشاد فرمایا کہ جو میری قبر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں اور میں اس کو سنتا ہوں اور جواب سلام دیتا ہوں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک مشغول بجانب قدس رہتی ہے، اور وقتِ سلام ادھر سے ادھر کو متوجہ ہو کر سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ اس سے مراد احیاء واماتت نہیں ہے (کہ آپ کی حیات برزخی مثل حیاتِ دنیوی ہے، یہاں بھی حضور علیہ السلام نے حضرت بلالؓ کو سونے کی حالت میں معذور قرار دے کر ارشاد فرمایا ہے کہ تمہاری ارواح تو خدا کے اختیار میں ہیں کہ جب وہ چاہتا ہے ان کو سمیٹ لیتا ہے اور جب چاہے اصل حالت پر لوٹا دیتا ہے، اور حالت نوم میں قبض اور بیداری پر رد برابر ہوتا رہتا ہے۔

روح اور نفس میں فرق

حضرتؒ نے یہاں محقق سہیلیؒ ہی کے حوالہ سے یہ بھی فرمایا کہ نفس و روح دونوں ایک ہیں۔ صفات کے بدلنے سے نام بدلتا ہے، بحالت تجرد اس کو روح کہتے ہیں اور باعتبار تعلق بدن واکتساب ملکاتِ ردیہٗ کے نفس کہتے ہیں۔ جیسے پانی کہ جب تک وہ اصل حالت پر رہتا ہے، پانی ہے، اور وہی جب درختوں میں پیوست ہوجائے تو اس کے اوصاف واحکام بھی بدل جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر درخت سے پانی نکال کر اس سے وضو کرنا چاہیں تو وہ بھی صحیح نہ ہوگا۔

قولہ فلما ارتفعت الخ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا حضور علیہ السلام نے سورج کے بلند اور روشن ہونے کا انتظار فرمایا پھر نماز پڑھی، یہ نہیں کہ اٹھنے کے بعد فوراً ہی پڑھ لیتے، جیسا کہ حدیث **فلیصلہا اذا ذکرہا** سے بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ یہ آپ کا عمل ہے اور حضور علیہ السلام سے بحدِ تواتر ممانعتِ صلوٰۃ بھی ارتفاع شمس سے قبل کی ثابت ہے، گویا قول وفعل دونوں سے حنفیہ کا مسلک واضح وثابت ہے، اور دار قطنی میں **حتی اذا امکننا الصلوۃ** بھی مروی ہے، یعنی جب نماز ادا کرنے کی صورت میسر ہوگئی، معلوم ہوا کہ ارتفاع سے قبل صورتِ جواز ہے ہی نہیں۔ اور یہ تاویل جو کی جاتی ہے کہ وہاں شیطان کا اثر تھا، اس لئے حضور علیہ السلام نے دیر کی اور آگے بڑھ گئے تو اگر ایسا ہوتا تو کسی روایت

میں یہ الفاظ بھی تو ہوتے کہ ہم نے شیطان کی جگہ سے دور ہونے کے لئے نماز کو موخر کیا، اور یہ مسئلہ تو خود ان لوگوں کے یہاں بھی نہیں ہے کہ اگر کسی جگہ سونے میں نماز قضا ہو تو شیطان کا اثر سمجھ کر وہاں سے دور ہو کر نماز پڑھی جائے، لہٰذا یہ تاویل صرف ہمیں جواب پکڑانے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ پھر یہ کہ اگر جگہ میں شیطان کا اثر مان کر دوسری جگہ پڑھنے کی بات مانتے ہیں تو شیطان کے زمانہ عبادت سے بچنے کیلئے کیوں نہیں مانتے جبکہ احادیث میں صراحت بھی آچکی کہ طلوع و غروب واستواء کے وقت نماز اس لئے نہ پڑھو کہ یہ وقت شیطانی اثر و عبادت کے ہیں۔

غرض حضرتِ حق جل ذکرہٗ کی عبادت تو اسی حالت میں اس کی کامل رضا کا موجب ہوگی کہ شیطان کے زمان و مکان دونوں سے ہی اس کو دور رکھا جائے، اگر ان ہی اوقات میں تم اپنی عبادت کرو گے، جن میں شیطان بتوں کی پرستش کراتا ہے تو وہ تو اس کی مرضی کی بات ہوگی نہ کہ خدائے برتر عزاسمہ کی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس کو دشمن ہی سمجھو، یعنی اس کے طور طریقوں سے کامل پرہیز کرو۔

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات کے بارے میں احادیثِ ممانعت مشہور و متواتر طریقہ سے وارد ہیں اور بعد نماز فجر کی ممانعت لیلۃ التعریس والی حدیث الباب سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے ارتفاع شمس کا انتظار فرمایا اور نماز کو مؤخر کیا۔ اور بعد عصر بھی آپ نے غزوۂ احزاب میں قبل مغرب وقتِ مکروہ میں نماز نہیں ادا کی، اور بعد غروب کے قضا فرمائی جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنی تنہا نماز عصر بمشکل وقت کے اندر ادا کی تھی۔ اور حضور علیہ السلام سے ذکر کیا کہ میں نے نماز عصر ایسی حالت میں ادا کی کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من صلے بالناس جماعةً بعد ذهاب الوقت

اس شخص کا بیان جو وقت گزرنے کے بعد لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائے

٥٦٦: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن یحییٰ عن ابی سلمة عن جابر بن عبدالله ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه جآء یوم الخندق بعد ماغربت الشمس فجعل یسب کفار قریش قال یارسول الله ماکدت اصلی العصر حتیٰ کادت الشمس تغرب قال النبی صلی الله علیه وسلم والله ماصلیتها فقمنا الیٰ بطحان فتوضا للصلوٰة وتوضانالها فصلے العصر بعد ما غربت الشمس ثم صلی بعدها المغرب

ترجمہ: **معاذ بن فضالہ،** ہشام، یحییٰ، ابوسلمہ، جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ (غزوہ) خندق میں آفتاب غروب ہونے کے بعد حضرت عمرؓ قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میں نے عصر کی نماز ابھی تک) نہیں پڑھی تھی، اور سورج غروب کے قریب ہو گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی پھر ہم سب (مقام) بطحان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اور ہم سب نے (بھی) نماز کے لئے وضو کیا پھر آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی اس کی بعد مغرب کی ادا کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کاد کے معنی میں اختلاف ہوا ہے، عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مثبت میں منفی اور منفی میں مثبت کے معنی دیتا ہے اور اسی لئے عربی شاعر کے اس شعر۔

"اذا غیر الهجر المحبین لم یکد. رسیس الهوی من حب میة یبرح." پر لوگوں نے اعتراض کیا تو اس نے **لم یکد** کو **لم یجد** سے بدل دیا تھا، مگر میرے نزدیک یہ بھی دوسرے افعال ہی کی طرح ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے ارشاد **ما کدت الخ** کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے بمشکل نماز عصر ادا کی تھی جس کو حافظ نے بھی فتح الباری میں ذکر کیا کہ حضرت عمرؓ باوضو ہوں گے۔ اس لئے عجلت کے ساتھ نماز پڑھ لی ہوگی۔ دوسرے صحابہ اور حضور اکرم ﷺ رہ گئے، وہ نہ

پڑھ سکے۔ اور حضرت عمرؓ نے وقتِ مکروہ میں پڑھی، عند الحنفیہ بھی اس دن کی عصر جائز ہے، مگر حکم نہیں دیتے، کیونکہ کراہت کے ساتھ حکم نہیں دیا جا سکتا۔ فقہاءِ حنفیہ صحیح اور جائز کا لفظ لکھ دیتے ہیں جس سے لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے، حالانکہ وہ جواز یا صحت کراہت کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کو فوائت میں سے شمار کرنا مسامحت ہے، کیونکہ وہ فوت نہ ہوئی تھی۔ بلکہ مغرب سے قبل ہی جنگ ختم ہوگئی تھی۔ اور اتنی قبل کہ حضرت عمرؓ نے غروب سے قبل نماز عصر پڑھ لی تھی۔ لیکن چونکہ ظہر و عصر کی ادائیگی وغیرہ کے باعث مغرب بھی وقتِ معتاد و مستحب سے مؤخر ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کو بھی فواءت میں شمار کر دیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر ولا یعید الا تلک الصلوٰۃ وقال ابراهیم من ترک صلوٰۃ واحدۃً عشرین سنۃً لم یعد الا تلک الصلوٰۃ الواحدۃ

(اس شخص کا بیان جو کسی نماز کو بھول جائے' تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے اور صرف اسی نماز کا اعادہ کرے' ابراہیم نے کہا ہے' کہ جو شخص ایک نماز ترک کر دے (اور) بیس برس تک (اس کو ادا نہ کرے' تب بھی) وہ صرف اسی نماز کا اعادہ کرے گا)

۵۶۷: حدثنا ابو نعیم و موسیٰ بن اسماعیل قالا حدثنا همام عن قتادة عن انس بن مالک عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکر لا کفارة لها الا ذٰلک اقم الصلوٰۃ لذکری قال موسیٰ قال همام سمعته' یقول بعد اقم الصلوٰۃ لذکری وقال حبان ثنا همام ثنا قتادة قال حدثنا انس عن النبی صلے الله علیه وسلم نحوه

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب یاد آئے، تو پڑھ لے، اس کا کفارہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ اور حبان نے کہا، کہ ہم سے ہمام نے ان سے قتادہ۔ نے اور ان سے انسؓ نے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسی کے مثل روایت کیا۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں امام مسلم نے او نام عنہا کی بھی روایت کی ہے، یعنی جو بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد کرے یا بیدار ہو تو فوت شدہ نماز ادا کرے۔ بعض نے اس کی دلیلِ خطاب سے یہ ثابت کیا ہے کہ عمداً اگر نماز ترک کر دے تو اس کی قضا جائز نہ ہوگی، کیونکہ حدیث میں بھولنے اور سونے کی قید و شرط ہے، لہٰذا عمداً ترک کرنے والے کی قضا صحیح نہ ہوگی، حافظؒ نے اس سے اشارہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے پیش رو اہلِ ظاہر کی طرف کیا ہے اور پھر ان کی دلیل کا رد بھی کیا ہے۔ (فتح ص ۲\۴۸)

انوار المحمود ص ۱\۱۸۷ میں ہے:۔ بعض اہل الظاہر نے جمہور علماءِ امت کے خلاف یہ شاذ رائے قائم کی ہے کہ عمداً تارک صلوٰۃ پر قضا نہیں ہے، اور علامہ نوویؒ نے بھی لکھا کہ بعض اہلِ ظاہر نے شذوذ کیا کہ صلوٰۃِ فائتہ بغیر عذر کی قضا درست نہیں ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی اور جہالت ہے، علامہ شوکانی نے نیل میں لکھا کہ داؤد ظاہری اور ابن حزم نے عامد کے لئے قضا کا انکار کیا، اور ابن تیمیہ سے بھی نقل ہوا کہ انہوں نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ پھر دلائل فریقین ذکر کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ انوار الباری قسط نمبر ۱۳ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں حافظ ابن تیمیہ کے دوسرے تفردات اور ان کا رد بھی مدلل و مکمل طور سے ہوا ہے۔

ترتیب کا مسئلہ: حضرت شاہ ولی اللہ نے "تراجم ابواب" میں لکھا کہ امام بخاریؒ کا مقصد اس باب سے وقتی اور فوت شدہ نمازوں میں عدمِ وجوب ترتیب کو ثابت کرنا اور امام ابوحنیفہ کا رد کرنا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد اس لئے صحیح نہیں کہ حنفیہ کے نزدیک ترتیب کا وجوب تین وجہوں سے ساقط ہو جاتا ہے، بھولنے سے، تنگی وقت کی وجہ سے اور پانچ سے زیادہ نمازوں کے قضا ہو جانے سے، جب ایک بات

ہے تو یہاں امام بخاری نسیان والی صورت ذکر کر کے امام صاحبؒ کا رد کیسے کر سکتے تھے، اگر پھر بھی رد کیا ہے تو ان کو امام اعظمؒ کا مسلک معلوم نہ ہوگا جیسا کہ اور بھی کئی مسائل میں ان سے ایسی غلطی ہوئی ہے اور ہم نے انوار الباری میں اسکی مثالوں کی نشان دہی کی ہے۔ یا پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ سے چوک ہوگئی کہ ان کو حنفی مذہب کا یہ جزئیہ محفوظ نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

البتہ یہاں یہ ممکن ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے استاذ جلیل امام احمد کا رد کیا ہو، ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک نماز قضا ہوگئی اور ایک سال تک ادا نہ کی تو جب ایک سال کے بعد اس کو ادا کرے گا تو ساتھ ہی ایک سال کی ساری نمازوں کو بھی پھر سے پڑھے گا، کیونکہ ترتیب ان کے یہاں مطلقاً واجب ہے، خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھ لے، وہ سب واجب الاعادہ ہیں، حنفیہ کی طرح پانچ سے زیادہ قضا ہونے پر ترتیب ساقط نہیں ہوتی، اور غالباً امام بخاری نے امام احمد ہی کا رد کرنے کے لئے حضرت ابراہیم نخعی کا قول ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے کہ ایک نماز قضا شدہ کو اگر بیس سال تک بھی ادا نہ کرے تو جب بھی ادا کرے گا تو صرف وہی ایک ادا کرنی پڑے گی، بیس سال کی نمازوں کا اعادہ نہ کرنا پڑے گا، جس کا حکم امام احمدؒ کرتے ہیں۔ اس بات کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی شرح تراجم ابواب البخاری ص ۲/۲۵۱ میں لکھا ہے، مگر ایک بات کھٹکتی ہے وہ یہ کہ نسیان کا عذر جس طرح حنفیہ کے یہاں معتبر ہے، امام احمدؒ کے یہاں بھی ہے، لہٰذا اعتراض و رد کی صورت صرف یہ رہے گی کہ قضا شدہ نماز یاد آجانے کے بعد بھی ادا نہ کرے اور اس کے باوجود ایک سال یا زیادہ مدت گزار دے، برخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک اگر وہ قضا شدہ کو یاد بھی کر لے تو پانچ نمازوں سے زیادہ قضا ہو جانے پر نسیان و عمد برابر ہیں اور یاد آنے پر بھی اگر اعادۂ صلوٰۃ فائتہ نہ کرے گا تو صرف پانچ نمازوں کا اعادہ کرنا پڑے گا، امام احمد کی طرح برسوں کی نمازیں لوٹانے کی ضرورت نہ ہوگی، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک ترتیب کا وجوب نسیان کی صورت میں بھی ہے کما فی المغنی، لیکن علامہ عینی نے لکھا کہ ان کا معتمد مذہب سقوط ترتیب بالنسیان ہے اور اسی کو ابن العربی نے "العارضہ" میں درج کیا اور حافظ نے بھی لکھا کہ اکثر کا مذہب ترتیب مع الذکر کا ہے، نسیان کے ساتھ نہیں۔ (فتح الباری ص ۲/۴۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمۂ ثلاثہ وجوب ترتیب کے قائل ہیں، اور صرف امام شافعی ترتیب کے وجوب سے منکر ہوئے ہیں، ائمۂ ثلاثہ کا استدلال حضور علیہ السلام کے عمل سے ہے کہ آپ نے غزوۂ خندق میں قضا شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ ادا کیا اور یہ بھی آپ کا عام ارشاد ہے کہ جس طرح تم مجھے نماز میں ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح ادا کیا کرو۔

مسئلہ وجوب ترتیب اور مولانا عبدالحی رحمہ اللہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے "التعلیق الممجد" میں مذہب امام شافعی کو ترجیح دی ہے اور شیخ ابن الہمام و ابن نجیم کا قول بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ لیکن ان دونوں حضرات کا قول ایسے مسئلہ میں جس میں اکابر حنفیہ متفق الرائے ہیں، شذوذ کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ اور معتبر نہ ہوگا۔

علامہ بنوری دامت برکاتہم نے معارف السنن ص ۲/۱۱۰ میں دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کی تفصیل کی ہے، وہاں دیکھ لی جائے اور فیض الباری ص ۲/۱۵۱ میں بھی اچھی بحث آسکتی ہے۔ اور یہ امر بھی کم اہم نہیں کہ وجوب ترتیب کے قائل صرف حنفیہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ امام مالک و امام احمدؒ اور ان تینوں کے متبعین کبار ائمہ و محدثین و محققین ہیں، اس لئے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کا فیصلہ مذکورہ گرانقدر ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ کی حنفی مسلک کے لئے خدمات جلیلہ اور خود ان کی جلالت قدر کے سامنے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں، مگر بقول علامہ کوثریؒ کے متعدد مسائل مہمہ (مسئلہ محاذاۃ وغیرہ) میں ان کا "استسلام" بھی دل پر گراں ہے۔ یرحمہ اللہ وایانا بفضلہ و کرمہ.

قوله ولا يعيد الا تلك الصلوٰة

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری کا اشارہ حدیثِ ابی داؤد کی طرف معلوم ہوتا ہے جس میں ہے کہ فوت شدہ نماز کو یاد آنے پر بھی پڑھے اور اگلے دن جب اس نماز کا وقت آئے، تب بھی اس کو پڑھے، گویا ایک قضا شدہ نماز کو دوبارہ پڑھے، علامہ خطابی نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے، حافظ نے اس کا رد کیا ہے۔ اور حدیثِ مذکور کو ضعیف اور نا قابلِ احتجاج قرار دیا ہے، یہ بھی لکھا کہ استحباب کا قائل سلف میں سے کوئی نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے حدیثِ مذکورہ کو راوی کی غلطی کہا ہے، جس کو ترمذی نے بھی امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگلے دن والی اسی جیسی نماز کو اپنے وقت پر پڑھے، حضرتؒ نے فرمایا میرے نزدیک حدیثِ ابی داؤد بھی عمل کے لائق ہے اور جاندار ہے، اس لئے اس کی تضعیف یا انکار کی ضرورت نہیں، اور ادا شدہ نماز کا اعادہ اصل وقت کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے مستحب قرار پائے گا، اور نیت بھی اسی نماز فجر یا ظہر وغیرہ فوت شدہ کی کرے گا، اگر چہ وہ نفل ہوگی کیونکہ فرض کی ادائیگی پہلے کر چکا ہے یاد آنے پر۔ حضرتؒ کے یہاں ایک مد مستحب الخواص کی بھی تھی، ممکن ہے وہی یہاں مراد ہو، جس طرح مس الذكر و مس المراة واكل لحم الابل کی وجہ سے بھی حضرتؒ وضو کو مستحب الخواص فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب قضآء الصلوات الاولیٰ فالاولیٰ

قضا نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنے کا بیان

۵۶۸: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ قال حدثنا هشام قال حدثنا يحيىٰ هو ابن ابی كثير عن ابی سلمة عن جابر قال جعل عمر رضی الله عنه يوم الخندق يسب كفارهم و قال يا رسول الله ما كدت اصلی العصر حتیٰ غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلى بعد ما غربت الشمس ثم صلى المغرب

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (غزوہ) خندق کے دن کفار قریش کو برا کہنے لگے اور کہا کہ یا رسول اللہ۔ میں آفتاب غروب ہونے تک (ان کی وجہ سے) عصر کی نماز نہ پڑھ سکا۔ جابر کہتے ہیں، پھر ہم لوگ (مقام) بطحان میں گئے، تب آپ نے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث سے ترتیب صلوات فائتہ و وقتیہ کا ثبوت ہوتا ہے، جس کی تفصیل گذر چکی۔ امام بخاری کا رجحان بھی وجوب ترتیب کی طرف ہے، جیسا کہ ترجمۃ الباب سے واضح ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحیحین میں تو صرف ایک نماز عصر کے فوت ہونے کا ذکر ہے، لیکن معانی الآثار امام طحاوی میں امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ ظہر، عصر و مغرب تین نمازیں فوت ہوئی تھیں، اور اس کی سند قوی ہے۔

حافظ ابن حجر اور رجال حنفیہ

حضرتؒ نے اس موقع پر ضمناً فرمایا کہ حافظ نے رجالِ حنفیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے، حتیٰ کہ امام طحاویؒ کے بھی عیوب جمع کئے ہیں، حالانکہ جب تک امام طحاوی مصر میں رہے، کوئی محدث وہاں نہیں پہنچا جس نے ان سے اجازتِ حدیث نہ لی ہو، اور امام طحاوی مسلّم امامِ حدیث ہیں، لیکن حافظ نے امام طحاوی سے سوواں حصہ رکھنے والوں کی تعریف کی ہے اور امام موصوف پر نکتہ چینی کی۔ پھر فرمایا کہ تعصب کی حد ہے کہ علامہ عینی کے جوتہ میں، شافعیہ نے صحابہ کے نام رکھوا دیئے۔ اور پھر بادشاہِ وقت سے شکایت کی کہ یہ رافضی ہے اور دو سال کے لئے قید کرا دیا، پھر حنفیہ نے موچی سے ہی کہلوا دیا کہ مجھے رشوت دے کر ایسا کرایا گیا تھا، تب علامہ نے جیل سے رہائی پائی۔ حافظ نے عینی سے ایک حدیث مسلم شریف کی

اور دو مسند احمد کی ابن کران سے اجازت حدیث حاصل کی ہے اور وہ عمر میں بھی حافظ سے بڑے تھے اور ان کے بعد تک زندہ رہے ہیں۔

باب مایکرہ من السمر بعد العشآء السامر من السمر والجمیع السمار والسامر ھٰھنا فی موضع الجمیع

(عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے سامر سمر سے ماخوذ ہے اور جمع سمار ہے اور سامر یہاں جمع کے معنوں میں ہے)

۵۶۹: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا عون قال حدثنا ابو المنھال قال انطلقت مع ابی الیٰ ابی برزۃ الاسلمی فقال لہ' ابی حدثنا کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی المکتوبۃ قال کان یصلی الھجیر وھی التی تدعونھا الاولیٰ حین تدحض الشمس و یصلی العصر ثم یرجع احدنآ الیٰ اھلہ فی اقصی المدینۃ والشمس حیۃ ونسیت ماقال فی المغرب قال وکان یستحب ان یؤخر العشآء قال وکان یکرہ النوم قبلھا والحدیث بعدھا وکان ینفتل من صلوٰۃ الغداۃ حین یعرف احدنا جلیسہ' ویقرأ من الستین الی المائۃ

ترجمہ: ابومنہال روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کے پاس گیا، ان سے میرے والد نے کہا، کہ ہم سے بیان کیجئے، کہ رسول اللہ ﷺ فرض نماز کس طرح پڑھتے تھے، وہ بولے، کہ ہجیر جسے تم پہلی نماز کہتے ہو، آفتاب کے ڈھلتے ہی ادا فرمالیا کرتے تھے اور عصر کی نماز (ایسے وقت) پڑھتے تھے کہ (جب) ہم میں سے کوئی شخص (حضور) کے ہمراہ نماز پڑھ کر اقصیٰ مدینہ میں اپنے گھر کو واپس جاتا تو بھی آفتاب بالکل صاف ہوتا تھا (وابومنہال کہتے ہیں) میں بھول گیا کہ مغرب کے بارے میں انہوں نے کیا کہا) ابو برزہؓ کہتے ہیں کہ آپ عشاء کی نماز دیر میں پڑھنا پسند فرماتے تھے، اور کہا کہ عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد بات کرنا مکروہ خیال فرماتے تھے، اور صبح کی نماز سے (فراغت کرکے) آپ ایسے وقت لوٹتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے پاس والے کو پہچان لیتا تھا، اور (اس میں) آپ ساٹھ آیتوں سے سو تک پڑھتے تھے۔

تشریح: حافظ نے لکھا کہ یہ حدیث پہلے باب وقت العصر (ص ۷۸) میں بھی آچکی ہے، یہاں خاص طور سے سمر بعد العشاء کی کراہت بتلانے کے لئے پھر سے لائے ہیں، عشاء سے قبل سونے کی کراہت اس لئے ہے کہ عشاء کی نماز فوت نہ ہو جائے یا وقت مستحب سے نہ نکل جائے اور بعد عشا باتیں کرنے کی ممانعت اس لئے ہوئی کہ صبح کی نماز قضا نہ ہو جائے، حضرت عمر لوگوں کو اس بات پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ شروع رات میں قصہ گوئی اور باتوں میں وقت خراب کرو گے اور آخر رات میں سوؤ گے؟: پھر حافظ نے لکھا کہ اس علت کے پیش نظر کوئی بڑی اور چھوٹی راتوں میں فرق بھی کرسکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دور اندیشی کے تحت یہ ممانعت مطلقاً ہی ہو، کیونکہ شریعت جب کسی چیز پر خرابی کے اندیشہ وگمان سے کوئی حکم لگا دیتی ہے تو پھر وہ سختی ہی قائم رہتی ہے (فتح ص ۲\۴۹) لہٰذا شریعت نے نماز عشا کے بعد مباح باتوں سے روک دیا ہے، مباح اس لئے کہ حرام وممنوع باتیں تو ہر وقت ممنوع ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی رائے بھی یہ تھی کہ سمر بعد العشا کی کراہت اسی وقت ہے کہ اس کی وجہ سے صبح کی نماز فوت ہو (لامع ص ۱\۲۳۴)۔

باب السمر فی الفقه و الخیر بعد العشآء

دین کے مسائل اور نیک باتوں سے متعلق عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا بیان

۵۷۰: حدثنا عبدالله بن الصباح قال حدثنا ابوعلی الحنفی قال حدثنا قرة بن خالد قال انتظرنا الحسن وراث علینا حتیٰ قربنا من وقت قیامه فجآء فقال دعانا جیراننا هٰؤلآء ثم قال قال انس بن مالک نظرنا النبی صلے الله علیه وسلم ذات لیلة حتیٰ کان شطر اللیل یبلغه' فجآء فصلی لنا ثم خطبنا فقال الا ان الناس قد صلوا ثم رقدوا و انکم لم تزالوا فی صلوٰة ما انتظر الصلوٰة قال الحسن و ان القوم لایزالون فی خیر ما انتظروا الخیر قال قرة هو من حدیث انس عن النبی صلے الله علیه وسلم

۵۷۱: حدثنا ابوالیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال حدثنی سالم ابن عبدالله بن عمرو ابوبکر بن ابی حثمة ان عبدالله بن عمر قال صلے النبی صلے الله علیه وسلم صلوٰة العشآء فی اخر حیوته فلما سلم قام النبی صلے الله علیه وسلم فقال ارایتکم لیلتکم هذه فان راس مائة سنة لایبقیٰ من هو الیوم علیٰ ظهر الارض احد فوهل الناس فی مقالة النبی صلے الله علیه وسلم الیٰ مایتحدثون فی هذه الاحادیث عن مائة سنة وانما قال النبی صلی الله علیه وسلم لایبقےٰ ممن هو الیوم علےٰ ظهر الارض یرید بذٰلک انها ینخرم ذٰلک القرن

ترجمہ ۵۷۰:۔ حضرت قرہ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ ہم حسن بصری کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے آنے میں اتنی دیر کی، کہ ان کے (مسجد سے) اٹھ جانے کا وقت قریب آ گیا، تب وہ آئے اور کہنے لگے کہ مجھے میرے پڑوسیوں نے بلا لیا تھا، اس وجہ سے دیر ہوگئی، پھر انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالکؓ نے (مجھ سے) کہا کہ ہم نے ایک رات نبی کریم ﷺ کا انتظار کیا، یہاں تک کہ نصف شب ہوگئی، تب آپ تشریف لائے اور ہمیں نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ دیکھو! لوگ نماز پڑھ چکے اور سو رہے، اور تم برابر نماز میں رہے، جب تک کہ تم نے نماز کا انتظار کیا، اسی حدیث کے پیش نظر (خود) حسن بصریؒ کا قول ہے، کہ جب تک لوگ نیکی کرنے کے منتظر رہتے ہیں وہ اس نیکی کے کرنے کا ثواب پاتے رہتے ہیں، قرہ نے کہا، کہ حسن کا یہ قول حضرت انس کی حدیث میں داخل ہے۔

ترجمہ ۵۷۱:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) عشاء کی نماز اپنی اخیر زندگی میں پڑھی، جب سلام پھیرا، تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ تم اپنی اس رات کے حال کے متعلق مجھ سے سنو! سو برس کے بعد جو شخص آج زمین کے اوپر ہے، کوئی باقی نہ رہے گا۔ (ابن عمرؓ کہتے ہیں، کہ) لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے (اس) ارشاد (کے سمجھنے) میں غلطی کی (اور) سو برس کی توضیح (کرنے) میں دوسری باتوں کی طرف خیال دوڑانا شروع کر دیا (ان ہی خیالوں کو) وہ (حدیث کی تفسیر میں) بیان کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا تھا، کہ جو آج زمین کے اوپر ہیں، ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا، مراد آپ کی اس سے یہ تھی کہ سو سال پر یہ قرن گزر جائے گا۔

تشریح: پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت نے کسی چیز کے لئے انتظار کو بھی اسی کے حکم میں رکھا ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد نمازِ عشا کے بعد فرمایا ہے، لہٰذا بعد عشا کے کسی نیک بات میں کوئی حرج نہ ہوا، دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی سے باب السمر بالعلم (ص ۲۲ کتاب العلم) میں بھی گزر چکی ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ ارشادات بھی بعد نمازِ عشا فرمائے ہیں۔ لہٰذا کسی علمی و فقہی بات میں

کوئی مضائقہ نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ امام ترمذی نے حضرت عمرؓ سے حدیث حسن روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے معاملات میں بعد عشا کے مشورے کیا کرتے تھے اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس حدیث کے تحت حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ بھی چھڑتا ہے اور ہم اس کو پہلے لکھ چکے ہیں، یہاں حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی وغیرہ نے کہا:۔ اس حدیث سے امام بخاری اور ان کے ہم خیال حضرات نے حضرت خضر علیہ السلام کی موت ثابت کی ہے، مگر جمہور اکابر امت اس کے خلاف ہیں اور اس کے جوابات دیئے ہیں۔ پھر حافظ نے وہ بھی درج کئے، دیکھ لئے جائیں (فتح ص ۲\۵۰)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ باب امام بخاری اس لئے لائے ہیں تا کہ علمی مذاکرات کو بھی عام حکم سمر بعد العشاء کے تحت نہ سمجھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب السمر مع الاهل والضيف

(گھر والوں اور مہمانوں کے ساتھ عشاء کے بعد گفت وگو کرنے کا بیان)

۵۷۲: حدثنا ابو النعمان قال حدثنا معتمر بن سليمان لنا ابی قال حدثنا ابو عثمان عن عبدالرحمن بن ابی بكر ان اصحاب الصفة كانوا اناساً فقرآء وان النبی صلے الله عليه وسلم قال من كان عنده' طعام اثنين فليذهب بثالث وان اربع فخامس اوسادس وان ابابكر جآء بثلاثة وانطلق النبی صلی الله عليه وسلم بعشرة قال فهوانا و ابی و امی ولاٗ ادری هل قال و امراتی و خادم بين بيتنا وبيت ابی بكرو ان ابابكر تعشى عندالنبی صلے الله عليه وسلم ثم لبث حيث صليت العشآء ثم رجع فلبث حتیٰ تعشی النبی صلے الله عليه وسلم فجآء بعد ما مضیٰ من الليل ماشآء الله قالت له' امراته ما حبسک عن اضيافک او قالت ضيفک قال اوما عشيتهم قالت ابوا حتیٰ تجیّ ء فقد عرضوا فابوا قال فذهبت انا فاختبات فقال يا غنثر فجدع و سب وقال كلوا لاهنيئا لكم فقال والله لااطعمه' ابداً وايم الله ماكنا ناخذ من لقمة الا ربا من اسفلها اكثر منها قال شبعوا وصارت اكثر مما كانت قبل ذٰلک فنظر اليها ابوبكر فاذا هی كما هی او اكثر فقال لامرأته ياخت بنی فراس ماهذا قالت لا وقرة عينی لهی الاٰن اكثر منها قبل ذٰلک بثلاث مرار فاكل منها ابوبكر وقال انما كان ذٰلک من الشيطان يعنی يمينه' ثم اكل منها لقمةً ثم حملها الی النبی صلے الله عليه وسلم فاصبحت عنده' و كان بيننا و بين قوم عقد فمضى الاجل فعرفنا اثنی عشر رجلاٗ مع كل رجل منهم اناس والله اعلم كم مع كل رجل فاكلوا منها اجمعون او كماقال

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ روایت کرتے ہیں کہ اصحابِ صفہ غریب لوگ تھے، اور نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے کو (ان میں سے) لے جائے، اور اگر چار ہوں، تو پانچواں یا چھٹا (ان میں سے لے جائے) حضرت ابوبکر تین آدمی لے آئے، اور نبی کریم ﷺ دس لے گئے، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ ہم تھے، اور ہمارے باپ تھے، اور ہماری ماں تھیں، اور میں نہیں جانتا، کہ آیا انہوں نے یہ بھی کہا (یا نہیں) کہ میری بی بی اور ہمارا خادم بھی تھا، جو ہمارے گھر اور ابوبکرؓ کے گھر میں مشترک تھا (ایک روز) ابوبکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کے یہاں شام کا کھانا کھایا، اور آ کر ہمارے گھر میں رہے اتنی دیر کہ عشا کی نماز بھی ہو چکی، پھر حضور کی خدمت میں گئے اور

اتنے ٹھہرے کہ آں حضرت ﷺ نے کھانا بھی تناول فرمایا، اسکے بعد (اپنے گھر میں) آئے ان سے ان کی بی بی نے کہا کہ تمہیں تمہارے مہمانوں سے کس نے روک لیا، یا یہ کہا کہ تمہارے مہمان سے، وہ بولے، کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا، انہوں نے کہا، آپ کے آنے تک ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا کھانا ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا، مگر انہوں نے نہ مانا، عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں تو (مارے خوف کے) جا کر چھپ گیا (چنانچہ) ابوبکرؓ (نے غصہ میں) یا غنثر (کہہ کر) پکارا اور بہت کچھ سخت سست مجھے کہہ ڈالا، اور کہا، تمہیں گوارہ نہ ہو کھاؤ۔ اس کے بعد کہا، کہ اللہ کی قسم! میں ہرگز نہ کھاؤں گا، کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم جب کوئی لقمہ لیتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ مہمان سب آسودہ ہو گئے۔ اور کھانا جس قدر کہ پہلا تھا اس سے زیادہ رہ گیا، تو ابوبکرؓ نے اس کی طرف دیکھا وہ اسی قدر تھا، جیسا کہ پہلے تھا، یا اس سے بھی زیادہ تو اپنی بی بی سے کہا، کہ اے بنی فراس کی بہن! یہ کیا ماجرا ہے (وہ بولیں) کہ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم یقیناً یہ اس وقت پہلے سے تگنا ہے، پھر اس میں سے ابوبکرؓ نے کھایا، اور کہا، یہ قسم شیطان ہی کی طرف سے تھی، بالآخر اس میں سے ایک لقمہ انہوں نے کھا لیا اس کے بعد اسے نبی کریم ﷺ کے پاس اٹھا لے گئے، وہ صبح تک آپ کے پاس رہا، اور ہمارے اور ایک قوم کے درمیان میں کچھ عہد تھا۔ اس کی مدت گذر چکی تھی، تو ہم نے بارہ آدمی علیحدہ علیحدہ کر دیئے، ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کچھ کچھ آدمی تھے۔ غرض اس کھانے سے سب نے کھا لیا (یا عبدالرحمٰن نے جیسا کچھ بیان کیا ہو)

تشریح: یہ حدیث الباب طویل ہے اور اس میں راویوں سے تقدیم و تاخیر بھی ہو گئی ہے۔ مسلم شریف کتاب الاطعمہ ص ۲/۱۸۵ میں بھی یہ حدیث ہے اور اس کے ساتھ والی دوسری حدیث بھی زیر نظر رکھی جائے، ابوداؤد کتاب الایمان والنذور ص ۲/۱۱۵ میں بھی یہ حدیث ہے، علامہ نوویؒ نے لکھا کہ اس حدیث میں اختصار ہے اور حذف نیز تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ جس کی وضاحت و صحت اگلی دوسری روایت سے ہوتی ہے، مسلم کی حدیث میں **ثم رجع فلبث** کے بعد **حتی تعشی النبی** ﷺ کی جگہ **حتی نعس النبی** ﷺ ہے (نبہ علیہ العینی فی العمدہ ص ۲/۶۱۴) اور وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اگرچہ ہم نے ترجمہ روایت بخاری کے مطابق کیا ہے۔ اور ضمیروں کے مراجع ہم نے عمدۃ القاری سے متعین کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

افاداتِ عینیؒ: (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب لوگوں پر رزق کی تنگی ہو گئی ہو تو حاکم وقت ان کی کفالت بقدر وسعت و گنجائش دوسرے لوگوں کے ذمہ کر دے اور حضور علیہ السلام نے کم افراد والے کنبہ اور زیادہ والے کو برابر اس لئے کیا کہ زیادہ افراد والے خود ہی پہلے سے زیر بار ہوتے ہیں اور ان کو اپنے عیال کا خیال بھی زیادہ رکھنا چاہیئے، یہ ہدایت تو دوسروں کے لئے تھی، مگر خود حضور علیہ السلام جن پر دس افراد کا بوجھ پہلے سے ہی تھا، پھر بھی آپ نے ایثار کر کے دوسرے دس آدمیوں کا بوجھ اٹھایا، اور حضرت ابوبکرؓ نے تین کی ذمہ داری لی، جبکہ ہدایت نبوی صرف یہ تھی کہ ہر کنبہ والا صرف ایک ایک آدمی کو ساتھ لے جائے اور کھلائے۔ حضرت عمرؓ نے قحط کے سال ہر گھرانہ پر گھر کے افراد کے برابر لوگوں کی ذمہ داری سونپی تھی، اور فرمایا تھا کہ کوئی قوم آدھی خوراک کھانے کی وجہ سے ہلاک نہیں ہو سکتی۔ علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ بیشتر علماء کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں دوسرے ناداروں کے حقوق وابستہ ہیں۔ (۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رئیس قوم کے ساتھ کھانا بہتر ہے اگرچہ گھر پر مہمان بھی ہوں، جبکہ گھر پر مہمانوں کی خدمت کرنے کرنے والا موجود ہو، جس طرح حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے گھر پر موجود تھے اور آپ نے ان کو مہمانوں کی خبر گیری کی تاکید بھی کر دی تھی۔ (۳) گھر کے لوگوں کو خود بھی چاہیے کہ وہ صاحب منزل کی طرح اس کے مہمانوں کا خیال رکھیں۔ (۴) مہمانوں کو چاہیے کہ وہ صاحب منزل کا ادب و لحاظ کریں اور کھانے پر بھی اس کا انتظار کریں، اس کے بغیر کھانے کی حرص نہ کریں، (۵) حضرت ابوبکرؓ کی خاص شان حب نبوی و مصاحبت نبوی کی معلوم ہوئی کہ وہ دن و رات کا اکثر حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گذارتے تھے (۶) کوئی بابرکت چیز گھر میں آئے تو وہ اہل علم و فضل کے پاس بھیجی جائے، جس طرح حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت

والے کھانے کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ (۷) اس حدیث سے حضرت ابوبکرؓ کی کرامت بھی ثابت ہوئی، اور معلوم ہوا کہ اولیا کی کرامات حق ہیں، یہی مذہب اہل سنت کا ہے (۸) کسی تقصیر پر خوف وڈر کے سبب اپنے والد یا بڑے سے چھپ جانے کا جواز بھی معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بھی چھپ گئے تھے (۹) اولاد کو غصہ کی حالت میں کسی تقصیر پر برا بھلا کہنے کا بھی جواز نکلا (۱۰) قسم بغیر اللہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۱) اگر قسم کسی ناروایات پر اٹھالی ہو تو اس کو توڑنے کا استحسان بھی معلوم ہوا۔ (۱۲) اگلے دن کے لئے کھانا رکھنے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ (۱۳) اگر صاحب منزل نے ہدایت کردی ہو تو مہمانوں کو اس کی غیر موجودگی میں کھانا کھالینا چاہیے، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ مہمانوں کے نہ کھانے پر ناخوشی کا اظہار فرمایا۔ (۱۴) اس حدیث سے کسی عذر کے تحت ترک جماعت کا جواز بھی معلوم ہوا کیونکہ ثم لبث (ای فی دارہ) حتی صلیت العشاء ثم رجع الی رسول اللہ ﷺ وارد ہوا (عمدہ ص۶۱۶/۲) غالباً حضرت ابوبکرؓ کا عذر یہ تھا کہ وہ مہمانوں کی دلداری یا ان سے ضروری باتوں کے لئے گھر پر ٹھیرے رہے تا آنکہ جماعت عشاء ہوچکی، تب حضور علیہ السلام کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اور ثم رجع کی جگہ صحیح اسماعیلی میں ثم رکع ہے، شاید اس سے مراد عشاء کی نماز ہو جو گھر پر پڑھ کر حضرت ابوبکرؓ حضور کی خدمت میں گئے ہوں گے۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

افادات انورؒ: (۱) فرمایا:۔ اس حدیث میں حلف بغیر اللہ ہے، حالانکہ دوسری حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہے اس کے بارے میں سب سے بہتر تحقیق جواب صرف علامہ چلپیؒ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے، مطول کے خطبہ میں ولعمری آگیا ہے، اس پر اسی اعتراض کے دفعیہ میں لکھا کہ ممنوع وہ ہے جو مشروع طریقہ پر ہو اور اس سے مقصود مقسم بہ کی تعظیم ہو یا عدم حنث کے لئے ہو، اور جو لغوی ہو، محض تقویتِ کلام کے لئے وہ ناجائز وممنوع نہیں ہے۔ بشرطیکہ سامع کو مغالطہ نہ ہو، کیونکہ جہاں مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہوگا، جیسے قرآن مجید میں صحابہ کو راعنا کہنے سے روک دیا گیا۔ یا جیسے دلائل الخیرات میں ہے حتی لایبقی من علمک شیء میرے نزدیک یہ الفاظ درست ہیں۔ مگر ابن سعودؒ نے دلائل کا داخلہ حجاز میں بند کردیا کہ یہ شرک وکفر ہے، غالباً سلف کے اذہان میں بھی یہ لغوی یمین ہی تھی، جو بمعنی استشہاد تھی، اس لئے اگر نحوی اس کا یہی نام رکھ دیتے تو اچھا تھا تا کہ یمین شرعی وفقہی سے ممتاز ہوجاتی، لہٰذا کوتاہی نام میں ہوئی، حقیقت حلف میں نہیں، مگر کچھ لوگوں سے ذہول وغفلت ہوئی اور انہوں نے یمین لغوی پر بھی یمین شرعی کے احکام جاری کردیئے۔ حالانکہ خود حضور علیہ السلام سے بھی چار جگہ یہ یمین لغوی یا حلف بغیر اللہ وارد ہے، (۱) قصۂ افک میں (۲) افلح وابیہ ان صدق میں، اور جو تاویلات ورب ابیہ وغیرہ سے کی گئی ہیں وہ غلط ہیں (۳) لا ازید ولا انقص والی حدیث میں (۴) اسی حدیث میں شوکانی نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے بطور سبقت لسانی کے ایسے کلمات قسم کے نکل گئے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں! یہی موقع تھا سہو کا جو شرک وکفر کا مقام ہے۔

(۲) فرمایا:۔ بعض چیزیں فی نفسہ جائز ہوتی ہیں، مگر وہ اس لئے ممنوع ہوجاتی ہیں کہ ان سے دوسری غلط جانب کا ایہام واحتمال ہوتا ہے اس لئے ان کو نہ مطلقاً ممنوع ہی کہہ سکتے ہیں نہ کلیتہً جائز ہے۔ مفتی کا فرض ہے کہ وہ دیکھے، اگر ضرر شرعی پائے تو روک دے اور اگر نہ پائے تو جواز پر باقی رکھے، اس باب کی طرف قرآن مجید میں بھی تعرض کیا گیا ہے، چنانچہ راعنا کے فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود یہود کے ایہام کی وجہ سے روک دیا گیا، لہٰذا جب یہ مانع نہ رہے گا تو پھر جواز علی الاطلاق کا حکم لوٹ آئے گا۔ اسی طرح کنز کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

حاصل یہ کہ جہاں مغالطہ نہ ہو وہاں جائز ہی ہوگا۔

(۳) فرمایا:۔ میرے نزدیک یا شیخ عبدالقادر جیلانی! شیئاً للہ کہنا اس کے لئے درست ہے جو شیخ عبدالقادر کو عالم الغیب اور قادر نہ مانتا ہو، الا ان یشاء اللہ کہ وہ علم بھی دے سکتا ہے اور امداد بھی کرا سکتا ہے اور یہ جائز ہی ہے، مگر عام طور سے فساد عقیدہ اور مغالطہ پڑنے کی وجہ سے روکا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے کہ اس کی تسبیح پڑھی جائے اگر کوئی ایک ہزار بار بھی اس کا ورد کرے گا تو گھاس کے تنکے کے برابر بھی ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ معصیت بھی نہیں ہے اگر عقیدہ صحیح ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ فتاوی خیریہ میں مذکور ہے کہ ذکر اللہ کے سوا کوئی ذکر بھی موجب ثواب نہیں ہے، حتی کہ محمد محمد کے ورد اور تکرار میں بھی ثواب تھا آپ پر درود شریف بھیجنے میں ہے، یا آپ کے ذکر سیرت وغیرہ میں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حافظ ابن تیمیہ نے اللہ، اللہ کے ذکر منفردا کو بھی بلا اجر قرار دے دیا اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے، اس بارے میں انوارالباری کی سابق جلد میں لکھا گیا ہے)

(۴) فرمایا: ۔مورخ ابن خلکان نے محمود غزنوی کو ''امی محض'' لکھا، اور یہ بھی کہ اس کے سامنے قفال شافعی نے حنفیہ کی نماز کا ڈراما کیا۔ حنفی نماز کے لئے نبیذ سے وضو کیا م تعدیل ارکان نہ کی اور بجائے سلام کے عمداً حدث کر کے نماز ختم کر دی اس پر محمود شافعی ہو گیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک حنفی نے شافعی نماز دکھلائی، دو مٹکے پانی میں بہت سی نجاست ڈالی پھر اس سے وضو کیا اور نماز شافعی طریقہ پر پڑھی، تو وہ اس سے متنفر ہو گیا۔ ملا علی قاری وغیرہ نے جوابات لکھے ہیں حنفیہ کی طرف سے میں نے جواب دیا کہ جو باتیں حنفی نماز میں مخالفین نے دکھلائی ہیں اور ان کو نمایاں کیا ہے وہ سب فقہ حنفی میں بھی مکروہ تحریمی ہیں، لیکن فقہائے حنفیہ کی غلطی ہے کہ مکروہ کے لئے بھی جاز اور صح لکھ دیتے ہیں، ان کے ایسے تجوزات نے ہی اس قدر مغالطے ڈال دیئے ہیں، مثلاً ہدایہ میں لکھدیا کہ جس نے ختم نماز پر حدث عمد کیا تو نماز صحیح ہو گئی، حالانکہ وہ مکروہ تحریمی ہے، اصحاب متون صرف صح وجاز لکھدیتے ہیں، پھر شروح میں مکروہ تحریمی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے سینکڑوں اعتراض کئے ہیں اور باقی تینوں مذاہب والے بھی اعتراض کرتے ہیں، کیونکہ ان کے یہاں فرق کیا ہے الفاظ میں۔ پس اگر فقہاء حنفیہ بھی جواز وصحت کا اطلاق کراہت پر نہ کرتے تو ہم پر بہت سے اعتراضات نہ ہو سکتے۔ ان کی اس تقصیر اور صحیح وجائز کہنے کی وجہ سے ہم پر بہت سی نصوص ممانعت کی مخالفت کا اعتراض بھی ہوا ہے، اگر مکروہ کہہ دیا جاتا تو وہ اعتراض نہ پڑتا۔ کیونکہ ظاہر الفاظ سے کراہت کی بھی نفی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرا جواب میرا یہ ہے کہ طبقات شافعیہ کا درجہ گرا ہوا ہے، کیونکہ اس میں بہت ہی نادر ہے کہ کسی محدث سے کوئی قل ہو اور طبقات حنفیہ لکھنے والا محدث ہے، اس میں ہے کہ محمود غزنوی بڑا فقیہ عالم اور حنفی تھا، اس نے مسائل حنفیہ میں کتاب بھی لکھی ہے، لہٰذا اس کو جاہل وامی لکھنے والے کی غلطی ہے، اور اس کا شافعی ہو جانا بھی غلط ہے، میں نے تینوں مذاہب کے طبقات کا مطالعہ کیا ہے، اور میرے نزدیک طبقات حنفیہ سب میں زیادہ قابل وثوق اور سچی و پکی ہے، دوسری کچی ہیں۔

افادۂ علامہ کوثریؒ: آپ نے اپنی جلیل القدر تالیف تانیب الخطیب ص۸ لکھا کہ ایک عرصۂ مدید تک مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار رہے، کیونکہ ان سب کے اصول ومبادی کا سرچشمہ واحد اور اتجاہات میں یکسانیت تھی، سب کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ خلوص وللّٰہیت تھی، اس کے بعد کچھ شرپسندوں نے جن کے پیشوا حشویہ مبتدعہ رواۃ تھے، دراندازی کر کے تعلقات بگاڑے اور فسادات کرائے، عوام کو بھڑکایا اور امام ابوحنیفہ واصحاب کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کیا گیا، (جیسا کہ آج کے غیر مقلدین بھی کرتے ہیں، اس کے بعد علامہ کوثریؒ نے شیخ طریقہ عراقیہ کا ذکر کیا، پھر قفال مروزی کا ذکر کیا اور لکھا کہ اس نے اپنے فتاوی میں حنفی نماز کا غلط نقشہ کھینچا تھا، اور صاحب مغیث الخلق نے یہ بھی لکھا کہ اس نے سلطان محمود غزنوی مؤلف ''التفرید فی الفقہ الحنفی'' کے سامنے حنفی نماز بھی پڑھ کر دکھائی تھی، پس اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو گویا ان دونوں شیوخ نے مذہب حنفی کو بدنام کرنے کے لئے یہ سب نئے ڈھنگ اختیار کئے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ قفال نے صرف اپنے فتاوی میں ہی حنفی نماز کی مغالطہ آمیز تصویر دکھائی تھی اور سلطان کے سامنے نماز پڑھ کر نہیں دکھائی تھی، ورنہ اس متدین عالم بادشاہ کی طرف سے اس کو کوڑوں کی سزا ضرور ملتی۔ اور اہل بلاد کے ایک مذہب سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے کے افسانے بھی سراسر غلط ہیں، البتہ بعض اہل علم کی روش سے ضرور حیرت ہے کہ انہوں نے مناقب شافعی میں رحلت مکذوبہ اور دوسری من گھڑت وبے سند باتیں بھی امام اعظم وغیرہ کو مطعون کرنے کے لئے چلتی کر دیں، خاص طور سے ابونعیم اور علامہ محدث بیہقی جیسے حضرات کو بھی ان کے زمرہ

میں دیکھ کر بڑی روحانی کوفت بھی ہوتی ہے، باقی ابن الجوینی شافعی، امام غزالی ورازی وغیرہ جن کو نقد روایات میں کوئی درک نہیں ہے، ان کو ایک حد تک معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ خصوصا اس لئے بھی کہ وہ ابونعیم وبیہقی وغیرہ کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوں گے۔ الخ پوری کتاب قابل مطالعہ۔ **جزی اللہ المؤلف عنا وعن سائر الامة خیر الجزاء**

کتاب الاذان

(اذان کا بیان)

باب بدء الاذان وقوله تعالیٰ و اذا ناديتم الى الصلوٰة اتخذوها هزوًا ولعبا ذٰلک بانهم قوم لايعقلون و قوله تعالیٰ اذا نودی للصلوٰة من يوم الجمعة

(اذان کی ابتداء کا بیان' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ اس سے ہنسی مذاق کرتے ہیں یہ اس سبب سے کہ وہ نادان لوگ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول' جب جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کی اذان دی جائے)

۵۷۳: حدثنا عمران بن ميسرة قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا خالد عن ابی قلابة عن انس قال ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهود والنصارىٰ فامر بلال ان يشفع الاذان وان يوتر الاقامة

۵۷۴: حدثنا محمود بن غيلان قال حدثنا عبدالرزاق قال اخبرنا ابن جريج قال اخبرنی نافع ان ابن عمر كان يقول كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلوٰة ليس ينادی لها فتكلموا يوما فی ذٰلک فقال بعضهم اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصارىٰ وقال بعضهم بل بوقاً مثل قرن اليهود فقال عمر اولا تبعثون رجلاً ينادی بالصلوٰة فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم يابلال قم فناد بالصلوٰة

ترجمہ ۵۷۳:۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ (نماز کے اعلان کے لئے) لوگوں نے آگ اور ناقوس تجویز کیا، پھر یہود ونصاریٰ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا (کہ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں) تب بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت کے ایک ایک مرتبہ:۔

ترجمہ ۵۷۴:۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مسلمان جب مدینہ آئے، تو نماز کے لئے، نماز کے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے، اس وقت تک نماز کے لئے اعلان نہ ہوتا تھا، ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ کوئی اعلان ضرور ہونا چاہیئے) بعض نے کہا، کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا نہیں، بلکہ یہود کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے، کہ وہ الصلوٰۃ (الصلوٰۃ) پکار دیا کرے، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اے بلال! اٹھو اور نماز کی اطلاع کر دو۔

تشریح: اذان کے معنی اطلاع اور خبر دینے کے ہیں، معروف اذان بھی چونکہ وقت نماز کی خبر دیتی ہے، اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں، نماز اگرچہ مکہ معظمہ میں پانچ وقت کی فرض ہو چکی تھی۔ مگر وہاں اذان وغیرہ کے ذریعہ تشہیر نہ ہو سکتی تھی مدینہ طیبہ پہنچ کر جب مسلمانوں کی تعداد پہلے ہی سال میں زیادہ ہو گئی تو جماعت کے لئے اجتماع کی صورت کیا ہو، اس کے لئے حضور علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ کیا، اور ابتداء میں حضرت عمرؓ کی رائے سے حضرت بلالؓ کو "الصلوٰۃ جامعة" کے ذریعہ لوگوں کو خبر دینے کا حکم نبوی ملا، پھر حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان کی موجودہ صورت اور کلمات بتلائے گئے، دوسرے صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے بھی خواب میں اسی طرح دیکھا مگر حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو خبر دی تھی، اور جب حضور علیہ السلام کے حکم سے پہلی اذان دی گئی تو حضرت عمرؓ نے اس کو سن کر بتلایا کہ میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا تھا۔ ایک

روایت مراسیل ابی داؤد اور مصنف عبدالرزاق کی یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے اپنا خواب بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے وحی الٰہی بھی اسی کے مطابق آچکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اذان موجودہ کا فیصلہ وحی کے ذریعہ ہوا تھا، اور امام بخاریؒ نے جو ترجمۃ الباب میں پہلے دو آیتوں کو ذکر کیا، اس سے بھی اشارہ تقدم وحی کا مل سکتا ہے، دوسرے حضرات جو حضرت عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کو سب سے مقدم کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس خواب کی تائید وحی کے ذریعہ ہوئی اور امام بخاری نے تقدم کی وجہ سے نہیں بلکہ تبرک کے لئے آیات ذکر کی ہیں، جس طرح ان کی عادت ہے کہ تراجم میں آیات کو استدلال یا استبراک کے لئے بھی ذکر کیا کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حکم اذان اور مسئلہ ترجیع

اذان نماز جماعت کے لئے سنت موکدہ ہے، شیخ ابن ہمام نے جو وجوب کا درجہ سمجھا ہے، وہ صحیح نہیں، دلائل کی تفصیل فقہ کی کتاب بحر الرائق میں موجود ہے۔ اذان کے کلمات حنفیہ کے نزدیک پندرہ ہیں، امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی و مالکؒ کے یہاں انیس کلمات ہیں، اس طرح کہ وہ ہر کلمہ شہادت کو پہلے دو بار آہستہ آواز سے اور پھر دو بار بلند آواز سے بتلاتے ہیں، اور یہ ترجیع کہلاتی ہیں یعنی لوٹا کر پڑھنا یہ ترجیع فرشتے کی اذان میں نہیں تھی، جس نے خواب میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو اذان کی تلقین کی تھی۔ اور نہ اذان بلال میں تھی جو حضور علیہ السلام کی موجودگی میں دس سال تک بلا ترجیع کے ہوتی رہی۔ البتہ حضرت ابومحذورہؓ کی اذان میں تھی' جس کی وجہ خاص تھی، اس لئے اس کو اذان کی صفت نہیں بنا سکتے۔ باقی اگر کوئی کرلے تو گناہ بھی نہیں، مباح ہے، نہ سنت ہے نہ مکروہ (کمافی البحر) حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی فیصلہ کو ترجیح دی ہے، اور صاحب النہر نے ترجیع کو کراہتِ تنزیہی قرار دیا ہے جس کو مولانا عبدالحی لکھنوی نے اختیار کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ترجیع کا انکار یا تاویل درست نہیں کیونکہ وہ مکہ معظمہ میں رہی ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے زمانہ تک بھی باقی تھی، اسی لئے انہوں نے اس کو اختیار کیا تھا، اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جواز عدم جواز کا نہیں ہے۔

مسئلہ اقامت: امام اعظمؒ کے نزدیک اقامت بھی اذان کی طرح ہے بجز اضافت قد قامت الصلوۃ کے، باقی تینوں ائمہ بجز قد قامت الصلوۃ کے ایتار (ایک ایک بار) کے قائل اور امام مالکؒ اس کلمہ میں بھی ایتار کہتے ہیں، اس طرح ہمارے یہاں اقامت کے کلمات سترہ، امام احمد وشافعی کے نزدیک گیارہ اور امام مالک کے یہاں دس ہوئے، ہماری دلیل حضرت ابومحذورہؓ کی اقامت ہے کہ وہ ہر کلمہ کو دو دو بار کہتے تھے، اور ابوداؤد میں فرشتے کی اقامت بھی دو دو بار کی ہے اور بعض طرق میں جو ایک بار کا ذکر ہے، وہ بھی معہود دو بار پر محمول ہوگا کیونکہ واقعہ ایک ہی ہے اور امام طحاویؒ نے حضرت بلالؓ سے بھی اقامت دو بار نقل کی ہے۔ جس کو محقق امت شیخ تقی الدین بن دقیق العیدؒ نے بھی قبول کیا ہے کمافی الزیلعی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت بلالؓ سے ایتار اور ثنی دونوں ثابت ہیں، اور شیخ نورالدین طرابلسیؒ نے (جو ابن الہمام سے متاخر ہیں) ایتار کو بیان جواز پر محمول کیا ہے کیونکہ اکثر تو ثنی ہی ہوگا، کبھی کبھی ایتار بھی ہوا ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ حنفیہ میں سے کسی سے میں نے جواز ایتار کی صراحت نہیں دیکھی پھر فرمایا کہ احادیث دونوں قسم کی ثابت ہیں، اس لئے میں مثنویت کو ترجیح نہیں دے سکا اور فرمایا کہ امام بخاریؒ نے حنفیہ کی اذان اور شافعیہ کی اقامت کو اختیار کیا ہے، حنفیہ کہا کرتے ہیں کہ ہم نے اذان بلالؓ کی اور اقامت ابومحذورہؓ کی لی ہے۔ میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہر دو چیزیں نازل من السماء فرشتے کی بھی ہیں، امام ترمذیؒ نے مستقل باب الاقامہ مثنیٰ مثنیٰ کا بھی قائم کیا ہے اور حدیث ذکر کی ہے۔ معارف السنن ص ۱۸۸/۲ میں اس پر پوری بحث کی گئی ہے۔

شیخ نورالدین، طرابلسی کا تذکرہ موجودہ کتب طبقات حنفیہ میں نہیں ملا۔ البتہ اس ضمن میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علامہ محدث تور بشتی حنفیؒ کا بھی ذکر کیا، ان کا ذکر حدائق حنفیہ میں ہے اور مولانا عبدالحلیم چشتی دام فضلہم نے فوائد جامعہ ص ۲۰۷ میں اچھی تفصیل و تحقیق کی ہے، لیکن

ص۲۰۹ میں جو عبارت فیض الباری سے نقل کی ہے اور اس کو حضرت علامہ کشمیریؒ کی طرف منسوب کر کے نقد کیا ہے وہاں کی شان تحقیق و وسعت مطالعہ سے بعید ہے کیونکہ "فیض الباری" حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مرتب ہو کر شائع ہوئی ہے، جس میں بے شمار غلطیاں ہیں، جن کی حضرتؒ کی طرف نسبت صحیح نہیں، اور وہ مؤلف فیض الباری کے عدم تحقیق و تثبت اور امالی درس کے ضبط کی غلطیاں ہیں۔ اسی لئے رفیق محترم علامہ بنوری دامت برکاتہم نے مقدمہ فیض الباری میں ایسی اغلاط و تسامحات کے بارے میں تنبیہ کر دی تھی تاکہ وہ حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوں، مگر بہت سے حضرات مقدمہ پر نظر نہیں کرتے، یا حضرت شاہ صاحبؒ کی جلالت قدر سے ناواقف حضرات مؤلف پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کر لیتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی غلطی متعدد اہل علم و صاحب تالیف حضرات کر چکے ہیں۔ اس لئے اب مجھے اس صراحت کے لئے مجبور ہونا پڑا، اور پہلی فیض الباری کی اغلاط سے صرف نظر کرتا تھا، اب مجبوری و ضرورت سے اہم مواضع میں نشان دہی کے ساتھ غلطیوں پر تنبیہ بھی کرنے لگا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وسعت علم و فضل کے لحاظ سے نمود سلف تھے، اور درس میں نہایت اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت اور طلبہ کی محدود استعداد کے مطابق بولتے تھے اور اپنی مکمل و مدلل تحقیقات کے لئے فرمایا کرتے تھے کہ میری یادداشتوں کے تین بکس گھر پر ہیں، یقیناً درس میں جتنا وہ فرماتے تھے، وہ بھی اس دور کے ہر درس حدیث پر فائق تھا، مگر تالیف کا میدان بڑا وسیع ہے، اس کے لئے حضرتؒ کی یادداشتوں کی بھی ضرورت تھی، جو افسوس ہے کہ گھر والوں کی ناقدری کے سبب ضائع ہو گئیں۔ مقدرات میں کسی کا چارہ نہیں۔ ان یادداشتوں میں حضرتؒ کی چالیس سالہ تحقیقات عالیہ نادرہ موجود تھیں، اور اب جو کچھ ہمارے پاس ہیں اس کی حیثیت "جہد المقل دموعہ" سے زیادہ نہیں ہے۔ والی اللہ المشتکی.

باب الاذان مثنٰی مثنٰی

اذان کے الفاظ دو دو بار کہنے کا بیان

۵۷۵: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید عن سماک ابن عطیۃ عن ایوب عن ابی قلابۃ عن انسؓ قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ

۵۷۶: حدثنا محمد ھوا بن سلام قال حدثنا عبدالوھاب الثقفی قال حدثنا خالد ن الحذآء عن ابی قلابۃ عن انس بن مالک قال لما کثر الناس قال ذکروا ان یعلموا وقت الصلوٰۃ بشی یعرفونہ' فذکروا ان یوروا ناراً اویضربوا ناقوساً فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ

ترجمہ۵۷۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا گیا تھا، کہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے طاق رکھیں:۔

ترجمہ۵۷۶: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ زیادہ (مسلمان) ہوئے، تو انہوں نے تجویز کی کہ نماز کے وقت کی کوئی ایسی علامت مقرر کر دیں، جس سے وہ پہچان لیا کریں (کہ اب نماز تیار ہے) لہٰذا بعض نے کہا، کہ آگ روشن کر دیں، یا ناقوس بجا دیں، تو بلالؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت میں طاق۔

تشریح: اس باب میں امام بخاریؒ نے اذان کے بارے میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، جس کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔

باب الاقامة واحدة الا قوله' قدقامت الصلوٰة

۵۷۷: حدثنا علی بن عبدالله قال حدثنا اسماعیل بن ابراهیم قال حدثنا خالد الحذآء عن ابی قلابة عن انسؓ قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة اسمٰعیل فذکرته لایوب فقال الا الاقامة

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان (میں) جفت (کلمات) کہیں، اور اقامت (میں) طاق اسمٰعیل (راوی حدیث) کہتے ہیں میں نے ایوب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا (ہاں) اقامت اکہری ہونی چاہیے، البتہ قد قامت الصلوٰۃ (دومرتبہ کہا جائے)

تشریح: امام بخاریؒ نے اقامت کے بارے میں شافعیہ کی موافقت کی ہے، اس کی تفصیل اور دلیل بھی پہلے ذکر ہوئی۔

باب فضل التاذین

۵۷۸: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابی الزنادعن الاعرج عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذانودی للصلوٰة ادبر الشیطان له' ضراط حتیٰ لایسمع التاذین فاذا قضی الندآء اقبل حتیٰ اذاثوب بالصلوٰة ادبر حتی اذا قضی التثویب اقبل حتی یخطربین المرء و نفسه یقول اذکر کذااذکر کذالما لم یکن یذکر حتیٰ یظل الرجل لایدریٰ کم صلی

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب نماز کی اذان کہی جاتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے (اور مارے خوف کے) وہ گوز مارتا جاتا ہے، اور اس حد تک بھاگتا چلا جاتا ہے کہ، اذان کی آواز نہ سنے جب اذان ختم ہو جاتی ہے، تو پھر واپس آجاتا ہے، یہاں تک کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے، تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے، حتیٰ کہ جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آجاتا ہے، تا کہ آدمی کے دل میں وسوسے ڈالے، کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر، وہ (تمام) باتیں جو اس کو یاد نہ تھیں (یاد دلاتا ہے) یہاں تک کہ آدمی بھول جاتا ہے، کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بظاہر اذان کی فضیلت نماز سے بھی بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مگر واقعہ یہ کہ ہر عمل کے خواص الگ ہوتے ہیں، اذان میں چونکہ اعلان ہے شہادتین کا اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ موذن کی شہادت کی گواہی ہر خشک وتر چیز اور جن وانس دیں گے، شیطان کو یہ گوارا نہیں کہ کوئی بھی کسی مومن کے ایمان وشہادت کی گواہی دے، چہ جائیکہ ساری مخلوق موذن کے لئے گواہ بنے گی، اس لئے وہ اذان سن کر بری طرح خائب وخاسر اور ذلیل ورسوا ہوتا ہے، اور اس کو سننے کی تاب نہ لا کر اس سے اتنی دور بھاگتا ہے کہ آواز نہ سن سکے۔ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ روحا تک چلا جاتا ہے جو مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے۔ لیکن نماز کے اندر اگرچہ وہ افضل عبادات ہے یہ خاصہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خدا کی مناجات وسرگوشی ہے، اس میں اعلان کی صورت نہیں، اس لئے شروع ہوتے ہی شیطان لوٹ آتا ہے اور اس میں طرح طرح سے خلل اندازی کرتا ہے، وسوسے ڈالتا ہے، خیالات کو افعال صلوۃ سے ہٹا کر ادھر ادھر کرنے کی سعی کرتا ہے، حتیٰ کہ جو بات یاد کرنے سے بھی یاد نہ آتی ہو، نماز میں اس کو بھی یاد دلا دیتا ہے، اور اسی لئے امام اعظمؒ کا واقعہ ہے کہ کوئی شخص گھر کا اپنا دفینہ بھول گیا، کسی طرح یاد نہ آتا تھا کہ کس جگہ دفن کیا ہے۔ امام صاحب سے عرض کیا، آپ نے فرمایا گھر جا کر رات بھر نفلیں پڑھ اور خیال رکھنا کہ بجز نماز کے اور کسی دنیا کی بات کی طرف دھیان ہرگز نہ ہو، اس نے اس طرح کیا تو شیطان نے یہ سوچ کر کہ یہ تو ساری نفلیں اور وہ بھی اس شان سے پڑھ کر جو امام صاحب نے بتلائی ہیں، خدا کا ایک ہی رات میں مقرب ترین بندہ بن جائے گا، اس کو جلد ہی وہ دفینہ کی جگہ یاد دلا دی، اور اس نے نماز ختم

کر کے اس جگہ کو کھودا تو وہ دفینہ نکل آیا۔ امام صاحبؒ کی اس منقبت کے واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری ص ۲/۵۸ میں قولہ لما لم یکن یذکر کے تحت ذکر کیا ہے، جس کو نقل کر کے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ کا بھی عجیب حال ہے کہ جب مسائل فقہی کی ابحاث آتی ہیں تو حنفی مسلک کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور رجال حنفیہ کو بھی گرانے کی سعی ہمیشہ کرتے ہیں، اور امام صاحب کی بزرگی و بڑائی ثابت کرنے کے لئے ایسی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو علوم امام اعظم کے مقابلے میں کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتیں۔

باب رفع الصوت بالندآء وقال عمر بن عبدالعزیز اذن اذاناً سمحاً والا فاعتزلنا

(اذان میں آواز بلند کرنے کا بیان' اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے (اپنے موذن سے) کہا تھا' کہ صاف اور سیدھی اذان کہو ورنہ دور ہو جاؤ)

حافظ نے اذان کی فضیلت کے بارے میں ۵۔۱۶ اقوال ذکر کئے ہیں اور علامہ عینیؒ نے بھی اذان و موذن کی فضیلت میں بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ (فتح ص ۲/۵۸، عمدہ ص ۲/۶۳)

حافظ نے علامہ ابن الجوزی کا یہ قول بھی ذکر کیا کہ اذان کے لئے خاص ہیبت و رعب ہوتا ہے جس سے شیطان سخت ہیبت زدہ ہو کر بھاگتا ہے کیونکہ اذان ایسی عبادت ہے جس میں کوئی ریا اور غفلت نہیں ہوتی شیطان کے دور ہونے کی وجہ سے، بخلاف نماز کے کہ اس میں شیطان کی دراندازی کے سبب غفلت، ریا اور انواع و اقسام کے وساوس ہجوم کرتے ہیں۔

حافظ عینیؒ نے یہ حدیث بھی نقل کی کہ جب کسی بستی میں اذان دی جاتی ہے تو اس دن میں وہ بستی عذاب الٰہی سے محفوظ رہتی ہے، آخر میں حدیث ارشاد للائمہ و مغفرت للموذنین ذکر کر کے لکھا کہ اس کی وجہ سے امام شافعیؒ نے اذان کو امامت سے افضل قرار دیا ہے، مگر ہمارے نزدیک امامت افضل، ہے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کا وظیفہ ہے،

افادات شیخ الحدیث دام ظلہم

آپ نے اوجز ص ۱/۱۸۳ میں لکھا:۔ حدیث نبوی سے بعض سلف نے اذان غیر وقت صلوٰۃ بھی دفع اثرات شیاطین و جنات کے لئے ثابت کی ہے، مسلم شریف میں سہیل بن ابی صالح کی روایت ہے، جس میں انہوں نے کسی نظر نہ آنے والے کی آواز سننے کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا تو فرمایا کہ جب ایسی کوئی آواز سنو تو اذان کہو۔

علامہ ابن عبدالبرؒ نے امام مالکؒ سے نقل کیا کہ زید بن اسلم، معدن بنی سلیم پر عامل بنا کر بھیجے گئے، جہاں لوگوں کو جن ستاتے تھے، جب ان لوگوں نے شکایت کی تو حضرت زیدؓ نے ان کو بلند آواز سے اذان دینے کا مشورہ دیا، انہوں نے ایسا کیا تو پھر ان کو جنوں نے نہیں ستایا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھوت پریت کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بھی اذان کا ہی مشورہ دیا۔

سعایہ میں ہے کہ اذان کی اصل وضع تو نماز ہی کے لئے تھی، پھر وہ دوسرے مواضع میں بھی مستعمل ہوئی، مثلاً ولادت مولود پر دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت مسنون ہوئی، جن، بھوت پریت کا جہاں اثر ہو وہاں بھی اذان دی جاتی ہے، جب سواری کا جانور سرکشی کرے یا کسی بدکردار، بداخلاق آدمی سے واسطہ پڑے تو اس کے کان میں اذان دی جائے، غم زدہ، مرگی کے مریض اور غضبناک آدمی کے لئے بھی اذان اس کے کان میں دینا مفید ہے، لڑائی کے میدان میں جنگ کے وقت، آگ لگ جانے پر اور جنگل میں راستہ گم ہو جانے پر بھی اذان دینی چاہیے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے دس مواقع شمار کئے ہیں۔

۵۷۹: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی صعصعة الانصاری لم المازنی عن ابیه انه' اخبره' ان اباسعید ن الخلری قال له' انی اراک تحب الغنم والبادیة فاذا کنت فی غنمک اوبادیتک فاذنت للصلوٰۃ فارفع صوتک بالندآء فانه' لا یسمع مدی صوت المؤذن جن ولاانس ولاشی الاشهد له' یوم القیمٰة قال ابوسعید سمعته' من رسول الله صلے الله علیه وسلم

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؒ روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابوسعید خدریؓ نے کہا، کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم بکریوں اور جنگل کو پسند کرتے ہو (تو میری ایک نصیحت کو یاد رکھو) جب تم اپنی بکریوں (کے گلہ) میں یا اپنے جنگل میں ہو، اور نماز کے لئے اذان کہو، تو اذان دیتے وقت اپنی آواز بلند کرو، اس لئے کہ مؤذن کی آواز کو جو کوئی جن یا انس یا اور کوئی سنے گا تو وہ اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دے گا، ابو سعدی کہتے ہیں کہ میں نے یہ رسول خدا ﷺ سے سنا تھا۔

تشریح: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سادہ اور رواں اذان کی تلقین فرمائی تا کہ اس میں تصنع اور تغنی کی کیفیت پیدا نہ ہو، جس سے خشوع و خضوع جاتا رہتا ہے۔ بلند آواز کرنے سے نہیں روکا کیونکہ وہ تو مطلوب ہے۔ اسلیئے رفع صوت کا حکم جنگل کی اذان میں بھی وارد ہوا، جبکہ وہاں انسان نہ ہوں کیونکہ وہاں بھی جہاں تک آواز پہنچتی ہے، اس کو سننے والے قیامت میں گواہی دیں گے۔ اور موطأ امام مالک میں تو یہ حدیث بھی ہے جو شخص جنگل میں نماز پڑھے تو اس کے دائیں بائیں ہو کر فرشتے بھی ساتھ نماز پڑھتے ہیں، اور اگر اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر کثیر تعداد میں فرشتے جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ (اوجز ص ۱/۱۹۵)

علامہ باجیؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا جماعت کبیرہ وصغیرہ کے ثواب میں فرق ہے، اور مالکیہ سے جو نقل ہوا کہ ایک شخص اور جماعت کثیرہ کا ثواب برابر ہے، وہ مرجوح ہے، لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا مسلک مذکورہ بالا راجح ہے ("") حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد **باب فضل المشی الی الصلوٰۃ** میں بھی حدیث ہے کہ نماز جماعت کا ثواب پچیس گنا ہے اور اگر جنگل میں رکوع وسجود اچھی طرح کر کے پڑھے تو پچاس گنا ثواب ملے گا۔ لیکن یہ امر اتفاقی صورت کے لئے ہے کہ کسی ضرورت سے جنگل جائے یا سفر میں ہو تو ثواب زیادہ حاصل ہوگا یہ نہیں کہ بے ضرورت آبادی کی مساجد جماعت ترک کر کے زیادہ ثواب کے خیال سے جنگل کا رخ کرے اگر ایسا ہوتا تو سلف سے ضرور منقول ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی تحقیق کی ہے۔

باب ما یحقن بالاذان من الدمآء

(اذان سن کر قتال وخونریزی سے رک جانا)

۵۸۰: حدثنا قتیبة قال ثنا اسمٰعیل بن جعفر عن حمید عن انس عن النبی صلے الله علیه وسلم انه' کان اذا غزابنا قوماً لم یکن یغیر بنا حتیٰ یصبح وینتظر فان سمع اذا نا کف عنهم وان لم یسمع اذانا اغار علیهم قال فخرجنا الی خیبر فانتهینا الیهم لیلا فلما اصبح ولم یسمع اذانا رکب ورکبت خلف ابی طلحة وان قدمی لتمس قدم النبی صلے الله علیه وسلم قال فخرجوا الینا بمکاتلهم ومساحیهم فلما راوا النبی صلے الله علیه وسلم قالوا محمد والله محمد والخمیس قال فلمار اٰهم رسول الله صلے الله علیه وسلم قال الله اکبر الله اکبر خربت خیبر انآ اذا نزلنا بساحة قوم فسآء صباح المنذرین

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو ہم سے لوٹ مار نہ کرواتے

تھے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، اور آپ انتظار کرتے۔ اگر اذان سن لیتے، تو ان لوگوں (کے قتل) سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، ہم خیبر کی طرف (جہاد کو) نکلے تو ہم رات کو ان کے قریب پہنچے، جب صبح ہو گئی، اور آپ نے اذان نہ سنی، تو سوار ہو گئے، اور میں ابوطلحہؓ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا پیر نبی کریم ﷺ کے پیر کو چھو رہا تھا، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ خیبر کے لوگ اپنے تھیلے اور پھاوڑے لئے ہوئے ہماری طرف آئے اور جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو کہنے لگے کہ "محمد اللہ کی قسم محمد اور اس کا لشکر" (آ گئے) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ان کو رسول خدا ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، کہ اللہ اکبر! اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا، بے شک جب ہم کسی قوم کے میدان میں (بقصد جنگ) اترتے ہیں، تو ان ڈرائے ہوؤں کی صبح خراب ہو جاتی ہے:۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ جس طرح اسلام کا اظہار قول اور شہادت توحید و رسالت سے ہوتا ہے، اسی طرح ہمارے نزدیک عمل سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ کسی کافر اصلی کو اگر اذان پڑھتے سنیں گے خواہ وہ شہادتین ادا نہ کر رہا ہو تب بھی اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا، پھر جب تک اس سے کوئی کفر کا عمل نہ دیکھیں گے اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے۔ نماز کے بارے میں اختلاف ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ پڑھتے دیکھا تو اس کو بھی قتل کرنا جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ وجہ یہ کہ اذان قولی شہادت ہے اور یہ عملی۔ لہٰذا شبہ پڑ گیا جو نماز جماعت کی وجہ سے رفع ہو گیا۔

قوله و ان قدمی لتمس قدم النبی علیه السلام

حضرتؒ نے فرمایا کہ پہلے بخاری ص۵۳ میں بجائے قدم کے فخذ روایت کیا گیا ہے، اور وہاں بحث ہو چکی ہے، انوار الباری ص۱۶۵/۹ میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

باب ما یقول اذا سمع المنادی

(اذان سنتے وقت کیا کہنا چاہئے)

۵۸۱: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن عطآء بن یزید اللیثی عن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال اذا سمعتم الندآء فقولوا مثل مایقول المؤذن

۵۸۲: حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام عن یحییٰ عن محمد بن ابراهیم ابن الحارث قال حدثنی عیسیٰ بن طلحة انهٗ سمع معاویة یوماً فقال بمثله الیٰ قوله واشهد ان محمداً رسول الله

۵۸۳: حدثنا اسحٰق قال حدثنا وهب بن جریر قال حدثنا هشام عن یحیی نحوهٗ قال یحییٰ و حدثنی بعض اخواننا انهٗ قال لما قال حی علی الصلوٰة قال لاحول ولاقوة الا بالله و قال هٰکذا سمعنا نبیکم صلے الله علیه وسلم یقول

ترجمہ۵۸۱: حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب تم اذان سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح مؤذن کہہ رہا ہو

ترجمہ۵۸۲: حضرت عیسیٰ بن طلحہ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے ایک دن حضرت معاویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے **اشهد ان محمداً رسول الله** تک اسی طرح کہا، جس طرح مؤذن نے کہا:۔

ترجمہ۵۸۳: یحییٰ اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اور یحییٰ کا بیان ہے کہ مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے بیان کیا، کہ مؤذن نے جب **حی علی الصلوٰة** کہا تو معاویہؓ نے **لاحول ولا قوة الا بالله**، کہا، اور کہا، کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اسی طرح کہتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ جواب اذان میں تین صورتیں ہیں، بعینہ وہی کلمات ادا کرے جو مؤذن کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ پر لاحول پڑھے اور حی علی الفلاح پر بھی۔ باقی کلمات مؤذن کی طرح کہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح پر یہ کلمات بھی کہے اور لاحول بھی پڑھے۔ اس قول کو شیخ ابن ہمام حنفیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کو انہوں نے بعض مشائخ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، غالباً مراد حضرت شیخ اکبرؒ ہیں، جن کے وہ معتقدین میں سے ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے تقریباً پندرہ سال تک اسی پر عمل کیا، پھر مجھے اس امر کے لئے انشراح ہوا کہ شارع کا مقصد تخییر ہے، جمع نہیں، اور یہی دوسرے اذکار میں بھی سنت ہے، کہ اذکار ماثورہ میں سے کبھی کسی کو اختیار کرلے اور کبھی دوسرے کو، لہٰذا جمع کا قول صرف شیخ اکبرؒ کا ہے، جس کو ابن ہمام نے بھی اختیار کیا ہے۔ حافظؒ نے علامہ محدث ابن المنذرؒ سے نقل کیا کہ شاید یہ اختلاف اباحت کا ہو کہ کبھی حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح پر مؤذن کی طرح ان ہی کو دہرا دے اور کبھی ان دونوں کو سن کر لاحول پڑھے، (فتح الباری ص۶۱/۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک حدیث[1] میں یہ بھی مروی ہے کہ حضور علیہ السلام مؤذن کی شہادت سن کر وانا وانا فرمایا کرتے تھے۔

ان متعدد روایات مختلفہ سے حضرت کا رحجان یہی ہوا کہ شارع کی طرف سے تخییر کا اشارہ ہے، اور مولانا عبدالحئیؒ نے السعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) میں حافظ ابن تیمیہؒ کی رائے بھی منہاج السنہ سے اسی کے موافق نقل کی ہے، ان کی تعبیر یہ ہے کہ جہاں احادیث میں مختلف وجوہ ماثور ہیں، وہاں کبھی تو اختلاف تضاد کا ہوتا ہے اور کبھی اختلاف تنوع کا ہوتا ہے، تنوع کی صورت میں تخییر ہوگی کہ ہر روایت پر عمل درست ہوگا، تضاد کی صورت میں ایک پر عمل جائز اور دوسرے پر نادرست۔

اختلاف تنوع میں قراءت کا اختلاف، تشہد کا تنوع، صفات استعاذہ کا تعدد، انواع ادعیہ و اذکار، اور نماز نفل میں قیام و تعوذ وغیرہ ذکر کی ہیں۔ البتہ حافظ ابن تیمیہ نے ادعیہ (اذکار ماثورہ متنوعہ میں یہ تفرد کیا ہے کہ جمع بین الاذکار والادعیہ کو وہ خلاف سنت کہتے ہیں، حالانکہ جب وہ سب باوقات مختلفہ حضور اکرم ﷺ سے ماثور ہیں تو ان کو ایک جگہ اور ایک وقت میں جمع کرنا بدعت کیسے ہو جائے گا۔

بدعت وسنت کا فرق

فتح الملہم ص۴۰۶/۳ میں حدیث "کل بدعۃ ضلالۃ" کے تحت نہایت مفید بحث درج ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہاں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے، کیونکہ حدیث "من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا" سے ثابت ہوا کہ نیا طریقہ حسن بھی ہوتا ہے جیسے حضرت ابوبکر و عمرؓ کا جمع قرآن وغیرہ علامہ نوویؒ نے لکھا شرعاً بدعت ہر وہ فعل ہے، جس کی کوئی اصل عہد نبوت میں نہ ملتی ہو، اور کل بدعۃ ضلالۃ عام مخصوص ہے اسی لئے شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے آخر کتاب القواعد میں لکھا کہ بعض بدعت واجب ہوتی ہیں جیسے علم ونحو کا سیکھنا فہم کلام اللہ کے لئے، یا علم اصول فقہ، علم کلام، فن جرح و تعدیل کا حاصل کرنا۔ بعض بدعت حرام ہیں، جیسے جبریہ، قدریہ، مرجئہ، مجسمہ کے نظریات کہ ان کا رد بھی بدعات واجبہ میں سے ہے کیونکہ حفاظت شریعت فرض کفایہ ہے۔ بعض بدعت مستحب ہیں، جیسے سرحدات دارالاسلام یا مدارس اسلامیہ کا قائم کرنا اور دوسری وہ سب بہتر مفید چیزیں جو صدر اول میں نہ تھیں جیسے نماز تراویح عام جماعت کے ساتھ اور دقائق صوفیہ میں کلام وغیرہ بعض بدعات مکروہ ہیں جیسے مساجد کی تزیین یا مصاحف کی تزویق، عندالشافعیہ، (وہ عندالحنفیہ مباح ہیں) بعض بدعات مباح ہیں، جیسے نماز صبح و عصر کے بعد مصافحہ عندالشافعیہ (عندالحنفیہ مکروہ ہے) یا جیسے طعام ولباس و

---

[1] اس موقع پر فیض الباری ص۱۶۲/۲ میں مسلم ص۱۶۷ کا حوالہ حضرتؒ کی طرف غلط منسوب ہوا ہے، کیونکہ حضرتؒ نے صرف ایک حدیث کا حوالہ بغیر نام کتاب کے دیا تھا، اور وہ حدیث مسلم میں نہیں بلکہ ابوداؤد ص۷۷/۱ میں ہے۔ اگر مؤلف فیض الباری ضبط میں غلطی نہ کرتے یا پھر مراجعت کرکے حوالہ کی تخریج کر لیتے تو یہ غلطی حضرتؒ کی طرف منسوب نہ ہوتی۔ واللہ المستعان (مؤلف)

. مساکن کے تکلفات وتوسعات امام شافعیؒ کا ارشاد یہ ہے کہ جونئی چیزیں کتاب، سنت، اثر و اجماع کے مخالف ہیں وہ بدعت وگمراہی ہیں۔ اور جو بہتر امور ہیں اور ان کے مخالف بھی نہیں ہیں وہ مذموم نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے قیام رمضان کو "نعمت البدعۃ ہذہ" فرمایا تھا، علامہ شاطبی نے شیخ موصوف کی اس تقسیم پر رد وقدح بھی کی۔ جس کی مراجعت علماء کے لئے مفید ہے۔ تاہم علامہ عثمانیؒ نے بطور حاصل بحث کے لکھا کہ اصل الاصول بدعت وسنت کے بارے میں ارشاد نبوی "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد" ہے، اور مراد امر سے دینی ہے، لہٰذا ہر نئی بات رد نہ ہوگی بلکہ صرف وہ امور ہوں گے جو دین میں بطور اضافہ کے ہوں گے، لہٰذا اس سے توسع مطاعم ومراکب وغیرہ امور مباحہ خارج ہوں گے، اور وہ رسول بھی جو علی وجہ التقرب وحصول ثواب نہ ہوں۔ اور ما لیس منہ سے ثابت ہوا کہ جن امور کے لئے کتاب، سنت نبوی، سنت خلفائے راشدین وتعامل سلف یا اجتہاد معتبر میں کوئی اصل نہ ہو صرف وہ بدعت شریعہ میں داخل ہوں گے الخ آگے ص۲/۲۱۰ تک مزید تفصیل وتشریح ہے اور سب ہی لائق مطالعہ ہے۔

لہٰذا آج کل جو سلفی حضرات ہر چیز پر بلا وجہ بدعت وشرک کا حکم لگا دیتے ہیں، وہ درست نہیں، جس طرح اہل بدعت بہت سی رسوم مروجہ غیر شرعیہ کو بھی بدعت سے خارج کرتے ہیں، یہ دونوں طریقے افراط وتفریط کے ہیں۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کا مسئلہ

علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی جلد اول میں دو جگہ اور حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس دعا کو خلاف سنت قرار دیا ہے، فرق یہ ہے کہ علامہ نے امام ومقتدی کے لئے تو دعا بعد الصلوۃ کو خلاف سنت کہا اور کہا کہ اصحاب امام شافعی واحمد نے امام ومقتدی کے لئے بعد نماز کے دعا کو جو لکھا ہے وہ خلاف سنت ہے۔ مگر منفرد کے لئے اس کو خلاف سنت نہیں قرار دیا بلکہ صراحت کر دی کہ اگر منفرد نماز کے بعد دعا کرے گا تو یہ خلاف سنت نہ ہوگا۔ (فتاوی ص۱/۲۰۴)

حافظ ابن قیم نے اگرچہ یہ لکھا ہے کہ جس طرح میرے استاذ ابن تیمیہ نے دعا قبل السلام کو ترجیح دی ہے، میں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر انہوں نے اپنے استاذ کے خلاف دعاء بعد السلام من الصلوۃ مستقبل القبلہ کو خواہ وہ منفرد سے ہو یا امام ومقتدی سے، سب ہی کو خلاف سنت کہا ہے، ملاحظہ ہو فتح الملہم ص۱/۱۷۵، اس فرق کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی،

حافظ کا نقد: آپ نے فتح الباری میں لکھا کہ ابن قیم کا مطلقاً نفی دعا بعد السلام کا دعوے مردود ہے، کیونکہ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو حضور علیہ السلام نے بعد نماز دعا کی تاکید فرمائی تھی، اور خود حضور علیہ السلام سے بھی دعا بعد الصلوۃ مروی ہے حافظ نے ان احادیث کی تخریج وتصحیح بھی کی ہے، پھر دعا میں ہاتھ اٹھانے کو بھی ثابت کیا ہے، اور دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھوں کے پھیرنے کو بھی احادیث سے ثابت کیا ہے اور محدث منذری دہلوی کی تحقیق کا بھی حوالہ دیا ہے (فتح الملہم ص۲/۱۷۵)

واضح ہو ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ غالباً حافظ کو علامہ ابن تیمیہ کے فتاوی نہیں ملے، ورنہ وہ ابن قیم کے ساتھ ان کا بھی رد کرتے، جیسا کہ دوسرے بہت سے عقائد وکلام کے مسائل میں علامہ کا نام لے کر ان کا قوی ومستحکم رد کیا ہے۔ اعلاء السنن ص۳/۱۹۹ تا ۳/۲۱۷ میں وہ سب احادیث جمع کر دی گئی جن سے اجتماعی دعاء بعد الصلوۃ، رفع یدین فی الدعاء، اور مسح الوجہ بعد الدعاء سب امور کا اثبات ہوتا ہے، اور کئی جگہ حافظ ابن قیم کا رد کیا گیا ہے، (ابن تیمیہ کا ذکر ان سے بھی رہ گیا ہے)

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا:۔ ترمذی شریف میں نمازوں کے بعد تسبیح واذکار کا باب باندھا گیا ہے، اور علامہ جزری نے حصن حصین میں، علامہ نووی نے الاذکار میں اور محدث ابن السنی نے بھی عمل الیوم واللیلہ میں بعد نماز کے اذکار جمع کئے ہیں، اور جامع صغیر میں حدیث

ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، لیکن حدیث میں ادبار الصلوۃ ہے، جس کو علامہ ابن تیمیہؒ نے بعد التشہد وقبل السلام پر محمول کیا ہے اوران کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے اندر دعا ہو، بعد نماز کی دعا کے وہ منکر ومخالف ہیں حالانکہ احادیث تسبیح ادبار صلوۃ میں نماز کے بعد ہی کی تسبیحات مراد ہیں کہ **فاذا صلیتم فقولوا سبحان اللہ** الخ وارد ہے۔ اور بخاری کی کتاب الدعوات میں بھی دبر کل صلوۃ اور کتاب الصلوۃ میں خلف کل صلوۃ اور حدیث ابی ذر میں اثر کل صلوۃ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب نماز کے بعد کے لئے ہے، نماز کے اندر سے متعلق نہیں ہے۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد اگر چہ بہ ہیئت اجتماعیہ، ہاتھ اٹھا کر دعا ماثور نہیں ہے، لیکن حضور علیہ السلام سے نافلہ کے بعد تو ثابت ہے، جیسے نماز استسقاء کے بعد اور بیت ام سلیم کی نماز کے بعد۔ دوسرے یہ کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کے لئے قولی ترغیبات بھی حضور علیہ السلام سے ثابت ہیں، لہٰذا اس جیسے معاملہ میں بدعت کا حکم لگا دینا صحیح نہ ہوگا۔ یعنی ہماری موجودہ ہیئت کذائی والی دعا بعد الصلوۃ کو اگر سنت بایں معنی نہ بھی کہیں کہ بعینہ اس کا ثبوت حضور علیہ السلام سے نہیں ہوا تب بھی اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی اصل دین میں موجود ہے اور بدعت وہ ہے، جس کی اصل دین میں موجود نہ ہو۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان دینا بھی خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت نہیں ہے، البتہ اس کے لئے فضیلت وغیرہ کے ارشادات ثابت ہیں، اس لئے اس کو بھی بدعت یا خلاف سنت نہیں کہہ سکتے اور اسی طرح چاشت کی نماز کہ اس کی فضیلت بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہے اگر چہ خود حضور علیہ السلام کے فعل سے اس کا ثبوت کم ہے اسی لئے اس کو بھی بعض لوگوں نے بدعت کہہ دیا ہے۔

لہٰذا اگر فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا التزام بھی کیا جائے تو وہ حضور علیہ السلام کی قولی ترغیبات کے تحت آتا ہے اگر چہ خود اس کو حضور نے کثرت سے نہیں کیا ہے اس کو خوب سمجھ لو۔

ترمذی باب **ما یقول اذا سلم** کے تحت حضرتؒ نے فرمایا کہ شیخ ابن الہمامؒ نے فرض کے بعد متصلا سنن کی ادائیگی کو ترجیح دی ہے اور اذکار کو بعد الرواتب رکھا ہے، اور اذکار ماثورہ کے بارے میں یہ بھی لکھا کہ حضور علیہ السلام سے اذکار بعد الصلوۃ بہ کثرت ثابت ہیں۔ اس لئے بظاہر وہ کبھی کوئی ذکر اختیار فرماتے تھے، کبھی دوسرا، اور ایک وقت میں سب کو جمع نہ فرماتے ہوں گے۔

علامہ بنوری دام فضلہم نے لکھا کہ شیخ ابن ہمامؒ کی تحقیق نقل کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو بھی ان ہی کی تحقیق زیادہ پسند تھی، اور فرض ورواتب کے درمیان فصل اذکار کو مرجوح سمجھتے تھے، بخلاف اس کے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں اذکار کثیرہ ذکر کر کے ان کو قبل رواتب کے اولیٰ قرار دیا ہے، ان کی تحقیق دل کو نہیں لگتی۔ (معارف ص ۳/۱۱۸)

علامہ موصوف نے بھی دعا بعد الصلوۃ کے لئے تنبیہ والفاظ کا عنوان دے کر ۳/۱۲۱ تا ص ۳/۱۲۵ عمدہ دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ روایت کے بعد دعاء ثانی کا جو رواج بعض علاقوں میں ہوگیا ہے وہ ضرور بدعت ہے۔ اس سلسلہ میں اعلاء السنن ص ۳/۱۹۹ و ۳/۲۱۶ بھی مستحق مراجعت ہے۔

اکابر امت حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر میں

اوپر کی بحث میں شیخ ابن ہمامؒ کا ذکر ہوا کہ وہ شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ کے معتقدین میں سے تھے، اس سلسلہ میں حضرتؒ نے فرمایا۔ حافظ ابن حجرؒ شیخ اکبر سے خوش نہیں ہیں اور علامہ ابن تیمیہ تو ان کے شدید مخالف ہیں بلکہ ان پر زندقہ کا حکم لگاتے ہیں لیکن میرے نزدیک شیخ اکبر اکابر امت میں سے ہیں اور علم حقائق میں تو سابق غایت ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ بھی علوم کے بحر مواج ہیں، مگر انہوں نے بہت سے مسائل اصول وفروع میں جمہور امت سے تفرد وشذوذ کیا ہے یعنی ان سب سے الگ مسلک اختیار کیا ہے، حالانکہ حق جمہور ہی کے ساتھ ہے، نیز ان کے مزاج میں حدت وشدت ہے اور اپنی تحقیق کو وحی الٰہی کے برابر سمجھتے ہیں اگر چہ وہ خلاف واقع ہوتی ہے، پھر اپنے کسی بھی مخالف کی پرواہ

نہیں کرتے اگر چہ وہ حق پر ہو۔ یہ لوگوں کے طبقات و مدارج ہیں، کسی میں اعتدال وانصاف کی شان نمایاں ہوتی ہے جیسے شیخ تقی الدین بن دقیق العید، علامہ ابن عبدالبراور زیلعی حنفی وغیرہ بعض میں انتہائی تیقظ اور بیدار مغزی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی شدت تعصب بھی جیسے حافظ ابن حجرؒ اوران کی فتح الباری میں حوالے بھی غلط ہوتے ہیں۔ تاہم وہ بڑے محدث اور محقق ہیں، بلکہ حافظ الدنیا کہلانے کے بجا مستحق۔

علامہ سیوطی وذہبی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں محدث تھے مگر معقول سے عاری تھے۔ حالانکہ فلسفہ کا علم بھی ضروری ہے اور پہلے صوفیاء سب حاذق تھے فلسفہ کے۔ امام غزالی عارف محقق ہیں مگر حدیث میں کمی ہے اور فلسفی بھی کامل نہیں ہیں۔

علامہ سبکی علم عقائد واصول میں بڑا پایہ رکھتے ہیں اوران کی کتاب شرح عقائد ماتریدیہ مل جائے تو بہت ہی اچھی کتاب ہے، اس میں انہوں نے ماتریدیہ واشاعرہ کے اختلاف کو کم کیا ہے اور بعض اختلافات کو نزاع لفظی کی طرف راجع کیا ہے۔ وہ علامہ ابن تیمیہ سے ہر علم میں آگے تھے۔ (انہوں نے ابن تیمیہ کا رد بھی کیا ہے)۔

علامہ سبکی م ۷۵۶ھ مصر میں علماء کے مرکز تھے، علامہ صفدی نے کہا کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام غزالی کے بعد سبکی جیسا عالم پیدا نہیں ہوا، میرے نزدیک یہ کہہ کر لوگ سبکی پر ظلم کرتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں سفیان ثوری کے درجہ میں تھے، علامہ چاروں فقہی مسالک سے یکساں باخبر تھے، آپ نے مسئلہ زیارۃ نبویہ پر علامہ ابن تیمیہ کے رد میں ''شفاء السقام'' اور نونیہ ابن قیم کے رد میں ''السیف الصیقل'' لکھ کر علم وتحقیق کی شان دوبالا کی ہے، اور بہت سے اصول وعقائد پر لاثانی کلام کیا ہے۔

فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں نے امت کو بہت ضرر پہنچایا ہے، کیونکہ ان سے اغلاط فاحشہ ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان علامہ ابن قیم م ۷۵۱ھ گذرے ہیں، جنھوں نے بہت اہم مفید علمی کتابیں لکھیں، لیکن خاص طور سے ایک کتاب فقہ میں اعلام الموقعین لکھی، جس میں ائمہ مجتہدین خصوصا امام اعظمؒ اوران کی فقہ کے خلاف نہایت مضر اور زہریلا مواد فراہم کیا، جس سے دور حاضر کے غیر مقلدین نے تفریق کلمہ مسلمین کا کام لیا، حالانکہ علامہ ابن قیم نے وہی اعتراضات نئے سرے سے اٹھائے ہیں جو محدث ابن ابی شیبہؒ نے سینکڑوں سال قبل اپنی مصنف میں ذکر کئے تھے اوران کے محدثانہ ومحققانہ جوابات بار بار دیئے جا چکے تھے، بلکہ بقول علامہ کوثریؒ کے ان اعتراضات کو جو محدث موصوف نے بڑی متانت اور ادب وتہذیب کے ساتھ پیش کئے تھے، علامہ ابن قیم نے ان کو نہایت ہولناک بلکہ رعد وبرق بنا کر انتہائی غیر مہذب لب ولہجہ میں ذکر کیا ہے، یہ درحقیقت خود ان کا اپنا خالص جذباتی اور متعصبانہ رویہ تھا یا دوسرے کے کاندھے پر بندوق رکھ کر نشانہ بازی کی مشق تھی جس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ خصوصا جبکہ ان میں اکثر اعتراضات ایسے تھے کہ علم حدیث کا ایک اچھا طالب علم بھی ان کا دفعیہ آسانی سے کرسکتا ہے اور صرف ان کا عشر عشیر ہی ایسا تھا کہ بڑے محدثین ان کا جواب دے سکتے تھے، اور وہ جوابات بھی اکابر محدثین دے چکے تھے، پھر علامہ کوثری نے ان جوابی تالیفات کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے (ص ۱۵۸ حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ افسوس ہے یہ کتاب بغیر کسی جوابی تالیف کو حاشیہ بنانے کے شائع کی گئی اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے ہندوستان میں شائع کیا گیا، جس کو مولانا آزاد کی تائید حاصل تھی، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ایسی کوئی بھی علمی خدمت مفید ہوسکتی ہے بلکہ ہمارے نزدیک ایسی چیزوں سے بجائے جمع کلمہ کے تفریق بین المسلمین کی راہیں کھلتی ہیں۔ جن کا سدباب ضروری ہے۔ واللہ الموفق۔

احقر نے پہلے کسی جگہ دو بڑوں کے فرق کے عنوان سے لکھا تھا کہ علامہ ابن تیمیہ فقہ حنفی کے لئے کم سے کم متعصب ہیں جبکہ ان کے تلمیذ خصوصی ابن قیم فقہ حنفی کے حق میں غالی متعصب اور تقلید ائمہ مجتہدین کے حد سے زیادہ مخالف ہیں۔ پھر یہ کہ انہوں نے اپنے قصیدہ نونیہ میں جمہور سلف کے عقائد سے بھی انحراف کیا ہے۔ فلیتنبہ لہ۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہمارے اکابر دیوبند میں نہایت عظیم وجلیل شخصیت تھے، اور علوم وحقائق کے بحر ناپیدا کنار، ہمارے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی علمی تحقیقات بڑی عظمت و اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، مگر بعض چیزوں پر نقد فرماتے تھے، مثلاً فرمایا کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے بالذات و بالعرض کو ہر کتاب میں چھیڑا ہے اور بالعرض کے علاوہ مجاز اور واسطہ فی العروض کا لفظ بھی اطلاق کیا ہے، چنانچہ صلوٰۃ مقتدین کو مجازاً اور صلوٰۃ امام کو بالذات کہا، نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کو بالذات کہا اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بالعرض کہا ہے، اس پر کسی عالم نے اعتراض بھی کیا کہ پھر تو اور انبیاء کی نبوت ہی نہ رہی، مجھ سے حضرت الاستاذ مولانا محمود حسن صاحبؒ نے بیان کیا تو میں نے یہی کہا کہ اعتراض تو قوی ہے باقی ختم نبوت کا انکار مولاناؒ کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا کیونکہ مولانا نے خود لکھدیا کہ ختم زمانی کا انکار مجمع علیہ ہونیکی وجہ سے کفر ہے۔ اس پر مولانا خاموش ہو گئے، غرض میری رائے ہے کہ بالذات و بالعرض کے الفاظ خواہ منطقی اصطلاح ہے یا اور وجہ سے، مناسب نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سب مستقل ہیں اور ایک نوع ہے خدا کے یہاں اصطفاء کی، اور سب انبیاء اس کے افراد ہیں، باقی فرق مراتب اور فضیلت جزئی کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس عنوان کی دوسری اقساط آئندہ کسی موقع پر پیش ہوں گی۔ ان شاء اللہ

نماز چاشت: اشراق کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ کے ثبوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر علامہ ابن تیمیہ نے اس کی احادیث میں صبح کی سنت و فرض مراد لی ہیں، جو محدثین کے خلاف ہے، کیونکہ ابوداؤد، ترمذی، داری وغیرہ نے تو باب بھی ضحیٰ کے نام سے باندھا ہے، اور یہ وقت لغۃً وعرفاً و شرعاً خوب دن چڑھنے کا ہوتا ہے، اس کو صبح کی نماز پر محمول کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ بخاری، مسلم، مسند احمد، حاکم، ترمذی، ابن ابی شیبہ وغیرہ کی احادیث خود علامہ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں ذکر کی ہیں، جن میں صلوٰۃ الضحیٰ کی فضیلت بیان ہوئی ہے، پھر بھی وہ اپنی اور اپنے استاذ ابن تیمیہ کی ضعیف ترین رائے کو اونچا دکھانے کی سعی ناکام کرتے ہیں۔

پوری بحث معارف السنن ص ۲۶۶/۴ سے دیکھی جائے۔ صلوٰۃ الضحیٰ کے لئے فتاوٰی ابن تیمیہ ص ۱۸۵/ الطبع مصر بھی دیکھا جائے، جس میں انہوں نے صلوٰۃ الضحیٰ کے غیر مسنون ہونے کو اختیار کیا ہے، اور اس کو صرف جائز نفل کے درجہ میں کر دیا ہے۔

جبکہ جمہور حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ مندوب و مستحب کے درجہ میں ہے اور اکثر شافعیہ کے نزدیک سنت کے درجہ میں ہے۔ (معارف ص ۲۶۷/۴)

ابن جریر طبریؒ نے لکھا کہ اس کی احادیث حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور ابن العربی نے فرمایا کہ یہ نماز (چاشت والی) حضور علیہ السلام سے قبل انبیاء علیہم السلام پڑھتے تھے، صحیح ابن خزیمہ میں بھی اس کی فضیلت ہے۔ وہی ابن خزیمہ جن کی اتباع علامہ ابن تیمیہ نے بہت سے عقائد میں کی ہے، جبکہ وہ ایک بڑے محدث ضرور تھے۔ مگر علم عقائد و اصول میں درک نہ رکھتے تھے اور اسی لئے غلطیاں کی ہیں۔ اور علامہ ابن تیمیہ نے ان پر اصول و عقائد کے بارے میں اعتماد کرنے کی وجہ سے بھی زیادہ غلطیاں کی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مندوب و مسنون کا فرق

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ مندوب بھی مسنون کا ہی کم درجہ ہے، یعنی مندوب فقہاء اس کو کہتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی ترغیب یا احیاناً فعل سے ثابت ہو، اور جو حضور علیہ السلام کے اکثری فعل یا تاکد سے ثابت ہو وہ مسنون ہے، لہٰذا محدثین وائمہ کے نزدیک جو نفل بدرجہ ندب قرار پائی اس کو صرف تطوع جائز و مباح کے درجہ میں کر دینا یہ علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کی خصوصی رائے ہے۔ نیز انہوں نے جس طرح بدعت و سنت کا فیصلہ بہت سے مواضع میں کیا ہے، وہ جمہور سلف و خلف کے مخالف ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق مزید

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ دعاء بعد الصلوات المکتوبہ میں جو حضور علیہ السلام سے اجتماعی اور رفع یدین کے ساتھ ثبوت نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے تمامی اوقات ذکر و اوراد میں مشغول تھے، اور آپ کی دعائیں آپ کے اذکار و اوراد سے الگ نہ تھیں، اسی لئے آپ نے جب کسی مقصد کے لئے ہی دعا کا ارادہ فرمایا تو اس وقت آپ نے اجتماعی طور سے بھی دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر بھی کی ہے۔ جیسے

استسقاء کی نماز کے بعد یا بیت ام سلیم میں نفل نماز جماعت کے بعد فرمائی ہے اور چونکہ آپ نے بعد نماز کے دعا کی ترغیب قولاً بھی دی ہے اور رفع یدین و مسح وجہ کی بھی ترغیب دی ہے، اس لئے اس کی اصل ثابت ہوگئی، لہٰذا پھر بھی اس کو فرض نمازوں کے بعد خلاف سنت یا بدعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیت ام سلیم کی نماز کا ذکر تو بخاری، مسلم وغیرہ سب میں ہے، مگر سب نے اس حدیث کو مختصرا روایت کیا جس میں دعا کا ذکر نہیں ہے، البتہ صرف مسلم میں دعا کا بھی ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے، یہ حضرتؒ کی خاص عادت تھی کہ سارے طرق و روایات پر نظر کر کے فیصلہ فرمایا کرتے تھے، اور آج کل کے حضرات خصوصا سلفی اس کی رعایت نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے اکابر نے بھی اپنی الگ رائے اسی طرح قائم کی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ امام بخاری نے پانچ جگہ ام سلیم والی حدیث ذکر کی، اور ابوداؤد، نسائی، ترمذی نے بھی مختصراً ذکر کیا جس میں دعا بعد الصلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے۔ تو انہوں نے مسلم والی مفصل روایت کو نظر انداز کر دیا۔

حضرتؒ نے توجہ دلائی کہ ان حضرات نے اسی حدیث کو مختصرالیا ہے جس کو مسلم نے تفصیل سے روایت کیا ہے، علامہ ابن تیمیہ نے بھی بہت سے مسائل میں اپنی دلیل میں کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح (یعنی بخاری) میں نہیں ہے، اور اس طرح وہ دوسری مرویات سے قطع نظر کر لیتے ہیں، یا ان کو مرجوح کر دیتے ہیں جس طرح اقوال ائمہ میں سے کسی ضعیف و مرجوح قول کو لے کر اس کو اپنی الگ رائے کے لئے مؤید بنا لیتے ہیں۔ تنبیہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق مذکور سے مدد نہ لیں تو فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا برفع الیدین کا طریقہ خلاف سنت یا بدعت قرار پائے گا، اور علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم اور آج کل کے سلفی حضرات کے طریقہ کو مطابق سنت ماننا پڑے گا البتہ دعاء ثانیہ کا معمول خلاف سنت ہوگا کہ اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ راقم الحروف کی رائے یہ بھی ہے کہ دعاء بعد الفریضہ کے معمول کو بھی احیانا ترک کر دینا چاہیے تا کہ اس کو عوام سنن مؤکدہ اور واجب کی طرح قابل التزام نہ خیال کریں۔ اور مندوب و مسنون و واجب کے درجات اپنی اپنی جگہ محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فقہی نظریات و آراء کو بھی ہمارے حضرات پیش نظر رکھیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان کی رعایت فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ یوفقنا لما یحب و یرضیٰ۔

باب الدعآء عندالنداء

(اذان کے وقت دعا کرنے کا بیان)

۵۸۴: حدثنا علیٰ بن عباشؓ قال حدثنا شعیب بن ابی حمزة عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبداللہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یسمع النداء اللھم رب ھٰذہ الدعوة التامة والصلوٰة القائمة ات محمد ن الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محمود ن الذی وعدته' حلت له' شفاعتی یوم القیٰمة

ترجمہ ۵۸۴: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے۔ **اللھم رب ھذہ الدعوة التامة و الصلوة القائمة ات محمد نالوسیلة و الفضیلة و ابعثة مقاما محمود نالذی وعدته،** تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں ہم بھی یہی کہیں گے کہ اذان کے بعد والی دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں کیونکہ ایسا حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں ہوا، اور دوسری عام احادیث سے جن میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ترغیب وارد ہے، یہاں کی دعا پر استدلال موزوں نہ ہو گا۔ اور اس کا قیاس نماز پر درست نہ ہوگا، کیونکہ وہاں تو ہم بتلا چکے ہیں کہ کئی بار حضور علیہ السلام سے مطلق نماز جماعت کے بعد اجتماعی دعا اور ہاتھ اٹھا کر بھی ثابت ہو چکی ہے اگرچہ وہ نمازیں فرض نہ تھیں جبکہ اذان کے بارے میں اس درجہ کا بھی کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے راقم عرض کرتا

ہے کہ یہ اصول بہت ہی کارآمد ہے مثلاً دعا، عند القبور کے لئے بھی ہاتھ نہ اٹھائیں گے، وغیرہ۔ دعا عند القبور کے جواز پر۔۔۔ پر ہم گیارہویں جلد میں مفصل بحث کر چکے ہیں، علامہ عینیؒ نے لکھا کہ حدیث میں ہے دو وقت دعا قبول ہوتی ہے ایک اذان کے وقت دوسرے جب جہاد کے لئے صفیں آراستہ ہوں۔

باب الستهام فے الاذان ویذکر ان قوماً اختلفوا فی الاذان فاقرع بینهم سعد

(اذان دینے کے لئے قرعہ ڈالنے کا بیان' اور بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اذان (دینے) میں جھگڑا کیا' تو اس کو ختم کرنے کے لئے سعد نے قرعہ ڈالا)

۵۸۵: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن سمی مولیٰ ابی بکر عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لویعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لایجدون الا ان یستھموا علیہ لاستھموا ولو یعلمون ما فی التھجیر لاستبقوا الیہ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما ولو حبواً

ترجمہ ۵۸۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اذان اور صف اول (میں شامل) ہونے کا کتنا ثواب ہے، پھر قرعہ ڈالنے کے بغیر یہ حاصل نہ ہوں، تو ضرور قرعہ ڈالیں۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے، کہ اول وقت نماز پڑھنے میں کیا (ثواب) ہے، تو بڑی کوشش سے آئیں، اور اگر جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (با جماعت ادا کرنے) میں کیا (ثواب) ہے، تو ضرور ان دونوں (کی جماعت) میں آئیں، خواہ گھٹنوں کے بل چل کر ہی آنا پڑے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ قرعہ اگرچہ حجت شرعیہ نہیں ہے، تاہم وہ قطع نزاع اور تطییب خاطر کے لئے ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے۔

بحث ونظر: قرعہ کے مسئلہ میں امام مالک، شافعی واحمد تینوں ایک طرف ہیں کہ وہ شرعی حجت ہے اور امام اعظم آپ کے اصحاب اور بہت سے دوسرے فقہاءِ کوفہ کہتے ہیں کہ قرعہ بطور حکم شرعی منسوخ ہو گیا تھا۔ اور اب صرف حلِ مشکلات، دفعِ نزاع، اور تطییبِ خاطر و دفعِ ظنون کے لئے باقی ہے جبکہ فیصلہ کرانے والے سب برابر حقوق والے ہوں یا مشترکہ چیز کے حصے برابر کر دیئے گئے ہوں، اور حضور اکرم ﷺ جو سفر کے وقت ازواجِ مطہرات کے لئے قرعہ ڈالا کرتے تھے، وہ بھی حکم شرعی نہ تھا، بلکہ تطییبِ خاطر و دفعِ ظنون ہی کے لئے تھا، کیونکہ سفر کے وقت ساتھ لے جانے میں متفقہ طور سے سب کے ہی نزدیک شرعاً آزادی ہے، کسی بیوی کو ساتھ لے سکتے ہیں یا کسی کو بھی نہ لیں۔ اور امام بخاری کا مسلک بھی حنفی مسلک سے موافق معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ نے بخاری میں جتنی جگہ قرعہ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی جگہ بھی بطور حکم شرعی نہیں ہے، بلکہ صرف تطییبِ قلب یا حلِ مشکلات کے لئے ہے۔ (کذا فی لامع الدراری ص ۱\۲۳۹)

محدث ابن ابی شیبہ کا نقد: آپ نے اپنے مصنف میں امامِ اعظمؒ کے خلاف جو ایرادات کئے ہیں، ان میں ایک قرعہ کا مسئلہ بھی ہے جس کے جواب میں علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ امام طحاویؒ نے معانی الاثار ص ۴۲۱ ج ۲ میں اور مشکل الآثار ص ۱\۳۱۸ میں قرعہ بطور حکم کی منسوخی کے دلائل ذکر کر دیئے ہیں اور اپنی مستدل احادیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا کہ بڑی دلیل قمار و مخاطرہ کی حرمتِ صریحہ ہے، کہ قرعہ کو حجتِ شرعیہ باقی رکھنے سے قمار کی طرح اتلافِ حقوق، اور احقاقِ حق بغیر استحقاق کی صورت بن سکتی ہے، اور حضرت علیؓ کا اثر بھی ہے کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے بعد قرعہ کو حجتِ شرعیہ نہیں بنایا۔ وغیرہ

تشغیبِ ابن القیمؒ: علامہ کوثریؒ نے آخر بحث میں یہ بھی لکھا کہ ابن القیم نے ''اعلام الموقعین'' میں حسبِ عادت اس مسئلہ میں بھی حنفیہ کے

خلاف بڑے زور شور سے اخذِ قیاس باطل اور عراض عن السنہ کا اتہام لگایا ہے، حالانکہ ہمارا مسلک حدیثی نقطۂ نظر سے ظاہر و قوی ہے (ص ۱۳ النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ۔

جو لوگ علامہ ابن القیم کی اعلام سے متاثر ہوں، ان کو "النکت" کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، جو نہایت محققانہ و محدثانہ کتاب ہے، وہ نہ صرف محدث ابن ابی شیبہ کا جواب ہے بلکہ علامہ موصوف کی تشغیبات کا رد بھی ہے، اور زمانہ حاضر کے سلفیوں کے زہریلے پروپگینڈے کا تریاق بھی نیز ملاحظہ ہو العرف الشذی ص ۴۵۶ اور انوار المحمود ص ۲\۴۳۷۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ بھی قرعہ کے مسئلہ میں علامہ کی دراز لسانی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ابن القیم نے قرعہ پر بڑی بحث کی ہے، مگر میں ان کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا، بحث تو حکم کی ہے اور وہ دیانت پیش کر رہے ہیں، ہمارے نزدیک بھی قرعہ تطییب خاطر کے لئے ہے، اس سے حکم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر فرمایا کہ عمل میں ہم ہیٹے ہیں لیکن صحیح فہم کے لحاظ سے زیادہ ہی ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ ابن القیم وغیرہ سے قطعاً مرعوب نہ تھے۔

یہاں سے حضرت شیخ الہندؒ کی یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام اعظم کی تفقہ و اجتہاد کی شانِ رفیع اس وقت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی ہے جب تینوں ائمۂ مجتہدین ایک جانب ہوں اور امام صاحب دوسری جانب جس طرح یہاں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله الا ان يستهموا عليه

علیہ کی ضمیر مفرد کا مرجع کیا ہے؟ جبکہ ضمیر تثنیہ کی ضرورت تھی، جواب یہ ہے کہ بتاویل "مذکور" دونوں مراد ہو سکتے ہیں، حافظ نے لکھا کہ محدث عبدالرزاق نے ضمیر تثنیہ ہی ذکر کی ہے، لہٰذا علامہ ابن عبدالبرؒ کی رائے درست نہیں کہ ضمیر مفرد صف اول کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ قریب بھی ہے، علامہ قرطبی نے بھی ان پر اعتراض کیا کہ اس طرح تو اذان کا ذکر بے فائدہ رہے گا (فتح الباری ص ۲\۶۵) حیرت ہے کہ علامہ ابن عبدالبر ایسے یگانہ روزگار محدث سے یہاں چوک ہو گئی۔

باب الكلام فى الاذان و تكلم سليمان بن صرد فى اذانه

وقال الحسن لاباس ان يضحک وهو يؤذن او يقيم

(اذان میں کلام کرنے کا بیان' سلیمان بن صرد نے اپنی اذان میں کلام کیا' حسن (بصری) نے کہا' کہ اذان یا اقامت کہتے وقت ہنس دینے سے ان میں خلل نہیں آتا)

۵۸۶: حدثنا مسدد قال حدثنا حماد عن ايوب و عبدالحميد صاحب الزيدى و عاصم الاحول عن عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم رزغ فلما بلغ المؤذن حى على الصلوٰة فامره ان ينادى الصلوٰة فى الرحال فنظر القوم بعضهم الى بعض فقال فعل هذا من هو خير منه وانها عزمة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جاڑوں میں ابر کے دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے خطبہ پڑھا (کہ اتنے میں اذان ہونے لگی) جب موذن **حى على الصلوٰة** پر پہنچا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ پکار دے، لوگ اپنی اپنی فرودگاہ میں نماز پڑھ لیں (جماعت کے لئے نہ آئیں، یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، حضرت ابن عباس نے کہا کہ یہ اس شخص نے کیا ہے، جو ہم سے بہتر تھا، یعنی نبی علیہ السلام نے اور یہی افضل ہے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ اذان میں بات کرنا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (یعنی خلاف اولیٰ ہی کما ذکرہٗ فی الفتح ص ۲/۶۶) اور اتنا توسع سمجھنا کہ اس میں بات کرنا اور ہنسنا وغیرہ سب درست بلا کراہت ہو، صحیح نہیں ہوتا۔ رزغ کے معنی گارا پھر فرمایا کہ بظاہر حضرت ابن عباس کی حدیث الباب سے یہ معلوم ہوا کہ **حی علی الصلوۃ** پر پہنچ کر مؤذن **الصلوۃ فی الرجال** کہہ دے، مگر حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے پوری اذان سے فارغ ہونے کے بعد یہ کہنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا میرے نزدیک اسی پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بہ نسبت حضرت ابنِ عباسؓ کے اثرِ نبوی کا اتباع زیادہ اور اجتہاد کم کرتے تھے، حدیث الباب کے دوسرے طریق میں یوم جمعہ کی تصریح بھی ہے اور فقہِ حنفی میں بھی بارش گارے کو اعذارِ جمعہ میں گنایا گیا ہے۔ فیض الباری ص ۲/۱۶۹ میں امام محمدؒ کی کتاب الحج کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر راقم کو وہ حوالہ مطبوعہ کتاب الحج چار جلدوں میں نہیں ملا۔ البتہ معارف السنن ص ۴/۳۶ میں امام محمد اور اصحابِ لغت سے نعل بمعنی سخت زمین ذکر ہوا ہے۔ وہاں امامؒ کی کسی کتاب کا نام نہیں ہے۔

درمختار میں بیس عذر ترک جماعت کے ذکر ہوئے ہیں، جن میں بارش کیچڑ، سخت سردی، بوڑھاپا، قصدِ سفر، خوف، بھوک کی حالت میں کھانے کی موجودگی وغیرہ ہیں۔

قولہ وانہا عزمۃ: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز دوسری نمازوں سے ممتاز ہے، کہ اس کی خاص اور زیادہ عظمت واہمیت ہے، اسی لئے وہ گھروں میں دانہ ہوگی، اور بجائے اس کے مجبوری میں ظہر پڑھیں گے، اور حضور علیہ السلام نے اشارہ دیا کہ لوگ باوجود بارش و کیچڑ کے بھی مسجد میں آنا چاہیں گے، لہٰذا اعلان کرا دیا کہ وہ ایسی حالت میں عندالشرع معذور ہیں، گھروں میں نمازیں پڑھیں، اور آپ نے تھوڑے لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنا گوارا فرمایا۔

حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں بہ کثرت مشکل الفاظ حدیث کی تفسیر فرمادی ہے۔ جس سے محدث ابوعبید نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں استفادہ کیا ہے اور دوسرے کبار محدثین اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں (مگر تعصب کا برا ہو کہ امام محمد کو بہت سے متعصب اصحابِ حدیث کی صف میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے، امام شافعیؒ نے برسوں ان کی خدمت میں رہ کر حدیث وفقہ حاصل کی، اور تاریخ کے اس اہم ترین واقعہ کو کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا مگر علامہ ابن تیمیہؒ ایسے محقق نے ان کے تلمذ سے صاف انکار کر دیا، فیاللعجب!)۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ کسی نے دارالعجائب کہا کسی نے دارالاضداد، کسی نے دارالافتراق والاجتماع بتلایا مگر میں اس کو بیت الحمیر کہتا ہوں، کیونکہ گدھے اپنے طویلہ میں کھڑے ہوئے ایک دوسرے پر دولتی چلاتے رہتے ہیں، یہاں جس کو دیکھو ایک دوسرے کو ذلت و تکلیف پہنچانے کے درپے ہے، اسی لئے حضرتؒ کی نظر میں کسی آدمی کی بڑی تعریف و خوبی یہ تھی کہ وہ بے ضرر ہو، کہ اس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص صاف سینہ ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی جس کے دل میں کسی دوسرے کے لئے کینہ کپٹ عداوت وحسد وغیرہ نہ ہو۔

باب اذان الاعمیٰ اذا کان لہٗ من یخبرہٗ

جب کہ نابینا کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جو اسے وقت بتلائے تو اس کا اذان دینا درست ہے

۵۸۷: حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابن شہاب عن سالم ابن عبداللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ ینادی ابن ام مکتوم قال و کان رجل اعمیٰ لاینادی حتیٰ یقال لہٗ اصبحت اصبحت

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، پس تم لوگ کھاؤ، اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھے، وہ اس وقت تک اذان نہ دیتے، جب تک لوگ یہ نہ کہہ دیں کہ صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔

باب الاذان بعد الفجر

(فجر کے (طلوع ہونے کے بعد) اذان کہنے کا بیان)

۵۸۸: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبداللہ ابن عمر قال اخبرتنی حفصة ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف المؤذن للصبح و بدا الصبح صلے رکعتین خفیفتین قبل ان تقام الصلوٰة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ کی عادت تھی کہ جب موذن صبح کی اذان کہنے کھڑا ہوجاتا، اور صبح کی اذان ہوجاتی، تو دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

تشریح: حضرتؒ نے محیط (فقہ حنفی کی کتاب) کے حوالہ سے نابینا کی اذان کو مکروہ بتلایا اور فرمایا کہ اس کو اگر صحیح وقت بتلانے والا ہو تو کراہت بھی نہیں۔ حافظ نے لکھا کہ علامہ نووی نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب کردیا کہ ان کے نزدیک نابینا کی اذان صحیح نہیں، حالانکہ یہ نسبت غلط ہے اور سروجی حنفی نے بھی نووی پر اعتراض کر کے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ البتہ محیط میں کراہت مذکور ہے (فتح الباری ص ۲/۶۷)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے جو علی الاطلاق غیر مکروہ لکھا، وہ بھی مرجوح ہے، کیونکہ علامہ عینی نے بھی بحوالۂ محیط کراہت کا قول ذکر کیا ہے۔ باقی اس کو بھی سب نے مانا ہے کہ کراہت کا سبب عدم مشاہدہ ہے، لہٰذا کوئی مشاہد اگر نابینا کو صحیح وقت کی خبر دے تو کراہت رفع ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۸۹: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحییٰ عن ابی سلمة عن عآئشة رضی اللہ عنہا کان النبی صلے اللہ علیہ یصلی رکعتین خفیفتین بین الندآء والاقامة من صلوٰة الصبح

۵۹۰: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن عبداللہ ابن دینار عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان بلالا ینادی بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ ینادی ابن ام مکتوم

ترجمہ ۵۸۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز صبح کے وقت اذان واقامت کے درمیان میں دو رکعتیں ہلکی سی پڑھتے تھے۔

ترجمہ ۵۹۰: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ بلال رات کو اذان دیتے ہیں، تم لوگ کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ ابن ام مکتومؓ اذان دیں۔

تشریح: امام بخاری نے اذان بعد الفجر کا عنوان مقدم کیا حالانکہ قبل الفجر کا اول ہونا تھا، اور علامہ ابن بطال نے تو اس عنوان کے ذکر پر بھی اعتراض کردیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اذان نماز کے لئے ہوتی ہے اور وہ ہر نماز کا وقت ہوجانے پر ہی دی جاتی ہے۔ لہٰذا طلوع فجر کے بعد اذان دینے کا عنوان ہی لا حاصل ہے، پھر اس بارے میں کوئی اختلاف بھی کسی کا نہیں ہے، مگر جواب یہ ہے کہ اس میں تو اختلاف ہے کہ اگر صبح کی اذان قبل طلوع الفجر دے دی گئی ہو تو پھر اس کا اعادہ بعد طلوع فجر ہونا چاہئے یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ (امام مالک، شافعی واحمد) جو قبل الوقت اذان

فجر کو جائز ومشروع بتلاتے ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وقت ہو جانے پر اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ برخلاف اس کے امام ابوحنیفہ وامام محمد، امام زفر وثوریؒ فرماتے ہیں کہ بقیہ اوقات کی طرح فجر کی اذان بھی قبل الوقت مشروع وجائز نہیں اور اگر کہی گئی تو وقت پر اعادہ کرنا ہوگا۔ عمدہ، فتح اور شرح المہذب میں اسی طرح ہے۔ (معارف ص ۲\۲۱۳)

معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی اعادہ کے قائل اور حنفیہ کے ساتھ ہیں، اسی لئے اذان بعد الفجر کا باب باندھا اور اس کو مقدم بھی کیا کہ اس کی ضرورت واہمیت واضح ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے الفاظ حدیث **کان اذا اعتکف المؤذن** سے بھی غالباً یہی سمجھا ہے کہ مؤذن طلوع صبح کے انتظار میں رہتا تھا کہ جب اچھی طرح صبح کا وقت ظاہر وواضح ہو جائے تو اذان دے اس کے بعد امام بخاری اذان قبل الفجر کو لائے ہیں کیونکہ فی الجملہ ثبوت سے تو اس کے بھی انکار نہیں ہو سکتا، اگر چہ وہ نماز کے لئے نہ تھا، بلکہ نماز کے لئے اٹھنا، ضروریات سے فارغ ہونا، نماز کے لئے تیاری کرنا اور تہجد وسحری کے آخری وقت پر متنبہ کرنا وغیرہ اس کے مقاصد تھے، تاہم وہ اذان قبل الفجر صرف حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رہی، اور خلفائے راشدین کے دور میں اس پر عمل نہ رہا تھا، اور اس سے اس کی عدم سنیت معلوم ہوتی ہے۔ کما حققہ مولانا الگنگوہیؒ (لامع ص ۱\۲۴۱)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اذانِ اوّل (قبل الفجر) پر اکتفاء کرنا جو شافعیہ وغیرہم کا مسلک ہے وہ صحیح نہیں، جس طرح بعض حنفیہ کا اذانِ اول کو فوائد سے خالی سمجھنا بھی درست نہیں، تاہم اصل اذان بعد الفجر والی ہی ہے اور وہی پھر جاری وساری بھی رہی جبکہ اذانِ اول دورِ خلافت راشدہ میں باقی نہ رہی، اس سے حنفیہ ہی کا مسلک قوی تر بن جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کا تعامل اور ان کے آثار بھی قابلِ اقتدا ہیں حتیٰ کہ ان کی وجہ سے دورِ نبوی کے ایک معمول کو بھی ترک کیا جا سکتا ہے، اور امام بخاری اگر چہ اقوال وآثار صحابہ کو حجت نہیں مانتے (اور ان کا اتباع سلفی حضرات بھی کرتے ہیں) مگر یہاں امام بخاری نے بھی آثار صحابہ ہی کو تو حجت سمجھا ہوگا۔ ورنہ اذان بعد الفجر کو اتنی اہمیت نہ دیتے چنانچہ دوسرے ائمۂ ثلاثہ نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اذانِ اول کی مشروعیت وسنیت کے بھی قائل رہے اور اذان بعد الفجر کی ضرورت بھی نہیں مانتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاذان قبل الفجر

(فجر کی) اذان صبح ہونے سے پہلے کہنے کا بیان

۵۹۱: حدثنا احمد بن یونس قال حدثنا زہیر قال حدثنا سلیمان التیمی عن ابی عثمان النہدی عن عبداللہ بن مسعود عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لایمنعن احدکم اواحداً منکم اذان بلال من سحورہ فانہ' یؤذن اوینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم ولیس ان یقول الفجر اوالصبح وقال باصابعہ ورفعہا الیٰ فوق وطاطآ الیٰ اسفل حتیٰ یقول ہکذاوقال زہیر بسبابتیہ احدہما فوق الاخریٰ ثم مدہما عن یمینہ وشمالہ

۵۹۲: حدثنی اسحاق قال اخبرنا ابواسامۃ قال عبیداللہ حدثنا عن القاسم بن محمد عن عائشۃ و عن نافع عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وحدثنی یوسف بن عیسیٰ قال حدثنا الفضل قال حدثنا عبیداللہ بن عمر عن القاسم بن محمد عن عآئشۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ' قال ان بلالایؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتیٰ یؤذن ابن ام مکتوم

ترجمہ ۵۹۱: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص بلال کی اذان سن کر سحری کھانا نہ چھوڑے، اس لئے کہ وہ رات کو اذان کہہ دیتے ہیں، تا کہ تم میں سے تہجد پڑھنے والا فراغت کر لے، اور تا کہ تم میں سے سونے والے کو بیدار کر دیں، اور یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص سمجھے کہ صبح (ہوگئی) اور آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان کو اوپر کی طرف اٹھایا، اور پھر نیچے کی طرف جھکا دیا، کہ اس طرح (یعنی سفیدی پھیل جائے) اور حضرت زہیرؒ نے اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھیں، پھر دونوں کو اپنے داہنے اور بائیں جانب پھیلا دیا (یعنی اس طرح ہر طرف سفیدی پھیل جائے) تب سمجھو کہ صبح ہوگئی:۔

ترجمہ ۵۹۲: حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا، بلالؓ رات میں اذان کہہ دیتے ہیں، للہذا تم ابن ام مکتومؓ کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو:۔

تشریح: اس باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اذان فجر کے طلوع ہونے سے قبل دینا جائز ہے، حالانکہ حدیث الباب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان فجر کی نماز کے لئے ہوتی تھی' بلکہ حدیث صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ یہ اذان سحری اور تہجد کے لئے دی جاتی تھی' اور فجر کی اذان ابن ام مکتومؓ دیا کرتے تھے، جو فجر کے وقت میں ہوتی تھی، چنانچہ سابقہ احادیث میں اس کی تصریح گذر چکی ہے، مناسب یہ تھا کہ اس باب کا عنوان اس طرح مقرر کیا جاتا (فجر سے قبل سحری و تہجد کی بیداری کے لئے اذان دینا، تا کہ اس کا بھی جواز معلوم ہو جاتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہ ضروری نہیں کہ صبح کی دونوں اذانوں کے کلمات متمائز ہوں تا کہ سننے والوں کو اشتباہ نہ ہو کیونکہ امتیاز دو موذنوں کی آوازوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، اور اگر دونوں کے کلمات مختلف ہوتے اور کسی کو اشتباہ بھی نہ ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد "لا یغرنکم اذان بلال" کیوں ہوتا؟!

امام محمدؒ، طحاویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ

حضرت شاہ صاحبؒ نے احادیث اذان قبل الفجر کے بارے میں نہایت عمدہ محدثانہ تحقیق ارشاد فرمائی جو فیض الباری میں بھی ص ۲/۱۷۰ تا ص ۲/۱۷۸ درج ہوئی ہے، اور احقر کی یادداشت میں بھی اسی طرح ہے، اس میں حضرتؒ نے امام طحاوی کی تحقیق کو بہت پسند کیا ہے، للہذا وہ لائق مطالعہ ہے، ہم یہاں بوجہ طوالت درج کرنے سے قاصر ہیں۔ حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ امام طحاوی کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات وغیرہ ہو چکے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاوی کے ہیں اور کسی کے نہیں، میں نے اکثر دیکھا کہ امام طحاوی کی تحقیق کی بنیاد امام محمدؒ کے کلام پر ہوتی ہے، اور بعض اوقات ان کے صرف ایک لفظ ہی پر بنیاد رکھ کر امام طحاوی اس کو پھیلا کر پوری تحقیق قائم کر دیتے ہیں اور اعلیٰ تحقیقات کی نشان دہی جتنی امام طحاوی نے کی ہے اور کسی نے نہیں کی، اور ان کی تقریرات و تائیدات جس قدر میں نے جمع کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام محمدؒ سلف اور امام اعظمؒ کے علوم و کمالات کے جامع تھے، امت محمدیہ کے جلیل القدر محقق و مدقق تھے، آپ کے علوم کی تشریحات امام طحاویؒ نے کیں، اور امام شافعیؒ کی وساطت سے وہ علوم دوسرے ائمہ مجتہدین و محدثین کو بھی حاصل ہوئے، پھر ایک مدت مدید کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے جن کا سلسلۂ نسب بھی امام اعظمؒ کے خاندان سے ملتا ہے، ان علوم و تحقیقاتِ عالیہ محمدیہ و طحاویہ کو سامنے رکھ کر تیس چالیس برس تک ان کے لئے تائیدی دلائل و براہین جمع کئے، اور ان کی شانِ علم و فضل و جامعیت بھی بقول حضرت تھانویؒ ایسی تھی کہ ان کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ مدون ہو سکتا تھا اور بقول حضرت علامہ عثمانیؒ آپ کی گرانقدر علمی تالیفات کی قدر بھی صرف وہی کر سکتا تھا، جس کے سامنے سابقہ اعتراضات و ابحاث ہوں، چنانچہ خود ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے رسالہ ''کشف الستر'' کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس رسالہ کا مطالعہ سترہ بار کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کن کن مشکلات و اشکالات علمیہ کا حل فرما دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد، امام طحاویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ تینوں کی محدثانہ شانِ تحقیق و تدقیق علماء امت میں سے ایک نرالی

شان کی تھی، رسالۂ مذکورہ اور نیل الفرقدین، بسط الیدین و مرقاۃ الطارم کے لئے حضرتؒ نے اپنی یادداشتیں راقم الحروف ہی کو سپرد کی تھیں اور ان کو مرتب شکل میں نقل کر کے، کتابت کرا کر احقر ہی نے مجلسِ علمی ڈابھیل سے شائع کرایا تھا اور اس طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق حضرتؒ کے گھر پر تھے جن سے سینکڑوں مسائل میں مدد مل سکتی تھی، اور آج وہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ و معانی الآثار وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جا سکتی تھیں مگر صد افسوس کہ حضرتؒ کی وفات کے بعد وہ سارا ذخیرہ گھر والوں کی ناقدری سے ضائع ہو گیا، اور حضرتؒ کی کتابیں بھی جن پر حضرتؒ کے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے قیمتی حواشی بھی تھے، فروخت کر دیئے گئے، لہٰذا حضرتؒ کے تلامذہ مجبور ہو گئے کہ صرف املائی افادات کو بنیاد بنا کر کچھ لکھ پڑھ سکیں، میرے ساتھ ہی دو سال تک مولانا بدر عالم صاحب بھی درسِ بخاری شریف میں شرکت کرتے اور حضرتؒ کے امالی ضبط کرتے تھے، اور مجھے اس کا خیال و وہم بھی نہ تھا کہ کسی وقت میں اپنے امالی سے کچھ کام لے سکوں گا۔

احقر نے ہی حضرتؒ کے بعد مولانا موصوف سے "فیض الباری" مرتب کرائی تھی، مگر جب وہ سامنے آئی تو خلافِ توقع ثابت ہوئی، اسی لئے انوار الباری میں حوالوں کی مراجعت اور اپنے امالی کے ذریعہ تصحیح مضامین کی سعی حسب مقدور کرتا ہوں، دوسرا کام ترمذی شریف پر مجلس علمی ڈابھیل سے ہی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری دام فضلہم و عم فیضہم سے شروع کرایا گیا تھا اور خدا کا شکر ہے وہ جتنا ہوا ہے۔ اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کی علمی و تحقیقی شان بڑی حد تک نمایاں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی صحت و عافیت قرار رکھ کر اس عظیم خدمت کو پورا کرائے۔ آمین وما ذٰلک علی اللہ بعزیز

باب کم بین الاذان والاقامة

(اذان و اقامت کے درمیان میں کتنا فصل ہونا چاہیے)

۵۹۳: حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد عن الجریری عن ابن بریدہ عن عبداللہ بن مغفل المزنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بین کل اذانین صلوٰۃ ثلاثا لمن شآء

۵۹۴: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبة قال سمعت عمرو بن عامر ن الانصاری عن انس بن مالک قال کان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبتدرون السواری حتیٰ یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ھم کذٰلک یصلون رکعتین قبل المغرب ولم یکن بین الاذان والاقامة شی وقال عثمان بن جبلة وابو داؤد عن شعبة لم یکن بینھما الا قلیل

ترجمہ ۵۹۳: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو دو اذانوں کے درمیان میں ایک نماز کے برابر فصل ہونا چاہئے۔

ترجمہ ۵۹۴: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب مؤذن اذان کہتا تھا، تو کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ستونوں کے پاس چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ تشریف لاتے اور وہ اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے ہوتے تھے، اور اذان اور اقامت کے درمیان میں کچھ فصل نہ ہوتا تھا، اور عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد شعبہ سے ناقل ہیں کہ ان دونوں کے درمیان بہت ہی تھوڑا فصل ہوتا تھا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: حنفیہ کے نزدیک اذان و اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ ایک شخص اپنی ضرورت بول و براز کی پوری کر کے نمازِ جماعت میں شریک ہو سکے، اور ترمذی شریف میں حدیث بھی ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے کہ اذان و اقامت میں اتنا فصل ہونا چاہئے کہ کھانے والا کھانے سے اور پینے والا اس سے اور بول و براز والا اپنی حاجت سے فارغ ہو سکے۔ البتہ مغرب کی نماز میں

عجلت بہتر ہے، اسی لئے بعض صحابہ سے جو منقول ہے کہ وہ فرضِ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے، اس کو عام کتب حنفیہ میں مکروہ کہا گیا ہے، لیکن شیخ ابن ہمام نے ان کو مباح قرار دیا ہے اور یہی بہتر و معتمد قول ہے، امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ مختصر ہلکی دو رکعت پڑھ لے، امام احمد نے ثبوت کی رعایت سے صرف ایک بار پڑھی ہیں، کمافی العمدہ، اس میں حافظ کو غلط فہمی ہوگئی کہ امام احمد نے ایک بار پڑھی تھی پھر جب حدیث پہنچی تو مستقل طور سے پڑھنے لگے۔

روایت المعنیٰ: حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیثِ مرفوع تو عام ہی ہے کہ ہر اذان و اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے، پھر دوسری روایات میں مغرب کا استثناء بھی آیا ہے، مگر راوی نے مغرب کو بھی حدیثِ عام کے تحت سمجھا اور حدیث کو روایت المعنیٰ کے طور پر نقل کر دیا۔ جس میں مفہوم و معنی حدیث کو راوی بیان کرتا ہے دوسری صورت روایت بالمعنیٰ کی ہوتی ہے کہ اس میں راوی الفاظ حدیث کو بھی ذہن میں رکھتا ہے، اور ان کی رعایت کر کے روایت بالمعنیٰ کرتا ہے، لہٰذا روایت المعنیٰ اور روایت بالمعنیٰ کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

حضرتؒ نے فرمایا:۔ مذہب منصور، مذہب جمہور ہی ہے، جس کو امام نووی نے بھی مان لیا ہے، لیکن عجیب بات ہے کہ علامہ نووی نے اس امر کو تسلیم کر کے بھی کہ خلفائے اربعہ اور دیگر صحابہ کا عمل ترکِ رکعتین قبل المغرب کا تھا امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے عدل و انصاف کا طریقہ یہ نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس کو منسوخ کہا ہے، مگر میرے نزدیک اس کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ایک زمانہ میں صحابہ نے دو رکعت مغرب سے قبل پڑھی ہیں، لیکن پھر یہ عمل چھوٹ گیا اور ترک ہی پر تعامل ہو گیا۔ نسخ کی صورت میں اس کی مشروعیت ختم ماننی پڑتی ہے۔ عمل نہ رہا تو یہ نسخ و عدم مشروعیت کو مستلزم نہ ہوگا۔

ہمارے حضرتؒ کی رائے "نسخ" کے لئے کم سے کم تھی، اور وہ اسی طرح بہت سے مسائل میں...... رائے رکھتے تھے یعنی مشروعیت فی نفسہا باقی رکھ کر ترکِ عمل کا فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حاشیۂ لامع الدراری ص ۱\۲۴۲ میں ہے کہ حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے اسناد حدیثِ ترمذی کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس پر شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا کہ میرے نزدیک اوجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے تقویۃ معنی حدیث الترمذی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

باب من انتظر الاقامة

(اس شخص کا بیان جو اقامت کا انتظار کرے)

۵۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی عروة بن الزبیر ان عآئشة رضی الله عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سکت المؤذن بالاولیٰ من صلوٰة الفجر قام و رکع رکعتین خفیفتین قبل صلوٰة الفجر بعد ان یستبین الفجر ثم اضطجع علیٰ شقه الایمن حتیٰ یاتیه المؤذن للاقامة

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ (کی یہ عادت تھی کہ) جب مؤذن فجر کی اذان کہہ کر چپ ہو جاتا، تو آپ فجر کے فرض سے پہلے بعد صبح ہو جانے کے دو رکعتیں ہلکی سی پڑھ لیتے تھے، پھر اپنے بائیں پہلو پر آرام فرماتے تا آنکہ مؤذن اقامت کے لئے آپ کے پاس آتا (پھر آپ اٹھ جاتے)۔

تشریح: یعنی اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھ کر اقامت کا انتظار کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ حافظ نے بھی لکھا کہ امام بخاری نے یہ بتلایا کہ اقامت کا انتظار امام ہی کے لئے خاص نہیں، کیونکہ مقتدی کو بھی صف اول کا ثواب حاصل کرنا ہے لہٰذا وہ بھی اگر گھر قریب ہو تو اقامت سن کر مسجد میں جا سکتا ہے۔

باب بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شآء

(اگر کوئی چاہے تو ہر اذان واقامت کے درمیان نماز پڑھ سکتا ہے)

۵۹۶ - حدثنا عبدالله بن یزید قال حدثنا کهمس بن الحسن عن عبدالله بن بریدة عن عبدالله بن مغفل قال قال النبی صلی الله علیه وسلم بین کل اذانین صلوٰة بین کل اذانین صلوٰة قال فی الثالثۃ لمن شآء

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفلؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:۔ دو اذانوں (یعنی اذان واقامت) کے درمیان ایک نماز ہے (دو مرتبہ یہی فرمایا) تیسری مرتبہ فرمایا اگر کوئی پڑھنا چاہے۔

تشریح: علامہ عینی نے لکھا کہ اس میں تکرار نہیں ہے، کیونکہ پہلے اجمالی بیان مضمون حدیث الباب کا ہوا تھا، یہاں حدیث کا مکمل مضمون درج ہوا ہے۔ شیخ الحدیث نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بتلایا کہ روایت کے بارے میں قولی وفعلی روایات سے وجوب نہ سمجھا جائے، کیونکہ لمن شاء وارد ہے۔

باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد

کیا سفر میں ایک ہی مؤذن کو اذان دینی چاہئے (یعنی جس طرح حضر میں دو مؤذنوں کا اذان
دینا درست ہے، کیا یہ بات سفر میں بھی درست ہوگی؟)

۵۹۷: حدثنا معلی بن اسد قال حدثنا وهیب عن ابی ایوب عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فی نفر من قومی فاقمنا عنده عشرین لیلة وکان رحیماً رفیقاً فلما رای شوقنا الیٓ اهلینا قال ارجعوا فکونوا فیهم وعلمو هم وصلوا فاذا حضرت الصلوة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس یوم تک مقیم رہا، ہم نے آپ کو نہایت رحم دل اور مہربانی کرنے والا پایا (چنانچہ اتنا عرصہ مقیم رہنے کے بعد) جب آپ نے ہمارا) اشتیاق اپنے گھر والوں کی طرف محسوس کیا تو ارشاد فرمایا کہ تم لوٹ جاؤ، اور اپنے گھر والوں میں رہو، اور انہیں (دین کی) تعلیم دو۔ اور نماز پڑھا کرو جب نماز کا وقت آ جایا کرے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دیا کرے اور تم سب میں بزرگ آدمی تمہارا امام ہوگا۔

تشریح: آپ کے رحم دل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ ہم اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہماری خواہش ظاہر کئے بغیر از خود اجازت دے دی۔

اس میں جہاں ترجمۃ الباب کا مضمون ثابت ہوا یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرام ﷺ کتنے بڑے رحم دل تھے، جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہیں تو فوراً ہی ان کی خواہش وطلب کے بغیر خود ہی اجازت دے دی۔

باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة والاقامة وکذٰلک بعرفة وجمع وقول المؤذن الصلوٰة فی الرجال فی لیلة الباردة او المطیرة

(مسافر کے لئے اگر جماعت ہو تو اذان واقامت کہنے کا بیان اور اسی طرح مقام عرفات اور مزدلفہ میں بھی اور سردی والی رات یا پانی برسنے کی رات میں مؤذن کا یہ کہنا کہ الصلوٰة فی الرحال (نماز اپنی قیام گاہوں میں پڑھ لو)

۵۹۸: حدثنا مسلم بن ابراھیم قال حدثنا شعبة عن المھاجر ابی الحسن عن زید بن وھب عن ابی ذر قال کنا مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن فقال لہ' ابرد ثم اراد ان یوذن فقال لہ' ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال لہ' ابرد حتیٰ ساوی الظل التلول فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان شدة الحر من فیح جھنم

ترجمہ۵۹۸: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ ہم کسی سفر میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے مؤذن نے (ظہر کی) اذان دینی چاہی آپ نے اس سے فرمایا کہ (ابھی ذرا) ٹھنڈ ہو جانے دو، پھر اس نے چاہا کہ اذان دے آپ نے پھر اس سے فرمایا، کہ (ابھی ذرا اور) ٹھنڈ ہو جانے دو، یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہوتی ہے۔

تشریح: حدیث نمبر۵۹۸ مذہب حنفی کی قوی مؤید ہے کہ موسم گرما میں ٹھنڈے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن احادیث میں آفتاب ڈھل جانے کے فوراً بعد حضور ﷺ کا ظہر کی نماز ادا فرمانے کا ذکر آیا ہے، اور یہ بھی ذکر آیا ہے کہ بعض صحابہ گرمی کی شدت کی بنا پر اپنے کپڑے کو بچھا کر سجدہ کرتے تھے، وہ احادیث ابتداءِ حالات کی ہیں، کیونکہ حدیث ہذا میں مؤذن کا اذان دینے کا ارادہ کرنا، اور حضور ﷺ کا روکنا، پھر اور پھر یہ بتا رہا ہے کہ مؤذن نے مدینہ کے سابقہ عمل کے پیشِ نظر یہاں بھی عمل کرنا چاہا، اسی وجہ سے حضور انور نے منع فرمایا اور بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد سے حضور کا عمل یہی ہوگیا ہو، کہ موسم سرما میں اول وقت میں ادا فرماتے ہوں اور گرمی کی شدت کے زمانہ میں ٹھنڈے وقت میں، یہ کہہ دینا کہ یہ واقعہ سفر کا ہے، اس لئے سفر کے موقعہ پر اجازت نکلتی ہے، جس طرح بعض دیگر امور سفر کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ بھی ایک خصوصیت ہے درست نہیں، اس لئے کہ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کی علت سفر و حضر دونوں میں یکساں ہے، اور وہ گرمی کی شدت ہے، گرمی کی شدت جس طرح سفر میں اذیت کا باعث ہے۔ اسی طرح حضر میں بھی ہے۔

۵۹۹: حدثنا محمد بن یوسف قال حدثنا سفیٰن عن خالد ن الحذآء عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث قال اتیٰ رجلان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یریدان السفر فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا انتما خرجتما فاذنا ثم اقیما ثم لیؤمکما اکبرکما

ترجمہ۵۹۹: حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ دو شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سفر کے ارادے سے آئے تو ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نکلو (اور نماز کا وقت آجائے) تو تم اذان دو، پھر اقامت کہو، اس کے بعد تم میں جو بزرگ ہو، وہ امام بنے۔

۶۰۰: حدثنا محمد بن المثنیٰ قال اخبرنا عبدالوھاب قال اخبرنا ایوب عن ابی قلابة قال حدثنا مالک

قال اتینا النبی صلے اللہ علیہ وسلم و نحن شببة متقاربون فاقما عندہ' عشرین یوماً ولیلةً و کان رسول اللہ علیہ وسلم رحیماً رفیقاً فلماظن انا قد اشتھینا اھلنا اوقداشتقنا سألنا عمن ترکنا بعدنا فاخرناہ فقال ارجعوآ الیٰ اھلیکم فاقیموا فیھم وعلموھم ومروھم وذکر اشیآء احفظھا اولآ احفظھا وصلوا کمارایتمونی اصلی فاذاحضرت الصلوٰة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم

ترجمہ۶۰۰: حضرت مالک (ابن حویرث) کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، اورہم چند (تقریبا) برابر کی عمر کے جوان تھے بیس شب وروز ہم آپ کی خدمت میں رہے، اوررسول اللہ ﷺ نرم دل مہربان تھے، جب آپ نے خیال کیا کہ ہم کو اپنے گھر والوں کے پاس (پہنچنے کا) اشتیاق ستا رہا ہے، تو ہم سے ان کا حال پوچھا، جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے ہم نے آپ کو سب کچھ بتایا۔ پس آپ نے فرمایا کہ واپس لوٹ جاؤ اوران ہی لوگوں میں رہو اوران کو تعلیم دو، اور (اچھی باتوں کا) حکم دو۔ اور چند باتیں آپ نے بیان فرمائیں (جن کی نسبت مالکؓ نے کہا) مجھے یاد ہیں یا یہ کہا کہ یاد نہیں رہیں اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھا کرو، اور جب نماز کا وقت آجائے، تو تم میں سے کوئی شخص اذان دے دے، اورتم میں سے بڑا تمہارا امام بنے۔

۶۰۱: حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن عبیداللہ بن عمر قال حدثنی نافع قال اذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان ثم قال صلوافی رجالکم واخبرنا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامرمؤذناً یؤذن ثم یقول علیٰ اثرہٖ الاصلوافی الرحال فی اللیلة الباردة اوالمطیرة فی السفر

ترجمہ۶۰۱: حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں، کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سردی کی رات کو ضجنان (نامی پہاڑی) پر (چڑھ کر) اذان دی اذان دینے کے بعد یہ کہہ دیا کہ صلوا فی رحالکم اورہم سے بیان کیا، کہ رسولِ خدا ﷺ سردی بارش کی شب کو بحالتِ سفر موذن کو حکم دے دیتے تھے کہ اذان کے بعد وہ یہ کہہ دے کہ الا صلوا فی الرحال (اپنی فرودگاہوں میں نماز پڑھ لو)۔

۶۰۲: حدثنا اسحٰق قال اخبرنا جعفر بن عون قال حدثنا ابوالعمیس عن عون بن ابی جحیفة عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالابطح فجآءہ' بلال فاذنہ' بالصلوٰة خرج بلال بالعنزة حتیٰ رکزھا بین یدی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باالابطح واقام الصلوٰة

ترجمہ۶۰۲: حضرت ابوجحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو (وادی ابطح میں دیکھا کہ آپ کے پاس بلال نے آکر آپ کو نماز کی اطلاع دی، پھر نیزہ لے کر چلے اوراس کو رسولِ خدا ﷺ کے آگے (وادی) ابطح میں گاڑ دیا، اورآپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ مسافر اذان واقامت دونوں کہے، اوراگر اقامت پر اکتفا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر دونوں کو ترک کرے گا تو مکروہ ہے گنہ گار ہوگا، اور جماعت کی قید سے منفرد کے لئے توسع ثابت ہوا۔

باب هل يتبع المؤذن فاه' هٰهنا و هٰهنا وهل يلتفت في الاذان يذكر عن بلالؓ انه' جعل اصبعيه في اذنيه وكان ابن عمر لايجعل اصبعيه في اذنيه وقال ابراهيم لاباس ان يؤذن علىٰ غير وضوء وقال عطآء الوضوء حق و سنة و قالت عآئشة كان النبی صلے الله عليه وسلم يذكرالله علىٰ كل احيانه

(کیامؤذن اپنامنہ ادھرادھر پھیرے' اورکیا وہ اذان میں ادھراُدھر دیکھ سکتا ہے' بلالؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی دوانگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالیں' اورابن عمرؓ اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں دیتے تھے' ابراہیم کہتے ہیں کہ بغیر وضو کے اذان دینے میں کچھ مضائقہ نہیں عطاء کا قول ہے کہ (اذان کے لئے) وضو ثابت ہے اور مسنون ہے' اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے)

۶۰۳: حدثنا محمد بن يوسف قال حدثنا سفين عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه انه' رایٰ بلالا يؤذن فجعلت اتتبع فاه هٰهنا و ههنا بالاذان.

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے بلالؓ کو اذان دینے میں ان کو اپنا منہ اذان دیتے وقت ادھرادھر کرتے پایا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ اذان کے وقت انگلیں کان میں ڈالنے اورکان کے سوراخ بند کرنے کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ سانس بند ہوکر آواز میں قوت آجاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کانوں پر یوں ہی اوپر سے ہاتھ رکھ لینا کافی نہیں اور نہ اس سے سنت ادا ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کو حدیث نہ پہنچی ہوگی، یا ضروری نہ سمجھ کر اس کو ترک کیا ہوگا۔

اذان میں قبلہ کے رخ سے سینہ پھرانا نہ چاہئے، حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے وقت صرف منہ کو داہنے بائیں کیا جائیگا۔

امام بخاریؒ نے ابراہیم سے نقل کیا کہ بغیر وضوء کے اذان میں کوئی حرج نہیں، ہمارے حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک مطلقاً کراہت کا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہی قول میرا اختیار ہے، کیونکہ حدیث کے موافق ہے اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے۔ دوسرا قول صرف اقامت کی کراہت کا ہے، امام بخاری چونکہ مسِ مصحف اور دخولِ مسجد وغیرہ میں بھی توسع کرتے ہیں، اس لئے یہاں بھی ان کے نزدیک توسع ہوگا۔

باب قول الرجل فاتتنا الصلوٰة وكره ابن سيرين ان يقول فاتتا الصلوٰة وليقل لم ندرک وقول النبی صلے الله عليه وسلم اصح

(آدمی کا یہ کہنا کہ ہماری نماز جاتی رہی' مکروہ سمجھا ہے' اس طرح کہنا چاہئے کہ ہم نے نماز نہیں پائی' مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بہت درست ہے)

۶۰۴: حدثنا ابو نعيم قال حدثنا شيبان عن يحيى عن عبدالله بن ابی قتادة عن ابيه قال بينما نحن نصلی مع النبی صلے الله عليه وسلم اذسمع جلبة رجال فلما صلےٰ قال ماشانكم قالوا استعجلنا الى الصلوة قال فلا تفعلوا اذآ اتيتم الصلوة فعليكم السكينة فماادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ رہے تھے آپ نے کچھ لوگوں کی آواز سنی، جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا، کہ تمہارا کیا حال ہے (یعنی یہ شور کیوں ہوا) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے نماز کے لئے عجلت کی، آپ نے فرمایا۔ اب ایسا نہ کرنا، جب تم نماز کے لئے آؤ، تو نہایت اطمینان سے آؤ، پھر جس قدر نماز پاؤ اس قدر پڑھو اور جس قدر تم سے جاتی رہے اس کو پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ ابن سیرین کی ناپسندیدگی کا تعلق تہذیبِ الفاظ سے ہے، جس طرح شریعت نے عتمہ کا اطلاق عشا پر اور یثرب کا اطلاق مدینہ طیبہ پر ناپسند کیا ہے۔ اوراس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نظرِ شریعت میں جماعت کا فوت ہوجانا نماز کے فوت ہوجانے کے برابر ہے۔

باب مآادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا قاله' ابوقتاده عن النبی ﷺ

(اس امر کا بیان) کہ جس قدر نماز تم کو مل جائے پڑھ لو اور جس قدر تم سے چھوٹ جائے اس کو پورا کرلو۔ اس کو ابو قتادہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے

۶۰۵: حدثنا آدم قال حدثنا ابن ابی ذئب قال حدثنا الزهری عن سعید ابن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلے اللہ علیه وسلم و عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن النبی صلے اللہ علیه وسلم قال اذا سمعتم الاقامة فامشوآ الی الصلوٰة وعلیکم السکینة والوقار ولاتسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے وقار اور اطمینان کو اختیار کئے ہوئے چلو، اور دوڑو نہیں، پھر جس قدر نماز تمہیں مل جائے پڑھ لو، اور جس قدر چھوٹ جائے، اس کو بعد میں پورا کرلو۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب کے تحت ترتیب صلوٰۃِ مسبوق کی بحث آجاتی ہے، حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ امام کے ساتھ وہ جتنی نماز پڑھتا ہے، وہ اس کے لئے بھی آخری حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی پہلی رہی ہوئی نماز ادا کرے گا، گویا مسبوق اپنی پہلی باقی ماندہ نماز میں منفرد جیسا ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں لفظِ فوات وارد ہے اور دوسری احادیث میں **وما فاتکم فاقضوا** بھی آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حصہ فوت ہوچکا ہے، اور اس کو امام کے بعد قضا کرے گا۔ شیخ اکبرؒ نے بھی فرمایا کہ مسبوق باقی نماز کو قضا کرتا ہے۔ شافعیہؒ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ جتنی نماز ملی، وہ مسبوق کے لئے پہلا حصہ ہے، اور امام کے بعد وہ اپنی باقی کو پورا کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں اتمام ہے، اور اتمام آخری حصہ کو ادا کرنے کا نام ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ تاویل دونوں کے لئے ممکن ہے، اور ہمارے لئے اس بارے میں دو حدیث اور بھی ہیں جن کو "فصل الخطاب" میں ذکر کیا ہے۔

باب متیٰ یقوم الناس اذارا واالامام عندالاقامة

(تکبیر کے وقت جب امام کو دیکھ لیں تو کس وقت کھڑے ہوں)

۶۰۶: حدثنا مسلم بن ابراهیم قال حدثنا هشام قال کتب الی یحییٰ عن عبداللہ بن ابی قتادة عن ابیه قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم اذا اقیمت الصلوٰة فلاتقوموا حتی ترونی.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کی اقامت کے وقت جب تک مجھے نہ دیکھ لو، اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ نمازِ جماعت کی اقامت پوری ہونے کے بعد کھڑے ہوتے تھے، اور بعض سے یہ کہ اقامت کے دوران کھڑے ہوتے تھے اور ہماری کتب فقہ حنفی میں بھی دونوں طرح ہے، درمختار کا حاشیہ طحطاوی دیکھا جائے، تنقیح مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو اس کے مسجد میں داخل ہونے پر صفیں درست کرنے کے لئے کھڑے ہوں، اگر وہ مسجد کے اندر ہی ہے تو جب وہ اپنی جگہ سے امامت کے لئے اٹھے، اس وقت کھڑے ہوں، پھر یہ مسئلہ نفسِ صلوٰۃ سے متعلق نہیں ہے بلکہ

آداب صلوۃ کا ہے، اس لئے اگر کوئی پہلے سے کھڑا ہو جائے تب بھی گناہ گار نہ ہوگا۔ یہ بھی علماء سے مروی ہے کہ حضرت بلالؓ منتظر رہتے تھے حضور علیہ السلام کے گھر سے نکلنے پر اقامت کہتے تھے، اور دوسرے صحابۂ کرام آپ کو صف میں آجانے پر دیکھتے تھے، تو اس وقت کھڑے ہو جاتے تھے، اس طرح جب حضور علیہ السلام مصلے پر پہنچتے تھے تو اقامت پوری ہونے تک صفیں درست ہو چکی ہوتی تھیں۔ باقی آپ کو دیکھنے سے قبل کوئی کھڑا نہ ہوتا تھا کہ یہ عبث بھی تھا۔

باب لایقوم الی الصلوٰۃ مستعجلاً و لیقم الیھا بالسکینۃ و الوقار

(نماز کے لئے جلدی سے نہ اُٹھے' بلکہ اطمینان اور وقار کے ساتھ اٹھے)

۶۰۷: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحیی عن عبداللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی و علیکم السکینۃ تابعہ علی بن المبارک

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب نماز کی اقامت کہی جائے، تو تم اس وقت تک نہ کھڑے ہو، جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لو، وار اپنے اوپر اطمینان کو لازم سمجھو (علی بن مبارک نے اس کی متابعت کی ہے)۔

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے لکھا:۔ شارحین نے غرض ترجمۃ الباب نہیں لکھی، میرے نزدیک اشارہ ہے قول باری تعالیٰ **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا** الایۃ کی طرف کہ بظاہر آیت مذکورہ سے حدیث الباب متعارض معلوم ہوتی ہے، حافظؒ نے لکھا کہ سعی سے مراد آیت میں اس کام کے لئے آگے بڑھنا ہے اور حدیث میں دوڑنا ہے نماز کی طرف دوڑ کر جانا وقار و سکینت اور آداب صلوٰۃ کے خلاف ہے۔ (الابواب ص۲\۲۵۹)

باب ھل یخرج من المسجد لعلۃ

(کیا مسجد سے کسی عذر کی بنا پر نکل سکتا ہے؟)

۶۰۸: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن صالح ابن کیسان عن ابن شھاب عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج وقد اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف حتیٰ اذا قام فی مصلاّہ انتظرنا ان یکبر انصرف قال علیٰ مکانکم فمکثنا علیٰ ھیئتنا حتیٰ خرج الینا ینطف راسہ' مآء و قداغتسل

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ مسجد سے) باہر چلے گئے حالانکہ نماز کی اقامت ہو چکی تھی، اور صفیں بھی برابر کر لی گئی تھیں، جب آپ (واپس آکر) اپنے مصلے میں کھڑے ہو گئے، ہم منتظر رہے، کہ اب آپ تکبیر کہیں گے (لیکن) آپ پھر گئے (اور ہم سے) فرمایا، کہ اپنی جگہ پر رہو، ہم بحال خود کھڑے رہے (تھوڑے عرصہ میں) آپ ہمارے پاس تشریف لائے، اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپ نے غسل کیا تھا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ مشکوۃ شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک شخص کو دیکھا مسجد سے بعد اذان کے نکل کر جا رہا ہے آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کی۔ اس لئے امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے ثابت کیا کہ کسی ضرورت کے تحت نکلنے کی اجازت بھی ہے۔ فقہ حنفی کی کتاب بحر میں بھی ہے کہ جو شخص لوٹنے کے ارادہ سے نکلے یا اس کو کسی دوسری جگہ امامت ہی کرانی ہو تو اس کو اجازت ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عام حکم شرعی کو رائے سے خاص بھی کر سکتے ہیں اگرچہ ابتداءً ہی ہو، بشرطیکہ حکم شرعی کی وجہ جلی و واضح

ہو۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" کے اعلان سے روک دیا تھا، اور پھر حضور علیہ السلام نے بھی اس پر رضامندی عطا فرما دی تھی، ایسا ہی فقہاء مجتہدین سے بھی ثابت ہے اس لئے اس کو عمل بالرائے سے مطعون نہیں کر سکتے۔

باب اذا قال الامام مکانکم حتیٰ یرجع انتظروہ

اگر امام کہے کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، جب تک کہ میں لوٹ کر نہ آؤں، تو مقتدی اس کا انتظار کریں

۶۰۹: حدثنا اسحٰق قال اخبرنا محمد بن یوسف قال حدثنا الاوزاعی عن الزہری عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن عن ابی ہریرة قال اقیمت الصلوٰة فسوی الناس صفوفھم فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فتقدم و ھو جنب ثم قال علی مکانکم فرجع فاغتسل ثم خرج وراسه یقطر مآء فصلی بھم

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہوگئی، اور لوگوں نے اپنی صفیں برابر کریں، اتنے میں رسول خدا ﷺ باہر نکلے اور آگے بڑھ گئے، حالانکہ آپ جنب تھے (یاد آنے پر) فرمایا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر کھڑے رہو، چنانچہ آپ لوٹ گئے، اور آپ نے غسل فرمایا، پھر باہر تشریف لائے، تو آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، اب آپ نے نماز پڑھائی۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جب کوئی امام کسی ضرورت سے درمیان نماز کے چلا جائے اور کسی قرینہ سے معلوم ہو کہ لوٹ کر آئے گا تو اس کا انتظار کرنا چاہئے، ورنہ دوسرا امام آگے بڑھ کر نماز پوری کرا دے گا۔ (لامع الدراری)

باب قول الرجل ما صلینا

۶۱۰: حدثنا ابو نعیم قال حدثنا شیبان عن یحیٰ قال سمعت اباسلمة یقول انا جابر عن عبدالله ان النبی صلی الله علیه وسلم جآءہ عمر بن الخطاب یوم الخندق فقال یا رسول الله والله ما کدت ان اصلی حتیٰ کادت الشمس تغرب وذٰلک بعد ما افطر الصآئم فقال النبی صلی الله علیه وسلم والله ما صلیتھا فنزل النبی صلی الله علیه وسلم الی بطحان وانا معه فتوضأ ثم صلی العصر بعدما غربت الشمس ثم صلی بعدھا المغرب

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن حضرت عمر بن الخطابؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! واللہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی، اور آفتاب غروب ہو گیا ہے (حضرت عمرؓ کا) یہ کہنا ایسے وقت تھا، کہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ واللہ! میں نے بھی عصر کی نماز نہیں پڑھی، پس نبی کریم ﷺ بطحان میں اترے اور میں آپ کے ہمراہ تھا، آپ نے وضو فرمایا اور آفتاب غروب ہو جانے کے بعد پہلے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

تشریح: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ ''امام بخاری اس سے تہذیب الفاظ کا سبق دینا چاہتے ہیں، لیکن استدلال اگر خود حضور علیہ السلام کے قول واللہ ما صلیتھا سے ہوتا تو زیادہ مناسب تھا''۔ (الابواب والتراجم)

باب الامام تعرض لهٗ الحاجة بعدالآقامة

٦١١۔ حدثنا ابو معمر عبدالله بن عمرو قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزيز هو ابن صهيب عن انس قال اقيمت الصلوٰة والنبى صلے الله عليه وسلم يناجي رجلاً فى جانب المسجد فما قام الى الصلوٰة حتىٰ نام القوم

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کی اقامت ہوگئی اور نبی کریم ﷺ مسجد کے ایک گوشہ میں کسی شخص سے آہستہ باتیں کررہے تھے، پس آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ بعض لوگ اونگنے لگے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ امام اگر کسی مصروفیت یا ضرورت کی وجہ سے اقامت کے بعد دیر تک نماز شروع نہ کرے تو اقامت کا اعادہ ہونا چاہئے، ورنہ نہیں، فاصلہ یا تاخیر کتنی ہو اس کا تعین دشوار ہے۔

باب الكلام اذااقيمت الصلوٰة

(اقامت ہوجانے کے بعد کلام کرنے کا بیان)

٦١٢: حدثنا عياش بن الوليد قال حدثنا عبدالاعلىٰ لنا حميد قال سالت ثابت البنانى عن الرجل يتكلم بعد ماتقام الصلوٰة فحدثنى عن انس بن مالك قال اقيمت الصلوٰة فعرض للنبى صلے الله عليه وسلم رجل فحبسه بعد مآ اقيمت الصلوٰة

ترجمہ: حمید روایت کرتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی سے اس شخص کی بابت پوچھا جو نماز کی اقامت ہوجانے کے بعد کلام کرے، انہوں نے مجھ سے حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث بیان کی، کہ انہوں نے کہا (ایک مرتبہ) نماز کی اقامت ہوچکی تھی، اتنے میں نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آگیا، اس نے آپ کو اقامت ہوجانے کے بعد روک لیا (اور باتیں کرتا رہا)

تشریح: حافظؒ نے فرمایا کہ غرضِ بخاری مطلقاً کراہیتِ کلام کا رد ہے، علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ حدیث سے جوازِ کلام بعدالاقامۃ ثابت ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بھی اقامت وتکبیر تحریمہ کے درمیان بات کرنے کی کراہت جب ہے کہ بلاضرورت ایسا کیا جائے، یعنی کسی امر شرعی ودینی کے لئے کلام ہو تو پھر کراہت نہ ہوگی۔

باب وجوب صلوٰة الجماعة وقال الحسن ان منعته امهٗ عن العشآء فى الجماعة شفقة لم يطعها

(نماز باجماعت کے واجب ہونے کا بیان' حسن (بصری) نے کہا ہے' کہ اگر کسی شخص کی ماں ازراہِ محبت عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے' تو وہ اس کا کہنا نہ مانے)

٦١٣: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابى الزناد عن الاعرج عن ابى هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال والذى نفسى بيده لقد هممت ان امر بحطب ليحطب ثم امر بالصلوة فيؤذن لها ثم امر رجلاً فيوم الناس ثم اخالف الىٰ رجال فاحرق عليهم بيوتهم والذى نفسى بيده لويعلم احدهم انهٗ يجد عرقاً سميناً اومرماتين حسنتين لشهدالعشآء

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میرا یہ ارادہ ہوا ہے کہ (اولا) لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں (اس کے بعد) حکم دوں، کہ عشائے کی نماز کوئی دوسرا شخص پڑھائے، اور میں (خود) کچھ (لوگوں کو ہمراہ لے کر) لوگوں کے گھروں تک پہنچوں، (جو عشاء کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے) اور ان کے گھروں کو آگ لگادوں، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فربہ ہڈی، یا دو عمدہ گوشت والی ہڈیاں پائے گا، تو یقیناً عشاء کی نماز میں آئے گا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے جماعت کے وجوب کا قول اختیار کیا ہے، حنفیہ کے دو قول ہیں ایک وجوب کا دوسرا سنت موکدہ کا۔ صاحب بحر نے فیصلہ کر دیا کہ ادنی وجوب اور اعلی سنت موکدہ کا درجہ ایک ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنن موکدہ میں سے اعلی درجہ کی سنت ہے، شافعیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں، ایک فرض کفایہ کا دوسرا سنت موکدہ کا، امام احمد کا ایک قول فرض عین و شرط صحت صلوۃ کا ہے، دوسرا یہ کہ فرض تو ہے مگر شرط صحت صلوۃ نہیں۔ یہ اختلاف نظر معنوی پر مبنی ہے، ترک جماعت پر وعید کی احادیث پر نظر کی جائے تو فرض وواجب جیسا درجہ سمجھ میں آتا ہے اور اگر ان احادیث پر نظر کی جائے جن میں بظاہر معمولی اعذار کے سبب بھی ترک جماعت کی گنجائش نکلتی ہے تو اس کا درجہ سنت کا ہی ماننا پڑتا ہے۔ مثلاً آتا ہے کہ کھانے کی وجہ سے اور بارش، ظلمت، سخت گرمی، سخت سردی وغیرہ کے سبب ترک جائز ہے۔ کتب فقہ حنفی میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص فتاوی اور علمی تحقیقات کے لئے مراجعت و مطالعہ کتب میں زیادہ مشغول ہو تو اس کے لئے بھی ترک جماعت عذر ہے اور جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مفتی و مصنف و مدرس کے لئے مطالعہ کتب و مراجعت ضروری ہے، اور آج کل جو سطحیت و عدم اشتغال کی صورت ہو گئی ہے، اس سے علمی و تحقیقی شان زوال پذیر ہے)

لہٰذا اس کے بارے میں خلاف اتنا زیادہ نہیں، جتنا عام طور سے سمجھ لیا گیا ہے۔ مذاہب و اعذار کی تفصیل اوجز میں دیکھی جائے، حنفیہ میں سے امام طحاوی و کرخی وغیرہ کا مختار یہ ہے کہ جماعت کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر کسی وقت نماز پر مسجد معطل ہو کہ کوئی بھی جماعت سے نہ پڑھے تو سب گناہ گار ہوں گے، اور اگر جماعت ہوتی رہے اور کوئی شخص کسی عذر سے شرکت نہ کرے اور تنہا پڑھ لے تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (لامع ص ۲۴۴)

باب فضل صلوٰة الجماعة وكان الاسود اذا فاتته الجماعة ذهب الىٰ مسجد اخروجآء انس بن مالك الى مسجد قد صلي فيه فاذن واقام وصلے جماعة

۶۱۴: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله ابن عمر ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة الفذبسبع و عشرين درجة

۶۱۵: حدثنا عبدالله بن يوسف قال حدثني الليث قال حدثني يزيدبن الهاد عن عبدالله بن خبابؓ عن ابي سعيد انه' سمع النبي صلے الله عليه وسلم يقول صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة الفذ وبخمس و عشرين درجةً

۶۱۶: حدثنا موسى بن اسمٰعيل قال حدثنا عبدالواحد قال حدثنا الاعمش قال سمعت اباصالح يقول سمعت اباهريرة يقول قال رسول الله صلے الله عليه وسلم صلوٰة الرجل في الجماعة تضعف علىٰ صلوٰته في بيته وفي سوقه خمسةً و عشرين ضعفاً و ذلک انه اذا توضأفاحسن الوضوٓء ثم خرج الى المسجد لايخرجه' الا الصلوٰة لم يخط خطوطةً الا رفعت بها درجةً وحط عنه' بها خطيٓئة فاذا صلے لم تنزل الملٰئكة تصلي عليه مادام في مصلاه اللهم صل عليه اللهم ارحمه ولايزال احدكم في صلوٰة ما انتظر الصلوٰة

ترجمہ ۶۱۴: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے۔

ترجمہ ۶۱۵: حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے:۔

ترجمہ ۶۱۶: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا جماعت سے نماز پڑھنا، اسکے اپنے گھر میں، اور اپنے بازار میں نماز پڑھنے سے پچیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے کہ جب عمدہ طور پر وضو کر کے مسجد کی طرف چلے، اور محض نماز ہی کے لئے چلے تو جو قدم رکھے گا، اسکے عوض میں اس کا ایک درجہ بلند ہوگا، اور ایک گناہ اس کا معاف ہوگا، پھر جب وہ نماز پڑھ لے گا تو برابر فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے مصلی میں رہے گا، کہ یا اللہ اس پر رحمت نازل فرما، یا اللہ اس پر مہربانی فرما، اور تم میں سے ہر شخص جب تک کہ نماز کا انتظار کرتا ہے نماز میں متصور ہوتا ہے:۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہؓ پچیس درجے زیادہ ثواب روایت کرتے ہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ستائیس درجے اور یہی روایت زیادہ قوی ہے۔

حافظ نے لکھا کہ علامہ ابن المنیرؒ نے امام بخاریؒ کے اس ترجمہ پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے باب میں وہ جماعت کا وجوب بتلا چکے ہیں تو اس کے بعد صرف فضیلت کا اثبات اس کے منافی یا بے فائدہ ہے (کیونکہ کسی امر کا حد وجوب یا فرض میں داخل ہو جانا ہی اس کے لئے ہزار فضیلتوں کا ضامن ہو جاتا ہے) پھر حافظ نے لکھا کہ علامہ نے اس کے لئے جواب دہی بھی طویل کی ہے، مگر اتنا ہی جواب کافی ہے کہ کسی شئی کا وجوب اس کے ذی فضیلت ہونے کے منافی نہیں ہے یا مقصود اظہار فضیلت بلحاظ منفرد کے ہے۔ اس کے بعد حافظ نے لکھا کہ امام بخاری کے اثر اسود و انس ذکر کرنے سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ احادیث الباب میں جو فضیلت وارد ہے وہ صرف جماعت مسجد کے لئے ہے گھر وغیرہ کی جماعت کے لئے نہیں ہے، ورنہ حضرت اسودؓ دوسری مسجد میں نہ جاتے، اور حضرت انسؓ جماعت ثانیہ مسجد میں نہ کرتے۔ (فتح ص ۲/۸۹)

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جس مسجد میں حضرت انسؓ نے دوسری جماعت اذان و اقامت کے ساتھ کی تھی، وہ راستہ کی مسجد تھی، للہذا اس سے جماعت ثانیہ کا جواز نہیں نکلے گا، علامہ عینی نے لکھا کہ کسی مسجد میں جماعت ہو چکنے کے بعد مکرر جماعت کرنے میں اختلاف ہوا ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت علقمہ و اسود کے ساتھ جماعت ثانیہ کی ہے اور یہی قول حضرت عطاء کا ہے امام احمد و اسحق وغیرہ نے یہی مسلک اختیار کیا (وہ ہر مسجد میں بے تکلف کئی کئی جماعت کو جائز بلا کراہت کہتے ہیں)

حضرت سالم وغیرہ اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی مسلک جمہور (امام ابوحنیفہ، امام مالک، ثوری، اوزاعی وغیرہ) کا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسجد اگر راستہ پر ہو، جس کا کوئی امام مقرر نہ ہو تو اس میں کئی جماعت درست ہیں ورنہ تنہا پڑھنی چاہیئے۔ درمختار وغیرہ کتب حنفیہ میں ہے کہ اذان و اقامت کے ساتھ مسجد محلہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اور مسجد طریق میں مکروہ نہیں اور اسی طرح جس میں کوئی امام و مؤذن مقرر نہ ہو،

افادۂ انور: حضرتؒ نے فرمایا:۔ حضرت انسؓ نے جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں نہیں کی تھی بلکہ مسجد بنی زریق میں کی تھی، اور کراہت کا مسئلہ مسجد محلہ سے متعلق ہے۔ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جماعت ثانیہ پہلے امام کی جگہ چھوڑ کر بلا اذان و اقامت کے درست بلا کراہت ہے، اور شاید ترک اذان و اقامت بھی پہلی حالت بدلنے کے لئے، اور ان کے نزدیک بھی عدم کراہت اس وقت ہے کہ اتفاقی طور سے جماعت اولی رہ گئی ہو، نہ اس وقت کہ دوسری جماعت جان بوجھ کر کرے یا اس کا عادی ہو جائے، اور حضرت انسؓ سے بھی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ تفصیل ہے کہ انہوں نے دوسری جماعت اس طرح کی کہ خود امام ہو کر درمیان صف میں کھڑے ہوئے، جماعت اول کی طرح آگے کھڑے ہو کر امامت نہیں فرمائی، اس سے بھی پہلی حالت و ہیئت بدلنے کا اشارہ ملتا ہے، جو امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے فرق یہ ہوا کہ حضرت انسؓ نے اذان و اقامت مکرر کر کے اپنی جگہ بدل دی اور ابو یوسف بغیر اذان و اقامت کے امام کی جگہ بدلنے کے قائل ہیں۔ پھر یہ کہ

تکرار اذان و اقامت کا قول کسی نے بھی اختیار نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ کسی کا بھی مستدل نہیں ہے۔

تیسری حدیث الباب ص ۶۱۶ میں **قوله صلوة الجماعة تضعف علی صلاته فی بیته** پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں مقابلہ نماز جماعت اور نماز منفرد کا ہے، جماعت مسجد اور جماعت بیت کا نہیں ہے، کیونکہ نظر شارع میں مساجد کی جماعت ہے گھروں کی نہیں، لہٰذا گھر کی یا بازار کی نماز کا ذکر جہاں بھی حدیث میں آیا ہے وہ اسی عام نظر شارع کے تحت ہوا ہے۔ کیونکہ زمانہ سلف میں بازاروں میں بھی مساجد نہ تھیں۔ اس طرح گویا جماعت بیت کا مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے، پھر یہ کہ جس کی نماز جماعت مسجد کی فوت ہو جائے تو وہ گھر میں جماعت کرے یہ مسئلہ کتب فقہ میں ہے، آگے یہ مسئلہ رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت مسجد کا اہتمام ہی نہ کرے اور گھر میں جماعت کرے تو وہ تارک جماعت کہلائے گا یا نہیں، اس مسئلہ کو منیہ اور اس کی شرح حلبی کبیر میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ہم اس کا مضمون نقل کرتے ہیں:۔ اگر کوئی شخص تراویح کی نماز گھر کے اندر جماعت کے ساتھ ادا کرے تو جماعت کی فضیلت حاصل کرے گا۔ اگرچہ جماعت مسجد کے برابر نہ ہوگا، کیونکہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہے اور یہی بات فرائض میں بھی ہے کہ وہ بھی اگر گھر میں مسجد کی طرح جماعت کے ساتھ ادا کئے جائیں تو جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی ۲۷ گنا والی، مگر مسجد کے برابر نہیں کیونکہ اس میں شرف مکان، اظہار شعائر، تکثیر سوادِ مسلمین اور اسلافِ قلوب کی نوعیت بڑھی ہوئی ہے، لیکن اس میں قید یہ ہے کہ دونوں جگہ کی نماز جماعت بہ لحاظ استکمال سنن و آداب برابر ہو، اگر گھر کی نماز زیادہ کامل و اکمل ہو اور امام مسجد مثلاً سنن و آداب کی رعایت نہ کرتا ہو تو گھر کی جماعت زیادہ افضل ہوگی، اور اگر امام مسجد واجبات کی رعایت بھی نہ کر سکتا ہو جیسا کہ اس زمانہ کے بہت سے امام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور گھر کا امام اعلم و افضل ہو اور واجبات و سنن کی رعایت بھی زیادہ کرے تو وہ جماعت بدرجہ اولی مسجد سے افضل ہوگی۔ (حلبی کبیر ص ۴۰۲)

امام بخاریؒ نے مستقل باب باندھا ہے اہل علم و فضل کے احق بالامامۃ ہونے کا، اور حنفیہ نے اعلم بالمسائل کو اقرأ پر ترجیح دی ہے۔ مگر اس زمانہ میں جہلاء عوام قاری کو عالم پر ترجیح دیتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

مراقی الفلاح میں ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا مردوں کے لئے سنت موکدہ ہے اور جماعت کا ثواب ایک مقتدی کے ساتھ بھی حاصل ہو جائے گا، خواہ وہ صبی ہو یا عورت ہو، اگرچہ گھر میں ہی ادا کرے۔ علامہ طحطاویؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی یا باندی کے ساتھ جماعت کرے تو اس کو بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی اگرچہ مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا:۔ جماعت مسجد کو جماعت بیت پر کیفاً فضیلت ہوگی اگرچہ کماً دونوں برابر ہوں گی، اور دونوں کا ثواب ۲۵ یا ۲۷ گنا ہوگا، خواہ مسجد میں جماعت سے پڑھے یا گھر میں یا بازار میں۔ (لامع ص ۱/۸۷)

باب فضل صلوٰة الفجر فی جماعة

(فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کی فضیلت کا بیان)

۶۱۷: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی سعید ابن المسیب و ابو سلمة بن عبدالرحمن ان اباهریرة قال سمعت رسول الله صلے الله علیه وسلم یقول تفضل صلوة الجمیع صلوة احدکم وحده بخمسة و عشرین جزءً و تجتمع ملائکة اللیل وملٰئکة النهار فی صلوٰة الفجر ثم یقول ابوهریرة واقرء وا ان شئتم ان قراٰن الفجر کان مشهوداً قال شعیب وحدثنی نافع عن عبدالله بن عمر قال تفضلها بسبع و عشرین درجةً

٦١٨: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابی قال حدثنا الاعمش قال سمعت ام الدرداء تقول دخل علی ابوالدرداء و هو مغضب فقلت مآاعضبک قال والله مآاعرف من امر محمد صلی الله علیه وسلم شیئاً الا انهم یصلون جمیعاً.

٦١٩: حدثنا محمد بن العلآء قال حدثنآ ابواسامة عن برید بن عبدالله عن ابی بردة عن ابی موسی قال قال النبی صلی الله علیه وسلم اعظم الناس اجراً فی الصلوة ابعدهم فابعدهم ممشی والذی ینتظر الصلوة حتیٰ یصلیها مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلی ثم ینام

ترجمہ۶۱۷: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر شخص کی جماعت کی نماز سے تنہا نماز پچیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے، اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ اگر چاہو تو (اس کی دلیل میں) ان قرآن الفجر کان مشہودا پڑھ لو، شعیب کہتے ہیں، مجھ سے نافع نے عبداللہ بن عمر سے نقل کیا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے:۔

ترجمہ۶۱۸: حضرت سالم روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام درداء کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتی تھیں کہ (ایک دن) ابودرداء میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے، میں نے کہا کہ آپکو کیوں اتنا غصہ آگیا؟ بولے کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے دین کی کوئی بات (اب) میں نہیں دیکھتا، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں (سو اب اس میں بھی کوتاہی ہونے لگی ہے)۔

ترجمہ۶۱۹: حضرت ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ سب لوگوں سے زیادہ ثواب ان لوگوں کو ملتا ہے جن کی مسافت (مسجد سے) دور ہے پھر جن کی ان سے دور ہے، اور وہ شخص جو جماعت کا منتظر رہے، تاکہ اس کو امام کے ساتھ پڑھے، باعتبار ثواب کے اس سے زیادہ ہے (جو جلدی سے) نماز پڑھ کے سو جاتا ہے۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ یہ باب پہلے باب سے اخص ہے، اور اس میں چونکہ دن و رات کے فرشتوں کے جمع ہونے کی وجہ سے فضیلت بھی زیادہ ہے، اس لئے اس کے لئے مستقل باب لائے ہیں۔ (فتح ص۲/۹۴)

ترجمۃ الباب سے احادیث کی غیر مطابقت

یہاں امام بخاریؒ نے باب کے تحت جو دوسری حدیث ص۶۱۸ پیش کی ہے، اس میں جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، صرف مطلق جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ لہٰذا ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں ہے۔

محقق عینیؒ نے لکھا کہ جزوی طور سے تو مطابقت ہو ہی گئی اور امام بخاری کی اس کتاب میں اس قسم کے تجوزات بہ کثرت ہیں۔ (عمدہ ص۲/۶۹۳) حافظ نے ابن المنیر کا جواب بھی یہی نقل کیا کہ یصلون جمیعا میں نماز فجر بھی آگئی، حافظ نے یہ بھی لکھا کہ ان کے علاوہ کسی شارح نے مناسبت ترجمہ نہیں بتلائی (فتح ص۲/۹۵)

باب کی تیسری حدیث ص۶۱۹ میں بھی جماعت نماز فجر کا کوئی ذکر نہیں ہے، علامہ عینی نے لمبی تاویل کر کے جواب دیا ہے، حافظ نے ابن المنیر کا جواب لکھا کہ زیادہ اجر کا سبب نماز کے لئے جانے میں مشقت ہوتا ہے اور یہ جماعت فجر میں زیادہ ہے، کیونکہ سو کر اٹھنے میں کسل زیادہ اور مشقت کا احساس نمایاں ہوتا ہے، اور اس میں نیند جیسی محبوب چیز چھوڑنی پڑتی ہے، عشاء میں یہ بات نہیں، اگرچہ رات کی ظلمت میں چل کر جانا وہاں بھی وجہ فضیلت ضرور ہے۔ (فتح ص۲/۹۵)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے شرح تراجم ابواب البخاری میں یہ تاویل کی کہ ”یہ باب سابق باب کا تحتی و ذیلی باب ہے، لہٰذا آخر کی دونوں احادیث کا تعلق باب سابق سے ہے۔“ سچ ہے تاویل کا باب بہت واسع ہے۔

باب فضل التهجر الی الظهر

ظہر کی نماز اول وقت پڑھنے کی فضیلت کا بیان

۶۲۰: حدثنی قتیبة عن مالک عن سمی مولیٰ ابی بکر بن عبدالرحمٰن عن ابی صالح السمان عن ابی هریرة ان رسول الله صلے الله علیه وسلم قال بینما رجل یمشی بطریق وجد غصن شوک علی الطریق فاخره فشکر الله له' فغفرله' ثم قال الشهدآء خمسة المطعون والمبطون والغریق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل الله وقال لویعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوآ الاان یستهموا علیه لاستهموا علیه ولویعلمون ما فی التهجیر لا استبقوآ الیه ولویعلمون ما فی العتمة والصبح لاتوهما ولوحبواً

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں کانٹوں کی ایک شاخ (پڑی ہوئی) دیکھی تو اس کو ہٹا دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب اسے یہ دیا، کہ اس کو بخش دیا، پھر آپ نے فرمایا کہ شہید پانچ لوگ ہیں، جو طاعون میں مرے، اور جو پیٹ کے مرض میں مرے، اور جو ڈوب کر مرے، اور جو دب کر مرے، اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو، اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں (شامل ہونے میں) کیا (ثواب ہے؟ اور پھر یہ نیک کام قرعہ ڈالے بغیر نصیب نہ ہو، تو یقیناً وہ اس پر قرعہ ڈالیں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سویرے نماز پڑھنے میں کیا فضیلت ہے؟ تو بیشک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح کی نماز (جماعت سے پڑھنے) میں کس قدر (ثواب) ہے تو یقیناً ان میں آکر شریک ہوں، اگرچہ گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے):۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ بجائے مطلق صلوٰۃ کے ظہر کا لفظ ترجمہ میں لائے ہیں، جبکہ حدیث الباب میں بھی ظہر کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ بخاری کے دوسرے نسخہ میں صلوٰۃ ہی ہے، علامہ عینی نے لکھا کہ اگر یہاں حدیث میں ظہر کی نماز مراد ہو تب بھی یہ ابراد ظہر والی حدیث کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وہ شدت حر کے لئے ہیں، اور اصل وعزیمت وقت نماز میں تہجیر اور مبادرت ہی اول وقت کے لئے ہے، اور شدت حر کے وقت ظہر کی تاخیر بطور رخصت ہے۔ (عمدہ ص ۲/۶۹۷)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حدیث الباب میں شہداء کی تعداد پانچ بتلائی ہے، لیکن اور احادیث میں زیادہ تعداد بھی وارد ہے اور حدیث کی اصطلاح فقہ سے زیادہ عام ہے، علامہ سیوطیؒ نے شہداء پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور علامہ اجہوری مالکیؒ نے شہداء کی تعداد ساٹھ تک گنائی ہے۔ اس لئے میں نے احادیث سے استنباط کر کے ایک ضابطہ بنایا کہ جو بھی کسی المناک متمادی بیماری میں مرے، جیسے ہیضہ دستوں وغیرہ کی بیماری میں وہ شہید ہے، یا مہلک وخطرناک بیماری، طاعون جیسی میں مرے وہ بھی شہید ہے اور کسی اچانک بلا میں مر جائے، جیسے ڈوب کر، یا کسی دوسرے فوری حادثہ سے تو وہ بھی شہید ہے، حدیثی نقطہ نظر سے یہی تین قسم کے شہید ملیں گے۔ واللہ اعلم

باب احتساب الآثار

(نیک کام میں ہر قدم پر ثواب ملنے کا دھیان)

۶۲۱: حدثنا محمد بن عبدالله بن حوشب قال حدثنا عبدالوهاب قال حدثنی حمید عن انس بن مالک قال قال النبی صلے الله علیه وسلم یا بنی سلمه الا تحتسبون آثارکم وزاد ابن ابی مریم قال اخبرنی یحیی بن ایوب قال حدثنی حمید قال حدثنی انس ان بنی سلمة ارادوآ ان یتحولوا عن منازلهم فینزلوا قریباً من النبی صلے الله علیه وسلم قال فکره النبی صلے الله علیه وسلم ان یعروا المدینة فقال الا تحتسبون آثارکم قال مجاهد خطاهم آثار المشی فی الارض بارجلهم

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے بنی سلمہ، کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر مسجد آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے؟ اور ابن ابی مریم نے بواسطہ یحییٰ کے حضرت انسؓ سے اتنی روایت اور زیادہ کی ہے کہ بنی سلمہ نے چاہا کہ اپنے مکانوں سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ کے قریب کہیں قیام کریں تو نبی کریم ﷺ نے اس بات کو برا سمجھا کہ مدینہ کو ویران کر دیں، پس آپ نے فرمایا کہ کیا تم اپنے قدموں (سے چل کر آنے) میں ثواب نہیں سمجھتے، اور مجاہد نے کہا ہے کہ خطاہم کے معنی زمین میں اپنے پیروں سے چلنے کے نشانات ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احتساب کا مرتبہ "علم العلم" کا ہے یعنی ذہول وغفلت کے مواقع میں حصول ثواب کی نیت وارادہ کیا جائے، چونکہ مسجد میں جانے کے وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ اس راہ میں چلنے اور قدم اٹھانے پر بھی اجر وثواب ہے، اور عام طور سے آدمی اس کو طاعت وباعث اجر بھی سمجھتا، اس لئے شارع نے تنبیہ کی کہ ایسے امور ثواب میں، ثواب کا استحضار ضرور کیا کرو کہ اس سے اس کی دشواری بھی رفع ہو جاتی ہے اور نیت ثواب سے اجر بھی ڈبل ہو جاتا ہے، ایک ثواب عمل کا دوسرا نیت خیر کا۔ واللہ تعالے اعلم۔

۶۲۲: حدثنا عمر بن حفص قال حدثنآ ابی قال حدثنا الاعمش قال حدثنی ابو صالح عن ابی هریرة قال قال النبی صلے الله علیه وسلم لیس صلوٰة اثقل علی المنافقین من الفجر والعشآء ولو یعلمون ما فیهما لاتوهما ولو حبواً لقد هممت ان امر المؤذن فیقیم ثم امر رجلاً یؤم الناس ثم اخذ شعلاً من نار فاحرق علی من لا یخرج الی الصلوٰة بعد

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں منافقوں پر کوئی نماز نہیں، لیکن اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دونوں (کے وقت پر نماز پڑھنے) میں کیا (ثواب ہے تو ضرور ان میں آئیں، اگرچہ انھیں گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے) میں نے یہ (پختہ) ارادہ کر لیا تھا، کہ مؤذن کو اذان دینے کا حکم دوں، پھر کسی سے کہوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، اور میں آگ کے شعلے لے لوں، اور جو لوگ اب تک گھر سے نماز کے لئے نہ نکلے ہوں، ان کے گھروں کو (ان کے سمیت) جلا دوں (لیکن ان کے اہل وعیال کا خیال آنے سے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

تشریح: پوری حدیث کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے مکان جلانے کا حضور پرنور ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا، منافق نہ تھے بلکہ مخلص تھے، صرف ان کی سستی کی بناء پر ان کو متنبہ کیا گیا، اور اس عمل کو منافق کا عمل قرار دے کر خوف دلا دیا گیا ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے ترجمہ میں صرف نماز عشا کا ذکر کیا جبکہ حدیث الباب میں نماز فجر وعشا دونوں کی فضیلت نکلتی ہے۔ لہٰذا عشا کی فضیلت بھی فی الجملہ تو ثابت ہو ہی گئی، اور بقول علامہ عینیؒ کے اس قسم کے تسامحات وتجوزات امام بخاریؒ کی کتاب میں بہ کثرت ہیں۔ فلیتنبہ لہ

باب اثنان ومافوقهما جماعة

(دو یا دو سے زیادہ آدمی جماعت کے حکم میں داخل ہیں)

۶۲۳ حدثنا مسدد قال حدثنا زيد بن زريع قال حدثنا خالد عن ابی قلابة عن مالک بن الحويرث عن النبی صلے الله عليه وسلم قال اذاحضرت الصلوة فاذنا واقيما ثم ليؤمكما اكبر كما

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرثؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دو شخص آپ سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے فرمایا کہ جب ماز کا وقت آجائے تو اذان دینا اور تم دونوں میں جو بڑا ہو وہ تمہارا امام بن جائے۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ حدیث ابن ماجہ کو لائے ہیں۔ چونکہ اس کی سند ضعیف ہے اسی لئے اس کے ارشاد نبوی ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

باب من جلس فی المسجد ينتظر الصلوٰة وفضل المساجد

(مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے اور مسجدوں کی فضیلت کا بیان)

۶۲۴: حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال الملٰئكة تصلی علے احدكم مادام فی مصلاه مالم يحدث اللهم اغفرله' اللهم ارحمه الايزال احدكم فی صلوٰة ماكانت الصلوٰة تحبسه ان ينقلب الیٰ اهلة الا الصلوٰة

۶۲۵: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا يحيی عن عبيدالله قال حدثنی خبيب بن عبدالرحمن عن حفص بن عاصم عن ابی هريرة عن النبیّ صلے الله عليه وسلم قال سعة يظلهم الله فی ظله' يوم لاظل الا ظله الامام العاد وشآب نشأ فی عبادة ربه و رجل قلبه' معلق فی المساجد ورجلان تحآبا فی الله اجتمعا عليه و تفرقاً عليه ورجل طلبته ذات منصب وجمال فقال انی اخاف الله ورجل تصدق اخفآء حتی لاتعلم شماله' ما تنفق يمينه' و رجل ذكرالله خالياً ففاضت عيناه

۶۲۶: حدثنا قتيبة حدثنآ اسمٰعيل بن جعفر عن حميد قال سئل انس هل اتخذرسول الله صلے الله عليه وسلم خاتماً فقال نعم اخر ليلة صلوٰة العشآء الی شطرالليل ثم اقبل علينا بوجهه بعد ما صلے فقال صلے الناس و رقد واولم تزالوا فی صلوة منذانتظر تموها قال فكانی انظر الیٰ و بيص خاتمه

ترجمہ۶۲۴: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص باوضو اپنے مصلے پر (نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے، تو فرشتے استغفار کرتے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ، اس پر رحم کر! اور (سنو) تم میں سے ہر ایک شخص گویا نماز میں ہے، جب تک کہ واپس گھر جانے تک نماز کے علاوہ کوئی دوسرے چیز مسجد میں بیٹھنے کا سبب نہ ہو (یعنی صرف نماز ہی کے لئے بیٹھا رہا ہو)

ترجمہ۶۲۵. حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا، جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا، حاکم عادل، اور وہ نوجوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں (بچپن سے) بڑا ہوا ہو، اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، اور وہ دو شخص جو باہم صرف خدا کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے، اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے، اور وہ شخص جس کو کوئی منصب اور جمال والی عورت (زنا کے لئے) بلائے اور وہ یہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں

(اس لئے نہیں آسکتا) اور وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے، یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا، اور وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں (آنسوؤں سے) تر ہو جائیں۔

ترجمہ ۶۲۶: حضرت انسؓ سے پوچھا گیا، کیا رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی بنائی تھی (یا نہیں؟) انھوں نے کہا کہ ایک رات آپ نے عشاء کی نماز میں نصف شب تک دیر کر دی پھر نماز پڑھنے کے بعد آپ نے اپنا منہ ہماری طرف کیا، اور فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ کر سو رہے (لیکن) تم جب تک انتظار میں رہو گے، گویا نماز ہی میں رہو گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، گویا میں (اب بھی) آپ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ احادیث میں انتظار صلوۃ دونوں طرح کا ذکر ہوا ہے نماز سے قبل کا بھی اور بعد کا بھی، لیکن دوسرے کا تعامل سلف سے زیادہ ثابت نہیں ہے، **قولہ سبعة یظلهم الله** پر فرمایا کہ بعض روایات میں چھ کا ذکر ہے، اس کے لئے مشہور قاعدہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مفہوم عدد معتبر نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف وحی آئی ہیں اور حضور علیہ السلام نے ان کو اسی طرح بیان فرما دیا۔

قولہ و رجلان تحابا فی الله پر فرمایا کہ اس کی ایک شرح یہ بھی ہے کہ وہ دونوں ملنے کے وقت پر بھی اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کریں۔ اس کی تائید روایت سے بھی ہوتی ہے، لہٰذا باہمی تعلق و محبت تو بطور تمہید ہوئی اور اجتماع و افتراق کے وقت ذکر اللہ مقصود و مطلوب ٹھیرے گا۔ اور اس سے عام طور سے ملنے اور جدا ہونے کے وقت بھی ذکر اللہ کی فضیلت نکلتی ہے۔

باب فضل من خرج الی المسجد و من راح

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو صبح و شام کے وقت مسجد جائے

۶۲۷: حدثنا علی بن عبداللہ قال حدثنا یزید بن ہارون قال اخبرنا محمد بن مطرف عن زید بن اسلم عن عطآء بن یسار عن ابی ہریرة عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من غدآ الی المسجد اوراح اعداللہ لہ' نزلہ' من الجنة کلما غدا اوراح

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جو شخص صبح و شام (دونوں وقت) مسجد جائے، اللہ تعالے اس کے لئے جنت سے اس کی (اسی قدر) مہمانی مہیا کرے گا، جس قدر وہ گیا ہوگا۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں متن بخاری میں **من خرج** ہے اور حاشیہ میں دوسرا نسخہ ہے "**من غدا**" اور وہی اولی ہے۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ مساجد خدا کے گھر ہیں، لہٰذا جو بھی اور جتنی بار بھی ان گھروں کی حاضری دے گا، اللہ تعالیٰ بحیثیت میزبان کے اس کے لئے اتنی ہی مہمانی و ضیافت جنت سے مہیا کرے گا، اور جس طرح ہر شخص اپنے مہمان کے لئے ضیافت کا اہتمام کیا کرتا ہے۔ صبح و شام اور ہر نماز و حاضری کے وقت حق تعالیٰ بھی اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔۔۔۔ **سبحانہ ما اعظم شانہ و فضلہ**

باب اذا اقیمت الصلوٰة الاالمکتوبة

جب نماز کی تکبیر ہوجائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز نہیں

٦٢٨: حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن حفص بن عاصم عن عبداللہ بن مالک بن بحینة قال مرالنبی صلے اللہ علیہ وسلم برجدح قال وحدثنی عبدالرحمٰن قال حدثنا بھز بن اسد قال حدثنا شعبة قال اخبرنی سعد بن ابراھیم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلاً من الازدیقال لہ' مالک بن بحینة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلاً وقد اقیمت الصلوٰة یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث بہ الناس فقال لہ' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الصبح اربعا الصبح اربعاً تابعہ' غندرومعاذ عن شعبة فی مالک وقال ابن اسحاق عن سعد عن عبداللہ بن بحینة وقال حماد اخبرنا سعد عن حفص عن مالک

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھا حالانکہ نماز کی اقامت ہوچکی تھی، تو رسول خدا ﷺ نے اس سے فرمایا کہ صبح کی چار رکعتیں ہیں؟ کیا صبح کی چار رکعتیں ہیں؟

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ ایک گروہ اہل ظاہر کا حدیث الباب کے ظاہر پر ہی عمل کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اگر جماعت شروع ہوگئی تو جو شخص اس وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ باطل ہوگئی، حالانکہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں ہے، اور وہ سب یہی کہتے ہیں کہ نماز پوری کرلے اور قطع نہ کرے۔ پھر امام شافعی کا قول جدید یہ ہوا کہ جب صبح کی نماز جماعت شروع ہوجائے تو کوئی نماز نہ پڑھی جائے نہ صبح کی سنتیں نہ کوئی اور نہ مسجد کے اندر نہ باہر۔ قدیم قول ان کا بھی حنفیہ کی طرح تھا۔ اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے، بجز اس کے کہ وہ داخل مسجد و خارج کا فرق کرتے ہیں۔ یعنی اگر دونوں رکعت فرض جماعت سے مل جانے کی امید ہو تو مسجد سے باہر پڑھ لے، ورنہ نہیں۔ ابن العربی نے "الاقتراب" میں کہا کہ قعدہ اخیرہ ملنے کی توقع ہو تب بھی پڑھ لے، لیکن یہ قول ان کی عام کتب کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب میرے نزدیک جامع صغیر اور بدائع سے یہ محقق ہوا کہ مسجد سے باہر پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ ایک رکعت جماعت فرض کی پاسکے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرے علماء شافعیہ میں سے قسطلانی نے اور ابن رشد و باجی نے مالکیہ میں سے اسی کو اختیار کیا ہے۔ داخل مسجد کے جواز میں ان سے کوئی روایت نہیں ہے۔ پھر امام محمد نے آکر اس میں توسع کیا کہ ادراک قعدہ تک بھی سنتوں کی اجازت دی، اور ہمارے مشائخ حنفیہ نے مزید توسع کیا کہ مسجد میں بھی اجازت دے دی، اور غالباً سب سے پہلے امام طحاوی نے ایسا کیا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں اجازت دی۔ ان دونوں کے فصل کی صورت میں۔ اس طرح گویا صاحب مذہب (امام اعظمؒ) کی ایک شرط کو تو امام محمدؒ نے ختم کیا اور دوسری امام طحاوی وغیرہ کی توسیع سے ختم ہوگئی۔ لیکن میں تو امام اعظمؒ ہی کے مذہب پر عمل کرتا ہوں، اور اسی پر علما فتوے بھی دیتے رہے ہیں تاہم میں مسجد کے اندر پڑھنے والے سے بھی نزاع نہیں کرتا اور سوچ لیتا ہوں شاید کہ اس نے امام محمد و طحاوی کے قول پر عمل کیا ہو۔

بحث ونظر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کا استدلال حدیث ترجمۃ الباب کے عموم سے ہے کہ اس میں اقامت کے بعد دوسری نماز سے مطلقاً روک دیا گیا ہے، خواہ وہ مسجد میں ہو یا باہر، لہٰذا صبح کی دو رکعات سنت کا جواز باقی نہیں رہا، امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ترجمہ والی حدیث موقوف ہے، مرفوع نہیں ہے، جیسا کہ خود امام بخاریؒ کے طریقہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ترجمۃ الباب میں باب قول

النبی ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ الخ نہیں لکھا، ورنہ وہ حسب عادت اسی طرح تعبیر کرتے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے رسالہ قراءت[۱] خلف الامام ص۵ (مطبع علیمی دہلی) میں اس کو مرفوعاً ہی ذکر کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ خارج میں ان کے طریق استدلال میں توسع ہوتا ہے جبکہ صحیح بخاری کے اندر وہ مضبوط و مستحکم رویہ اختیار کرتے ہیں۔

امام بخاری کے بدیہی البطلان دعاوی:

امام بخاری صحیح کے علاوہ دوسرے تالیفات میں تو بعض اوقات ایسی بات بھی لکھ دیتے ہیں جو بدیہی البطلان ہوتی ہے۔ مثلاً رسالہ رفع الیدین ص۱۷ (مطبع محمدی لاہور) میں دعویٰ کیا کہ کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا، اسی طرح رسالہ قراءت ص۱۷ میں یہ دعویٰ کیا کہ صحابہ قائلین قراءۃ خلف الامام کا مسلک یہ تھا کہ رکوع پا لینے سے رکعت نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ دعاوی ناقابل قبول ہیں، جیسا کہ میں نے ان کو اپنے رسائل نیل الفرقدین اور فصل الخطاب میں مفصل لکھ دیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام بخاری نے اول تو ادراک رکعۃ بادراک الرکوع کے مسئلہ کو قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے ساتھ بے جوڑ لگا دیا ہے، پھر خود ہی غیر قائلین صحابہ کے نام زیادہ گنائے ہیں، اور قائلین میں صرف حضرت ابو ہریرہؓ کا ذکر کیا ہے اور ذہن کو مسئلہ قراءت کی طرف گھمانے کے لئے ان کا ارشاد "اقرا بہا فی نفسک" لائے ہیں، جبکہ ساتھ ہی ان کا ارشاد حتی تدرک الامام قائما بھی ذکر کیا، جس سے صاف واضح ہے کہ ان کا مسلک دوسرے صحابہ سے الگ صرف ادراک الامام قائماً کے لئے تھا، یعنی انحناء الامام للرکوع سے ایک سیکنڈ قبل بھی اگر مقتدی نے امام کے ساتھ شرکت کر لی تو رکعت پالی، اس میں یہ کہاں ہے کہ قبل الانحناء فاتحہ بھی پڑھ لے تب مدرک رکعت ہوگا؟

علامہ نوویؒ نے المجموع ص۲۱۵/۴ میں لکھا کہ مسئلہ ادراک رکعت بادراک الرکوع ہی صحیح و صواب ہے، جس کی تصریح امام شافعیؒ نے بھی کی ہے اور جماہیر اصحاب و جماہیر علماء امت اسی کے قائل ہیں اور احادیث نبویہ سے بھی یہی ثابت ہے بلکہ سب ہی لوگوں کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے، صرف صبغی (تلمیذ ابن خزیمہ) نے ان کی مخالفت کی ہے اور تقی الدین سبکی نے اس کی تائید کی ہے۔ الخ علامہ شوکانی بھی اس کے قائل ہوئے ہیں مگر پھر انھوں نے اپنے فتاویٰ میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ (معارف السنن ص۳۴۶/۲)

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد معارف السنن ص۲۸۰/۳ میں اور العرف الشذی ص۱۵۳ میں ہے کہ امام بخاریؒ نے جو عدم ادراک رکعۃ بادراک الرکوع کا مسئلہ اختیار کیا ہے اور اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ کو بھی اپنے موافق دکھلایا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ موطأ امام مالک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کے خلاف موجود ہے، جس میں ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جس کو رکعت مل گئی اس کو سجدہ بھی مل گیا، اور قراءت فاتحہ فوت ہو جانے کی وجہ سے وہ خیر کثیر سے محروم ہوا، اور دوسرے آثار سے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کا مسلک یہی ثابت ہوا کہ وہ امام کی انحنا للرکوع سے قبل نماز میں مل جانے کو ادراک رکعت مانتے تھے، اور فاتحہ پانے کو واجب نہ قرار دیتے تھے، لہٰذا امام بخاری کا مسلک مذکورہ رسالہ قراءۃ خلف الامام نہ سلف کے موافق ہے نہ علماء مذاہب اربعہ سے مطابق ہے۔ اور صحابہ و تابعین و من بعدہم سب کے خلاف ہے، اور امام بخاری کے بعد اس کو صرف ابوبکر صبغی وغیرہ ایک دو نے اختیار کیا ہے۔ اوجز المسالک ص۱۹/۱ میں بھی ایسی ہی تحقیق درج ہے دیکھ لی جائے۔

بخاری کی حدیث الباب میں دو غلطیاں

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:۔ امام بخاری اپنی صحیح میں تو کف لسان کرتے ہیں، لیکن باہر خوب تیز لسانی کرتے

---

[۱] فیض الباری ص۱۹۸/۲ میں بھی حضرتؒ کے یہی ارشادات درج ہیں البتہ رسالہ قراءت خلف الامام کی جگہ ضبط کی غلطی اور سبقت قلم سے جزء رفع الیدین لکھ دیا ہے۔ صاحب فیض اگر مراجعت کتب کا التزام کرتے تو ایسی اغلاط حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب نہ ہوتیں (مؤلف)

ہیں یہ کیا چیز ہے؟ دیکھوان کی تالیف جزء القراءۃ اور جزء رفع الیدین، پھر فرمایا کہ امام بخاری نے حدیث الباب کی روایت مالک بن بحینہ سے کی ہے حالانکہ وہ تو مسلمان بھی نہ ہوا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ روایت ان کے صاحبزادے عبداللہ نے کی ہے، جو صحابی تھے، دوسری غلطی یہ ہے کہ بحینہ کو مالک کی ماں ذکر کیا گیا، جبکہ وہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہے۔

تحقیق مزید: حضرتؒ نے فرمایا:۔ میری تحقیق یہ ہے کہ بعض احادیث بطور اصول مسلمہ شائع ہوگئی تھیں۔ اور اسی لئے ان کی سندیں نہیں ملتی تھیں، حدیث الباب "اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة" بھی غالباً اسی قبیل سے ہوگی، اور من کان له امام بھی اسی طرح کی ہوگی، نیز نہی عن البتیراء بھی جو حنفیہ پیش کرتے ہیں، پھر فرمایا ممکن ہے میرا یہ اصول بعض جگہ حنفیہ کو مضر بھی ہوگا۔

عزم ہجرت اور قیام دیوبند: حضرتؒ نے ضمناً فرمایا کہ میں بارادہ ہجرت وطن (کشمیر) چھوڑ کر آیا تھا، دیوبند ۱۸ سال رہا چھ سال تک مدرسہ سے کوئی وظیفہ یا تنخواہ نہیں لی، پھر نکاح ہوا تو ضرورتیں بڑھیں اور تنخواہ لی۔ شروع میں علم دین کی تحصیل کا جذبہ صرف اپنے بزرگوں کا اتباع تھا، نہ دنیا پیش نظر تھی، نہ دین کی خدمت کا ہی خالص جذبہ تھا۔

شان فنافی العلم: ہم نے علامہ کوثری اور حضرت شاہ صاحبؒ دو عالم ایسے دیکھے جن کی شان صحیح معنی میں فنافی العلم کی تھی، اور خدا نے ان دونوں کو فہم صحیح، دقت نظر اور حافظہ بھی بے نظیر عطا فرمایا تھا ہزار ہا مسائل مشکلہ کی تحقیق اس طرح کی کہ باید وشاید۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کی اشاعت اتنی بھی نہ ہو سکی جتنی علامہ کوثری کی ہوئی۔ اور یہ بہت بڑی کوتاہی ارباب اہتمام دارالعلوم دیوبند کی تھی کہ حضرتؒ سے تحقیقی وتالیفی کام نہ لئے گئے، اور صرف درس پر اکتفا کی گئی، یہ بھی ضروری تھا کہ حضرتؒ کو مصر، شام اور ترکی کے اسفار کرائے جاتے اور حضرتؒ وہاں طویل طویل قیام کر کے افادہ واستفادہ فرماتے۔ حضرتؒ کے رشتۂ زواج کے لئے بھی کسی علمی گھرانہ کا انتخاب کیا جاتا کہ اس خاندان کے لوگ آپ کے علم وفضل کے صحیح قدردان ہوتے اور آپ کے علمی افادات اور قلمی دستاویزات کی حفاظت کرتے، جس سے رہتی دنیا تک ان سے استفادہ ممکن ہوتا۔

اس کے برعکس یہ ہوا کہ پہلے حضرتؒ کی ذاتی کتابوں کو وفات کے بعد ہی فروخت کر دیا گیا جن پر حضرتؒ کے قلم سے نہایت گرانقدر حواشی تھے، پھر قلمی یادداشتوں کا بے بہا ذخیرہ، جو بقول حضرتؒ ہی تین بکسوں میں محفوظ تھا، اس سے غفلت برتی گئی جس سے وہ سب دیمک کی نظر ہو گیا۔ جبکہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ایسے جامع معقول ومنقول کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک جملہ سے ایک ایک رسالہ تالیف ہوسکتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے استاذ حدیث اور شیخ الاساتذہ دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحب کے علوم وکمالات ووسعت مطالعہ کے نہ صرف معترف تھے بلکہ بیسیوں مسائل مشکلہ حدیث وتفسیر وفقہ وغیرہ میں آپ سے رجوع واستفادہ کرتے تھے۔ یہ بھی حضرت تھانویؒ کا ارشاد تھا کہ حقانیت اسلام کی ایک دلیل حضرت شاہ صاحبؒ کا وجود بھی ہے، اگر اس میں کچھ بھی کجی ہوتی تو حضرتؒ اس کی نشان دہی ضرور فرماتے۔ غالباً یہ ریمارک حضرت تھانویؒ نے شاہ صاحبؒ کے حالات دور اختلاف کے پیش نظر کیا ہوگا۔ کہ علیحدگی کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی شان گرانے کے لئے جن بے حقیقت الزامات واتہامات سے نوازا گیا، اور حضرتؒ نے ان کے مقابلہ میں کوہ استقامت ہونے کا ثبوت دیا، وہ یقیناً ایک نہایت ہی سلیم الفطرت اور فرشتہ صفت انسان ہی سے ممکن تھا، اور اگر حضرتؒ کے اندر ادنی کجی بھی ہوتی، تو سلامت روی وخلق نبوی کا ایسا اعلی کردار آپ سے ظاہر نہ ہوتا۔ واضح ہو کہ زمانہ اختلاف میں حضرت تھانویؒ حزب اہتمام کے ساتھ رہے ہیں، پھر آپ نے سرپرستی دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے پہلے سے بھی زیادہ مداحین اولین میں شامل ہو گئے تھے،

امام بخاری اور رفع یدین پر دعوائے اتفاق صحابہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے نیل الفرقدین ص ۸۷ میں لکھا: ۔ امام بخاری کے دعوے مذکور کے خلاف خود ان کے تلمیذ و خلیفہ امام ترمذیؒ نے فیصلہ دیا ہے، انھوں نے لکھا کہ ترک رفع کے قائل بہت سے صحابہ و تابعین تھے، اور ہمارے نزدیک ترک رفع حضرت عمر، حضرت علی، ابن مسعود، ابو ہریرہ ابن عمر، براء بن عازب اور کعب ابن عجرہ سے ثابت ہے اور تابعین میں سے اصحاب علی و ابن مسعودؓ، جماہیر اہل کوفہ، بہت سے اہل مدینہ اور دوسرے اہل بلاد سے بھی ثابت ہے۔ پھر حضرتؒ نے ابن حزم اور ابن قیم کی غلطیوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ حضرتؒ کے دونوں رسالوں فصل الخطاب اور نیل الفرقدین مع حاشیہ کا مطالعہ ہر عالم مشتغل بالحدیث کو ضرور کرنا چاہئے۔

تحقیق مزید: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حدیث نبوی "**اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة**" کا منشاو مقصد اقامت صلوٰۃ کے بعد دوسرے کسی نماز کی ممانعت مسجد کے اندر ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب جواز فی الخارج کا ہے، کہ نظر شارع میں داخل مسجد و خارج کے احکام الگ الگ ہیں۔ (دیکھو فیض الباری ص ۲۰۲/۲)

امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اقامت کے بعد کوئی دوسری نماز نہ مسجد کے اندر پڑھ سکتا ہے نہ باہر۔ حالانکہ راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا فتویٰ موطأ امام مالک میں ہے اور دوسرے راوی حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ معانی الآثار طحاوی میں ہے کہ صبح کی دو رکعت خارج مسجد پڑھی جائیں اگرچہ امام نے نماز فرض شروع کر دی ہو۔ پھر یہاں ایک حدیث صحیح ابن خزیمہ کی بھی ہے جو عمدۃ القاری ص ۱۱۷/۲ میں نقل ہوئی کہ حضور علیہ السلام اقامت نماز کے وقت نکلے تو لوگوں کو دیکھا کہ جلدی جلدی دو رکعت پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ پھر آپ نے ممانعت فرمائی کہ اقامت ہو جائے تو مسجد میں دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔

اگر اس حدیث کی نقل صحیح ہے تو اس سے واضح فیصلہ مل جاتا ہے کہ ممانعت صرف مسجد کے اندر کی ہے اور یہ چونکہ خاص طور سے صبح کی سنتوں کا واقعہ ہے تو اس بات کا بھی جواب ہو جائے گا کہ کچھ حدیثوں میں عام نمازوں کے وقت کی ممانعت آئی ہے بلکہ کسی میں فجر کو بھی ممانعت کے تحت داخل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ احادیث ضعیف ہیں۔

لہٰذا صحیح ابن خزیمہ کی حدیث صحیح کو ترجیح ہوگی۔ مگر مجھے تردد ہے کہ کہیں حافظ عینیؒ نے یہ حوالہ سبقت قلم سے نہ دے دیا ہو، کیونکہ بہت ہی زود قلم تھے۔ ساری قدوری کو ایک دن میں نقل کر لیا تھا، لوگوں کو ان کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی، اور بعض مرتبہ خود بھی اپنی تحریر وقت سے پڑھتے تھے، دوسرے اس سے شبہ ہوا کہ حافظ نے یہاں[1] ابن خزیمہ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ تاریخ بخاری و مسند بزار وغیرہ کا دیا ہے۔ جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے۔ (فتح ص ۱۰۲/۲)

حضرتؒ نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ "عینی کے حوالہ مذکورہ کی تصحیح و تحقیق بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح ابن خزیمہ کا قلمی نسخہ بھی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے، البتہ سنا ہے کہ جرمن کے کتب خانہ میں ایک تہائی حصہ ہے، اس پر حافظ کے دستخط ہیں اور حافظ کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ نہیں تھی۔

صحیح ابن خزیمہ شائع ہوگئی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ حضرتؒ کے کلمات مذکورہ درس بخاری شریف مورخہ ۱۲ مئی ۱۹۳۲ء کے ہیں، میری درسی بیاض ص ۹۵۷ میں

---

[1] عجیب بات ہے کہ حافظ نے فتح الباری میں تاریخ بخاری و مسند بزار کے حوالہ سے محمد بن عمار اور ابن ابی نمر کی روایت کا ذکر کیا ہے، اور ممکن ہے وغیرہما میں صحیح ابن خزیمہ بھی مضمر ہو، اور ان کے پاس وہ موجود بھی تھی، اور عمدۃ القاری میں بھی اس کا حوالہ دیکھا ہوگا، پھر بھی اس کے حوالہ کی صراحت نہیں کی، کہیں ایسا تو نہیں کہ فی المسجد کی قید سامنے سے ہٹائی تھی، تاکہ شافعیہ کے مقابلہ میں حنفیہ کو فائدہ نہ پہنچ جائے، کیونکہ ایسا تو وہ فتح الباری میں کیا ہی کرتے ہیں کہ حنفیہ کے فائدہ کی حدیث مقام بحث سے ہٹا کر دوسرے مقام میں ذکر کر دیتے ہیں۔ کما اشار الیہ العلامة الکشمیریؒ واللہ تعالٰی اعلم۔

درج اور اس طرح یاد بھی جیسے اب سن رہا ہوں، خدا کی شان کریمی و رحیمی کے قربان جایئے کہ جن کتابوں کے لئے ہمارے اکابر زیارت کو ترستے تھے، وہ آج ہمارے سامنے طبع ہو کر آ گئی ہیں، اگرچہ اس امر کا انتہائی رنج و ملال بھی ہے کہ اب ان کتابوں کی قدر کرنے والے تو کیا مطالعہ کرنے والے بھی نہیں ہیں، صحیح بخاری شریف کے درس اور ختم بڑے اہتمام و شان سے بہ کثرت مدارس میں ہونے لگے مگر اس کے درس کا حق ادا کرنے والا ہزار میں ایک بھی مشکل سے ہوگا، فن رجال کا علم تو جیسے بالکل ہی ختم ہو گیا جو حدیث کا نصف علم ہے۔ ہمارے دور کے علماء میں سے بہت سے علماء کی حدیثی تالیفات سامنے ہیں، بجز علامہ کوثری اور علامہ کشمیریؒ کے کس کی تالیفات میں رجالی ابحاث کا حق ادا کیا گیا ہے؟ فیاللعجب ویاللاسف!!

ہمارے ایک متشدد بزرگ مولانا عبداللہ خاں صاحب کرتپوری (تلمیذ رشید علامہ کشمیریؒ) کی رائے تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ مدارس عربیہ کے شیوخ حدیث فن رجال حدیث سے بے بہرہ اور تحقیق و وسعت مطالعہ سے محروم ہیں تو ان کے درس بخاری سے بجائے فروغ حنفیت کے سلفیت و غیر مقلدیت ہی کو عروج و ترقی ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بات شاید دور جا رہی ہے مگر خیال تو فرمایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر درس بخاری شریف میں تحقیق کا دریا بہاتے بہاتے کہاں تک جاتی تھی، صحیح ابن خزیمہ ہی ہمیشہ نوادر عالم میں سے رہی، تحقیق کا ستارا کس قدر دور دراز آسمان سے توڑ کر لانے کی سعی کی جا رہی ہے، تاکہ حضور علیہ السلام کی ایک صحیح و قوی تر سنت کی نشان دہی کر دینے میں کوئی بھی کور کیر اپنی طرف سے اٹھا کر نہ رکھ دی جائے، خوب ہی فرمایا تھا شیخ السنہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہ "یہ کیا بار بار کہا کرتے ہو کہ ابوحنیفہ نے یہ رائے دی، وہ رائے دی' ہرگز نہیں، وہ ان کی رائے نہیں ہے بلکہ وہ جتنے فیصلے دے چکے ہیں وہ سب بالکل معنی الکلمہ معانی حدیث نبوی ہیں" پہلے بھی کہیں لکھا تھا اور اب پھر یاد دلا دوں کہ یہ شیخ السنہ وہ بلند ترین اور مایہ ناز ہستی تھے، جن کو امام بخاریؒ نے اعلم اہل زمانہ کا لقب دیا تھا، اگرچہ امام موصوف ہی نے نہ معلوم کس حال سے مغلوب ہو کر یہ بھی کہہ دیا تھا کہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک ایسے اعلم اہلِ زمانہ کو چھوڑ کر جاہلوں کی تقلید کر لی، یہ اشارہ جس ذاتِ اقدس کی طرف گیا، پہلے بتلا چکا ہوں، اس وقت دہرا کر اپنی اور دوسروں کی اذیتِ قلب کا باعث بننا نہیں چاہتا۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد   دگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

اب تصحیح حوالہ کی بات بھی سن لیجئے! مطبوعہ صحیح ابن خزیمہ کے ص ۲/۱۷۰ میں حدیث نمبر ۱۱۲۶ بروایت محمد بن عمار انصاری عن شریک بن عبد اللّٰہ. وھو ابن ابی نمر. عن انسؓ قال خرج النبی ﷺ حین اقیمت الصلوۃ، فرای ناساً یصلون رکعتین بالعجلۃ، فقال:. "اصلاتان معاً؟ فنھی ان یصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلاۃ.

اس کے حاشیہ میں لکھا گیا کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔ اور دوسرے محشی ناصر الدین البانی نے لکھا کہ ابن ابی نمر رجال شیخین میں سے ہیں، لیکن حافظ نے کہا:۔ صدوق یخطی (سچے ہیں، کبھی خطا بھی کرتے ہیں)۔

اس سے قبل حدیث نمبر ۱۱۲۴ میں سنتِ فجر بعد اقامت کی ہے، اس کے بارے میں ناصر صاحب نے حاشیہ دیا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے، صالح بن رستم ابو عامر خزار کثیر الخطاء ہے (یعنی بہ کثرت خطا کرتا ہے، دوسرے یہ کہ حدیث نمبر ۱۱۲۴ و نمبر ۱۱۲۵ میں مسجد کے اندر کا واقعہ ہے، جو بحث سے خارج ہے۔ لہٰذا خارج کا جواز فی المسجد کی قید سے بخوبی ثابت ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی احادیث مذکورہ پر باب کا عنوان اس طرح ہے:۔ "باب النھی عن ان یصلی رکعتی الفجر بعد الاقامۃ، ضد قول من زعم انھما تصلیان والامام یصلی الفریضۃ" خیال کیا جائے کہ حدیث نمبر ۱۱۲۶ میں فی المسجد کی قید امام شافعیؒ کے قول کی ضد ہے، یا امام ابوحنیفہؒ کی۔ پھر خود ممانعت کے راوی حضرت ابن عمرؓ نے بھی تو ممانعت کو مسجد ہی کے ساتھ مخصوص سمجھا تھا، اسی لئے وہ مسجد میں تو دوسروں کو روکتے تھے مگر خود عمل یہ تھا کہ جب بھی اقامت سن لیتے تھے تو صبح کی سنتیں اپنی بہن

حضرت حفصہ کے گھر پڑھ کر مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے، (فتح الباری ص ۲\۱۲۶) ایسا ہی علامہ بھکلی نے شرح نسائی میں لکھا ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت بھی نقل کی ہے کہ "لا صلوۃ فی المسجد اذا اقیمت الصلوۃ" حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح نسائی کا نسخہ راندیر میں موجود ہے، اور غالباً کہیں اور موجود نہیں ہے۔ نیز فرمایا میرا گمان ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل معارف السنن ص ۸۸\۱۷ جلد رابع میں دیکھی جائے۔

صحیح ابن خزیمہ کا مرتبہ

فاضل محترم دکتور محمد مصطفے الاعظمی عم فیضہم دنیائے اسلام کے عموماً اور اہل علم کے خصوصاً عظیم شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ترکی کا سفر کر کے استنبول (مکتبہ احمد الثالث) سے مخطوطہ صحیح ابن خزیمہ کا فوٹو حاصل کیا۔ اس مخطوطہ کے ۳۰۱ ورق ہیں اور ایک صفحہ کی ۲۵ سے ۳۱ تک سطریں ہیں۔ اعظمی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ مطبوعہ دو جلدوں میں مخطوطہ کا کتنا مواد آ گیا ہے اور باقی حصہ مزید کتنی جلدوں میں آ سکے گا۔ آپ نے لکھا کہ اس مخطوطہ کے علاوہ اب تک کسی دوسرے نسخہ کا علم نہیں ہو سکا ہے اور شاید یورپ میں بھی اس کا وجود کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ مخطوطہ کے پہلے ورق پر اس کا نام "صحیح ابن خزیمہ" لکھا ہوا ہے، لیکن کتاب کے شروع میں نام **"مختصر المختصر من المسند الصحیح"** درج ہے۔ اور یہ بات شبہ میں ڈالتی ہے۔ الخ مقدمہ ص ۲۵

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس مخطوطہ کے نام تو دونوں ہی ہوں گے، اور اسی لئے ہمیشہ لوگوں کو اشتباہ بھی رہا ہوگا، اور شاید یورپ (جرمن وغیرہ) کے نسخوں پر بھی نام کے اشتباہ کی وجہ سے یقین نہ ہوا ہوگا، جس طرح استنبول کا نسخہ بھی لوگوں کی نظر سے اوجھل رہا ہے، اور بقول ڈاکٹر صاحب کے صرف ان کو دریافت ہوا۔

محترم اعظمی صاحب نے اپنے مقدمہ میں محقق نصب الرایہ کا شکوہ کیا ہے کہ انہوں نے صحیح ابن خزیمہ کو بخاری، مسلم، ابوداؤد و نسائی سے کم مرتبہ بتلایا ہے، اور فتح المغیث کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ کتاب ابن خزیمہ میں ایسی بھی احادیث ہیں، جن کو ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا حالانکہ ان کا درجہ حسن سے زیادہ نہیں ہے۔ اعظمی صاحب نے لکھا کہ اس قول کی تفنید کی ضرورت نہیں، کیونکہ خود کتاب ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ (ص ۲۱) لیکن ص ۲۲ میں عماد بن کثیر کا ریمارک خود بھی نقل کیا اور فتح المغیث کا نقد مذکور بھی احمد شاکر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، پھر لکھا۔ "میں کہتا ہوں کہ صحیح ابن خزیمہ، صحیحین (بخاری و مسلم) جیسی نہیں ہے کہ یہ کہہ دینا ممکن ہو کہ جو احادیث اس میں ہیں وہ سب صحیح ہیں، بلکہ اس میں وہ بھی ہیں جو درجۂ صحیح سے کم درجہ کی اور صحیح ابن خزیمہ صرف صحیح و حسن احادیث پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں اگرچہ وہ بہت کم ہیں بہ نسبت صحیح و حسن کے۔ اور واہی یا شدید ضعف والی احادیث تو ملیں گی ہی نہیں الا نادراً، جیسا کہ تعلیقات سے واضح ہو جائے گا، ہم نہیں سمجھ سکے کہ محقق نصب الرایہ کی بات اتنی بری کیوں لگی تھی کہ اس کو خاص طور سے ہدف ملامت بنایا گیا، جبکہ اس نے ضعیف، واہی اور شدید الضعف احادیث کا وجود تو نادراً بھی نہیں بتلایا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ کا ذکر

صحیح مذکور سے قبل محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید شائع ہو چکی ہے، جس پر پہلے امام رازی وغیرہ نے نقدِ شدید کیا تھا۔ اور اب اشاعت کے بعد علامہ کوثری وغیرہ نے تفصیلی نقد کیا ہے، ملاحظہ ہو مقالاتِ کوثری وغیرہ۔

تکملہ: صحیح ابن خزیمہ سے متعلق جبکہ وہ اب شائع ہو گئی ہے، اتنی بات اور بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ تصحیح حدیث کے بارے میں متساہل ہیں، اور انہوں نے اپنی صحیح میں زیادہ تر وہی احادیث و آثار جمع کئے ہیں، جو ان کی فقہی رائے کے مطابق تھے، مثلاً ص ۲\۹۲ میں کئی سطر کا

عنوان قائم کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی کہ فرضِ صبح کی ایک رکعت اگر طلوعِ شمس سے قبل پڑھ لی جائے اور دوسری طلوع کی حالت میں تو نماز صحیح ادا ہوگئی۔ اور اس کے خلاف رائے والوں کو جاہل قرار دیا، پھر اسی کے لئے ایک حدیث پیش کر دی، دوسرے حضرات کا مستدل ذکر نہیں کیا۔ ہم اس کی پوری بحث پہلے لکھ چکے ہیں۔ یا ص۱/۲۹۴ میں رفعِ یدین للرکوع وبعد الرکوع کا باب قائم کیا اور دو حدیث ذکر کیں۔ پھر دوسرا باب امر نبوی للرفع عند الرکوع وبعدہ قائم کیا اور اس کو بھی حضور علیہ السلام کے ایک مجمل وعام حکم سے ثابت کیا، دوسری طرف کے دلائل کے لئے دوسرے محدثین کی طرح نہ باب قائم کیا نہ ان کی احادیث پیش کیں۔ برخلاف اس کے مصنف ابن ابی شیبہ کو دیکھئے کہ ص۱/۲۳۴ میں ایک باب رفعِ یدین کے لئے قائم کیا اور احادیث وآثار دونوں ذکر کئے، پھر ص۱/۲۳۶ میں باب **رفع الیدین فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود** کا قائم کر کے اس کے لئے بھی احادیث نبوی وآثار صحابہ کا ڈھیر لگا دیا۔ اسی لئے اس مسئلہ کو محدث ابن ابی شیبہ نے ان مسائل میں بھی داخل نہیں کیا، جن میں حنفیہ کو مخالفتِ حدیث کا الزام دیا ہے اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کو غلط فہمی ہوئی اور بیشتر مسائل میں انہوں نے حنفیہ کا مسلک ہی غلط سمجھا اور بہت سے مسائل کے دلائل بھی ان کے سامنے نہ آسکے تھے، وغیرہ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور علامہ کوثری کا رد بھی اس بارے میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتا ہے، تاہم یہ بھی ضرورت ذہن میں رکھا جائے کہ انہوں نے تیز لسانی یا سخت الفاظ کا استعمال نہیں کیا ہے، جبکہ بقول علامہ کوثری کے ان ہی کے مسائل کو بنیاد بنا کر اور ابن حزم کی محلی وغیرہ کو سامنے رکھ کر علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں حنفیہ کے خلاف پروپیگنڈے کا طویل وعریض سلسلہ قائم کیا، اور حنفیہ وغیر مقلدینِ زمانہ کو باہم لڑانے کا نہایت خطرناک مواد چھوڑ گئے، جبکہ ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ نے فقہِ حنفی کی تائید وتعظیم میں بہت زیادہ لکھا تھا اور اسی کو میں نے ''دو بڑوں کا فرق'' عنوان دے کر پہلے کچھ لکھا تھا۔

کتاب التوحید لابن خزیمہ سے متعلق بھی اتنی بات اور لکھنی ہے کہ حدیث وضع السموات علی اصبع میں قولِ یہود پر جو حضور علیہ السلام کے ضحک کو بعض حضرات نے تائید وتقریر پر محمول کیا ہے، اس کا حافظ ابن حجرؒ نے بھی شرح بخاری میں رد کیا ہے، اور وہاں ابن خزیمہ کی بھی غلطی جتلائی ہے، اور اس کتاب کو محققین نے بابِ عقائد میں ناقابلِ اعتماد کتب میں سے شمار کیا ہے، امام رازی نے بھی آیت **لیس کمثلہ شیء** کے تحت اس کا رد وافر کیا ہے۔ (السیف الصقیل ص۵۱)

السیف ص۱۰۸ میں یہ بھی ہے کہ محدث ابن خزیمہ باوجود وسعتِ علم فقہ وحدیث کے علم اصول الدین (عقائد) سے ناواقف تھے، اور اس امر کا اعتراف خود بھی انہوں نے کیا ہے (کمافی الاسماء والصفات بیہقی ص۲۰۰) اور امام رازی نے تو ان کی کتاب التوحید کو کتاب الشرک تک کہہ دیا ہے، پھر ص۱۰۹ میں لکھا کہ وہ اگر کسی امر میں صواب اختیار کرتے ہیں تو معتقدات میں کتنی ہی بار غلطی بھی کرتے ہیں اسی لئے ان کی کتاب التوحید کا رد لکھنے کی ضرورت ہے۔ اور جن ابن خزیمہ سے امام طحاوی نے روایت کی ہے وہ صاحب کتاب التوحید نہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی حنبلیؒ نے دفع شبہۃ التشبیہ ص۱۱ میں لکھا کہ قاضی ابو یعلی حنبلی نے عین کو حق تعالیٰ کی صفتِ زائد علی الذات قرار دیا ہے اور ان سے قبل ابن خزیمہ نے بھی کہا تھا (**لربنا عینان ینظر بھما**) ہمارے رب کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور ابن حامد نے بھی کہا کہ اس کا ایمان رکھنا واجب ہے کہ خدا کی دو آنکھیں ہیں، لیکن یہ سب ابتداع ہے، جس پر کوئی دلیل شرعی ان سب کے پاس نہیں ہے۔ اور حدیث لیس باعور سے بطور دلیلِ خطاب استدلال کرنا ہی غلط ہے، نیز محدث ابن خزیمہ نے قولِ باری تعالیٰ **الھم ارجل یمشون بھا** (نمبر ۱۹۵ اعراف) سے خدا کے لئے پاؤں بھی ثابت کئے ہیں۔

محترم دکتور اعظمی صاحب عم فیضہم نے مقدمۂ صحیح ابن خزیمہ ص۱۰ میں محدث ابن خزیمہ کی منقبت میں طبقات الشافعیہ اور سیر اعلام النبلاء کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ وزن کے طریقہ سے واقف نہ تھے اور نہ دس اور بیس میں فرق کر سکتے تھے ان کے پوتے نے بیان کی کہ بسا اوقات ہم ان سے دس لے لیتے تھے اور وہ ان کو پانچ ہی سمجھتے تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو خود ان کا اقرار واعتراف اصول وعقائد کے دقیق

مسائل نہ سمجھ سکنے کا بھی درست ہی سمجھنا چاہئے، اور یہ ضروری ہے بھی نہیں کہ ایک شخص اگر محدث ہو مثلاً تو وہ ضرور فقیہ بھی ہو یا متکلم واصولی بھی ہو، یہ اس لئے بھی لکھنا پڑا کہ اس دور کے ہمارے سلفی بھائی محدث ابن خزیمہ کی کتاب التوحید پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ والحق احق ان یقال، علم عقائد واصول میں محدثِ علام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات بڑے پایہ کی گراں قدر ومعتمد تالیف ہے، جو ہندوستان میں بھی عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی اور اب علامہ کوثری کے نہایت محققانہ محدثانہ حواشی کے ساتھ دار احیاء التراث العربی، بیروت. لبنان سے شائع ہوگئی ہے، اس کا مطالعہ ہر عالم ومحقق کو کرنا چاہئے۔ علامہ نے عقائد ورجالِ حدیث پر بے نظیر کلام کیا ہے، راقم الحروف کے پاس یہاں کا مطبوعہ نسخہ بھی تھا اور اب بیروت والا بھی آ گیا ہے۔ فالحمد للہ اولاً وآخراً

بیروت سے حال ہی میں ذریعہ ہوائی پارسل ملنے والی کتابوں میں ایک اہم ترین کتاب "**المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی**" بھی ہے۔ جس کی پہلی جلد ضخیم طلائی سنہری ۱۹۳۶ء میں لیدن (ہالینڈ) سے شائع ہوئی تھی۔ اور ساتویں آخری جلد ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی یہ علمِ حدیث کے درس وتصنیف کا مشغلہ رکھنے والوں کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے، کیونکہ یورپ کے مستشرقین غیر مسلم علماء کی برسہا برس کی کاوش ومحنت اور صرفِ زرِ کثیر کے بعد طبع ہو کر شائع ہوئی، اس کو حروفِ تہجی کے ذریعہ مرتب کیا گیا ہے کہ صحاح ستہ وغیرہ کتبِ حدیث میں جس لفظ کو بھی تلاش کرنا ہو ذرا سی دیر میں اس کے حوالہ سے اس لفظ اور حدیث کو حاصل کر لیں گے۔ کتنی کار آمد قیمتی چیز ہے، مگر اب اس سے فائدہ اٹھانے والے ہمارے کتنے مؤلفین واساتذۂ حدیث ہیں؟ اکبر الہ آبادی نے صحیح کہا تھا۔

نئی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے انھیں ساحل نہیں ملتا، انہیں کشتی نہیں ملتی

مگر اب تو ہمیں کشتی بھی مل رہی ہے، ہم اس میں سوار ہی نہ ہوں تو قصور کس کا؟

باب حدالمريض ان يشهد الجماعة

۶۲۹: حدثنا عمر بن حفص بن غياث قال حدثني ابي قال ثنا الاعمش عن ابراهيم قال الاسود كنا عند عائشة فذكرنا المواظبة على الصلوة والتعظيم لها قالت لما مرض النبي صلے الله عليه وسلم مرضه الذي مات فيه فحضرت الصلوة فاذن فقال مروا ابابكر فليصل بالناس فقيل له ان ابا بكر رجل اسيف اذا قام مقامك لم يستطع ان يصلي بالناس واعادفاعادوا له فاعادالثالثه فقال انكن صواحب يوسف مروا ابابكر فليصل بالناس فخرج ابوبكر يصلي فوجدالنبي صلے الله عليه وسلم من نفسه خفة فخرج يهادى بين رجلين كاني انظر الىٰ رجليه تخطان الارض من الوجع فاراد ابوبكر ان يتاخر فاوماً اليه النبي صلے الله عليه وسلم ان مكانك ثم اتى به حتىٰ جلس الىٰ جنبه فقيل للاعمش فكان النبي صلے الله عليه وسلم يصلي و ابوبكر يصلي بصلوته والناس يصلون بصلوة ابي بكر فقال براسه نعم رواه ابوداؤد عن شعبة عن الاعمش بعضه' وزادابومعاويه جلس عن يسار ابي بكر فكان ابوبكر يصلي قائماً

ترجمہ: حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (بیٹھے ہوئے) نماز کی پابندی اور اس کی بزرگی کا بیان کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم ﷺ اپنے اس مرض میں جس میں آپ نے وفات پائی، مبتلا ہوئے، اور نماز کا وقت آیا۔ اور اذان ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، آپ سے عرض کیا گیا کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو شدتِ غم سے) وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے، دوبارہ پھر آپ نے فرمایا، پھر لوگوں نے وہی عرض کیا، سہ بارہ آپ نے حکم فرمایا، اور فرمایا، کہ تم یوسف کے گھیرے میں لینے والی عورتوں کی طرح معلوم ہوتی) ہو، ابوبکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز

پڑھاویں، چنانچہ (کہہ دیا گیا) ابوبکرؓ نماز پڑھانے چلے، اتنے میں نبی ﷺ نے اپنے آپ میں کچھ خفت (مرض کی) پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نکلے، گویا میں (اب بھی) آپ کے دونوں پیروں کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ بہ سبب (ضعف) مرض کے زمین پر گھسٹتے ہوئے جاتے تھے، پس ابوبکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، نبی کریم ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ لائے گئے، یہاں تک کہ ابوبکرؓ کے پہلو میں آپ بیٹھ گئے، اعمش سے پوچھا گیا، کہ کیا نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے، اور ابوبکر آپ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، تو اعمش نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! اور ابومعاویہ نے اتنے لفظ زیادہ روایت کیے کہ آپ ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، اور ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے تھے۔

۶۳۰: حدثنا ابراهیم بن موسیٰ قال اخبرنا هشام بن یوسف عن معمر عن الزهری قال اخبرنی عبیدالله بن عبدالله قال قالت عائشة لما ثقل النبی صلی الله علیه وسلم واشتدوجعه، استاذن ازواجه، ان یمرض فی بیتی فاذن له، فخرج بین رجلین تخط رجلاه الارض وکان بین العباس و بین رجل اٰخر قال عبیدالله فذکرت ذٰلک لا بن عباس ماقالت عآئشة فقال لی وهل تدری من الرجل الذی لم تسلم عآئشة قلت لاقال هو علی بن ابی طالبؓ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے اور مرض آپ کا بڑھ گیا، تو آپ نے اپنی بیبیوں سے اجازت مانگی کہ میرے گھر میں آپ کی تیمارداری کی جائے سب نے اجازت دے دی، پس آپ دو آدمیوں کے درمیان میں (سہارا لے کر نماز کو) نکلے، آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، اور آپ عباسؓ کے اور ایک اور شخص کے درمیان میں (سہارا) لگائے ہوئے تھے، عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے جو کچھ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا تھا، اس کا ذکر ابن عباسؓ سے کیا، انہوں نے کہا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون تھا، جس کا نام حضرت عائشہؓ نے نہیں لیا، میں نے کہا، نہیں انہوں نے کہا، وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ تھے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ جب تک اتنی بھی طاقت باقی ہو کہ کسی آدمی کے سہارے مسجد میں جا سکے، اس وقت تک اس کو جماعت نہ چھوڑنی چاہئے۔ تاہم حالات مرض و مریض مختلف ہوتے ہیں کوئی قاعدہ اس سلسلہ میں بتانا مشکل ہے، حضور علیہ السلام ایسی حالت میں بھی دو کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، مگر اس کو واجب نہیں قرار دے سکتے، اور خود حضور علیہ السلام بھی کئی روز تک علیل رہے اور بہت سی نمازوں میں شرکت نہیں فرمائی، اگر وجوب ہوتا تو آپ ہر نماز میں شرکت فرماتے۔

علامہ بیہقی نے لکھا کہ آپ سترہ نمازوں میں شریک نہ ہو سکے، پانچ روز علالت کا سلسلہ رہا جیسا کہ حدیث مسلم سے معلوم ہوتا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان دنوں میں چار نمازوں کی شرکت ثابت ہے۔ جن میں سے ایک پہلے دن جمعرات کی عشاء اور دوسری فجر دوشنبہ کی ہے۔

''اسیف'' کا ترجمہ حضرتؒ نے فرمایا نرم دل جو مغموم رہتا ہو۔ صاحب یوسف نے فرمایا کہ حضرت عائشہ ظاہر میں تو حضرت ابوبکرؓ کے اسیف ہونے کا عذر کر رہی تھیں اور دل میں یہ کھٹکا تھا کہ کہیں لوگ ان کی امامت سے بدفالی نہ لیں (کہ یہ اچھے امام ہوئے تھے کہ حضور علیہ السلام اچھے نہ ہوئے اور وفات ہو گئی۔ وجہ تشبیہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتیں بھی دل میں کچھ بات رکھتی تھیں اور ظاہر دوسری بات کرتی تھیں۔ وکذا فی فتح الباری ص ۲\۱۰۵

باب الرخصة فی المطر والعلة ان یصلی فی رحله

بارش اور عذر کی بنا پر گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت کا بیان

۶۳۱: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع ان ابن عمر اذن بالصلوٰة لیلة ذات برد وریح ثم قال الاصلوا فی الرحال ثم قال ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یامر المؤذن اذا کانت لیلة ذات برد ومطر یقول الاصلوا فی الرحال

۶۳۲: حدثنا اسمٰعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن محمود بن الربیع الانصاری ان عتبان ابن مالک کان یؤم قومہ' و ھو اعمیٰ و انہ' قال لرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ انھا تکون الظلمة والسیل وانا رجل ضریر البصر فصل یا رسول اللہ فی بیتی مکانا اتخذہ مصلی فجآء ہ' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال این تحب ان اصلی فاشار الیٰ مکان البیت فصلی فیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ۶۳۱: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک سرد اور ہوادار شب میں نماز کی اذان دی، جس میں یہ بھی کہہ دیا، کہ لوگو! اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو، اس کے بعد کہا کہ رسول خدا ﷺ موذن کو حکم دیتے تھے، جب رات سرد اور بارش کی ہو، تو کہہ دے الا صلوا فی الرحال:.

ترجمہ۶۳۲: حضرت محمود بن ربیع انصاری روایت کرتے ہیں، کہ عتبان اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے (چونکہ) وہ نابینا تھے انہوں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ (کبھی) اندھیرا ہوتا ہے، اور پانی (بہتا) ہوتا ہے، اور میں اندھا آدمی ہوں، (اس وقت نہیں آسکتا) تو یا رسول اللہ آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھا دیجئے، تاکہ میں اس کو مصلے بنالوں، پس رسول خدا ﷺ (ان کے ہاں) تشریف لائے اور فرمایا، جہاں تم کہو، نماز پڑھ دوں، انہوں نے گھر کے ایک مقام کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہاں رسول خدا ﷺ نے نماز پڑھی۔

تشریح: معلوم ہوا کہ بارش میں جب راستہ خراب ہو جائے تو جماعت کا ترک کر دینا جائز ہے، لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بارش زیادہ ہو تو وہ حنفیہ کے یہاں نماز جمعہ کے لئے بھی عذر بن سکتی ہے، اور اس کا فیصلہ اپنے دل سے کرنا چاہئے کہ وہ اس وقت عذر بننے کے لائق ہے یا نہیں، کیونکہ انسان کا ضمیر اپنا حال زیادہ صحیح جاننے کی وجہ سے درست ہی فیصلے کرتا ہے، اگرچہ ظاہر میں وہ کیسے ہی حیلے حوالے کرے۔

قولہ الا صلوا فی الرحال پر فرمایا کہ غالباً یہ اعلان اذان پوری کرنے کے بعد ہی ہوگا، پھر یہ کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عتبان نابینا کو ترک جماعت کی اجازت دی اور حضرت ابن ام مکتومؓ کو نہیں دی، اس کی ایک وجہ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہے کہ حضور نے ایک کے لئے رخصت پر عمل کو پسند فرمایا اور دوسرے کے لئے عزیمت کو، میرے نزدیک یہ فرق ہے کہ ایک اذان کو سن سکتے ہوں گے، دوسرے نہیں، جس کا ذکر حدیث میں بھی ہے، پھر یہ کہ اعذار کے بھی مراتب ہوتے ہیں، شاید حضرت ابن ام مکتومؓ کا عذر حضرت عتبانؓ کے عذر سے کم درجہ کا ہو۔ اس لئے ایک کو رخصت دی اور دوسرے کو نہ دی ہو، اگلے باب کی ایک حدیث بخاری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص نے اپنے زیادہ بھاری جسم والے ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے عذر کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا، تو آپ نے اس کے گھر پر نماز پڑھی، صاحب فیض الباری نے اس روایت کو بھی یہاں تائیداً پیش کیا ہے، مگر وہ محلِ نظر ہے، کیونکہ اس رجل سے حضرت عتبان کو مراد لینا احتمالِ بعید ہے، چنانچہ محقق عینیؒ نے بھی حافظ کے اس احتمال پر نقد کیا ہے۔ اور صاحب فیض کی عبارت ''فی ہذا الباب'' اور قال

الحافظ وہوعتبان'' ان کی حسبِ عادت مسامحت ہے۔ کیونکہ حدیث مذکوراگلے باب میں ہےاور حافظ نے خود جزم نہیں کیا، بلکہ قیل سے کسی دوسرے کا قول نقل کیا ہے، اور نام بھی ظاہر نہیں، جس سے اس قول کا وزن معلوم ہوسکتا۔ حافظ عینیؒ نے حدیثِ مذکور کے تحت فائدہ نمبر۶ میں زیادہ موٹے ہونے کو بھی اعذارِ ترکِ جماعت میں شامل کیا ہے اور صاحبِ صحیح ابن حبان سے دس اعذار ثابتہ من الحدیث نقل کئے، (۱) مرض مانع ہو (۲) حضورِ طعام بوقتِ مغرب (۳) بھول بعض احوال میں (۴) زیادہ مٹاپا (۵) شدید ضرورت مانع ہو (۶) مسجد کے راستہ میں خوفِ ضیاع جان و مال ہو (۷) شدید سردی (۸) زیادہ بارش (۹) زیادہ تاریکی جس میں چلنا دشوار (۱۰) لہسن پیاز وغیرہ بدبودار چیز کھائی ہو۔ (عمدہ نمبر۲۳۵\۲)

باب هل يصلي الامام بمن حضر وهل يخطب يوم الجمعة في المطر

(جس قدر لوگ موجود ہیں' ان ہی کے ساتھ نماز پڑھ لے اور کیا جمعہ کے دن بارش میں بھی خطبہ پڑھے)

۶۳۳ : حدثنا عبدالله بن عبدالوهاب قال حدثنا حماد بن زيد قال حدثنا عبدالحميد صاحب الزيادى قال سمعت عبدالله بن الحارث قال خطبنا ابن عباس فى يوم ذى ردغ فامر المؤذن لما بلغ حى على الصلوٰة قال قل الصلوٰة فى الرحال فنظر بعضهم الىٰ بعض كانهم انكروا فقال كانكم انكرتم هذا ان هذا فعله' من هو خير منى يعنى النبى صلے الله عليه وسلم انها عزمة وانى كرهت ان اخرجكم وعن حماد عن عاصم عن عبدالله بن الحارث عن ابن عباس نحوه' غير انه' قال كرهت ان اؤ ثمكم فتجيؤن تدوسون الطين الىٰ ركبكم

۶۳۴ : حدثنا مسلم قال حدثنا هشام عن يحيىٰ عن ابى سلمة قال سالت اباسعيد الخدرى فقال جآءت سحابة فمطرت حتىٰ سال السقف و كان من جريد النخل فاقيمت الصلوٰة فرايت رسول الله صلے الله عليه وسلم يسجد فى المآء والطين حتى رايت اثر الطين فى جبهته

۶۳۵ : حدثنا اٰدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا انس بن سيرين قال سمعت انسا يقول قال رجل من الانصار انى لآ استطيع الصلوٰة معك و كان رجلاً ضخماً فصنع النبى صلے الله عليه وسلم طعاماً فدعاه' الىٰ منزله فبسط له حصيراً ونضح طرف الحصير فصلىٰ عليه ركعتين فقال رجل من ال الجارود لانسٍ اكان النبى صلے الله عليه وسلم يصلى الضحىٰ قال مارايته' صلاها الايومئذ

ترجمہ۶۳۳: حضرت عبداللہ بن حارثؒ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے) کیچڑ ہوگئی تھی، حضرت ابن عباسؓ نے اس دن خطبہ فرمایا، اور موذن سے کہہ دیا تھا کہ جب حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے تو یہ کہہ دے کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو (یہ سن کر) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، گویا کہ انہوں نے (اس کو) برا سمجھا، تو ابن عباسؓ نے کہا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس کو برا سمجھا، بے شک اس کو اس نے کیا ہے، جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی نبی کریم ﷺ نے، یہ یقینی امر ہے، کہ اذان (سے مسجد میں آنا) واجب ہو جاتا ہے اور میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ تمہیں تکلیف میں ڈالوں حضرت عاصم نے بھی حضرت ابنِ عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے، صرف اتنا فرق ہے، کہ انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ تمہیں گنہگار کروں، یا تم مٹی کو گھٹنوں تک روندتے آؤ۔

ترجمہ۶۳۴: حضرت ابوسلمہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدریؓ سے پوچھا، تو انہوں نے کہا، کہ ایک (مرتبہ) ابر آیا، اور وہ برسنے لگا، یہاں تک کہ چھت ٹپکنے لگی، اور چھت (اس وقت تک) کھجور کی شاخوں سے (پٹی ہوئی) تھی، پھر نماز کی اقامت ہوئی، تو میں نے رسول

خدا ﷺ کو دیکھا کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے تھے، یہاں تک کہ مٹی کا اثر میں نے آپ کی پیشانی میں دیکھا۔

ترجمہ ۶۳۵: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ میں (معذور ہوں) آپ کے ہمراہ نماز نہیں پڑھ سکتا، اور وہ فربہ آدمی تھا (اس کے بعد، اس نے نبی ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا، اور آپ کو اپنے مکان میں بلایا، اور آپ کے لئے چٹائی بچھادی، اور چٹائی کے ایک کنارے کو دھو دیا، اس پر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، اتنے میں آل جارود میں سے ایک شخص نے انسؓ سے پوچھا، کہ کیا نبی کریم ﷺ نماز چاشت پڑھا کرتے تھے، انسؓ نے کہا کہ میں نے سوائے اس دن کے کبھی آپ کو پڑھتے نہیں دیکھا۔

تشریح: مقصد ترجمہ واحادیث مذکورہ واضح ہے کہ عذر کی حالت میں اگر رخصت سمجھ کر کچھ لوگ مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھیں بلکہ گھروں میں پڑھ لیں اور دوسرے لوگ عزیمت پر عمل کر کے مسجد میں آجائیں تو جو لوگ آجائیں، ان ہی کے ساتھ امام جماعت کرا دے گا۔

باب اذا حضر الطعام واقيمت الصلوٰة و كان ابن عمر يبدأ بالعشآء وقال ابو الدردآء من فقه المرء اقباله علىٰ حاجته حتىٰ يقبل علىٰ صلوٰته و قلبه فارغ

٦٣٦: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيىٰ عن هشام قال حدثني ابي سمعت عآئشة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا وضع العشآء واقيمت الصلوٰة فابدء وا بالعشآء

٦٣٧: حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل بن شهاب عن انس ابن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذ قدم العشاء فابدء وابه قبل ان تصلوا صلوٰة المغرب ولاتعجلوا عن عشآئكم

٦٣٨: حدثنا عبيد بن اسمٰعيل عن ابي اسامة عن عبيدالله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وضع عشآء احدكم و اقيمت الصلوٰة فابدء وابالعشآء ولايعجل حتىٰ يفرغ منه و كان ابن عمر يوضع له الطعام و تقام الصلوٰة فلاياتيها حتىٰ يفرغ و انه ليسمع قرآءة الامام وقال زهير و وهب ابن عثمان عن موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال قال النبي صلى الله عليه وسلم اذا كان احدكم على الطعام فلايعجل حتىٰ يقضي حاجته منه و ان اقيمت الصلوٰة قال ابو عبدالله وحدثني ابراهيم بن المنذر عن وهب بن عثمان و وهب مدني

ترجمہ ۶۳۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا جب کھانا (سامنے) رکھ دیا جائے، اور نماز کی اقامت ہو، تو پہلے کھانا کھالو۔

ترجمہ ۶۳۷: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے، تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو، اور اپنے کھانے میں عجلت نہ کرو۔

ترجمہ ۶۳۸: حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ جب تم میں سے کسی کا کھانا سامنے رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی ہو جائے تو پہلے کھانا کھالے اور جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اس سے فارغ نہ ہو جائے حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب ان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا اور جماعت بھی کھڑی ہو جاتی، تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے، نماز میں نہ آتے، حالانکہ وہ یقیناً امام کی قراءت سنتے ہوتے تھے، اور زہیر اور وہب بن عثمان نے یہ سند موسیٰ بن عقبہ، نافع ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانے پر (بیٹھ گیا) ہو، تو جلدی نہ کرے، یہاں تک کہ اپنی اشتہا اس سے پوری کر لے، اگرچہ جماعت کھڑی ہو گئی ہو، امام بخاری نے کہا، کہ مجھ سے ابراہیم بن منذر نے وہب بن عثمان سے روایت کیا، اور وہب مدینہ کے رہنے والے تھے۔

تشریح: حضرت گنگوہی قدس سرہ، نے فرمایا کہ ترجمۃ الباب میں حضرت ابوالدرداءؓ کا قول امام بخاریؒ نے اس لئے نقل کیا تا کہ مختلف روایات میں جمع کی صورت نکل آئے، کیونکہ بعض میں کھانا مقدم رکھنے کا حکم ہے جو یہاں درج ہیں اور بعض میں یہ ہے کہ نماز کو کھانے وغیرہ کی وجہ سے موخر نہ کیا جائے (کمافی ابی داؤد وغراہ صاحب المشکوٰۃ الی شرح السنۃ) پھر حاشیہ لامع میں یہ تفصیل بھی ہے کہ علامہ شوکانی نے کہا:۔ظاہر احادیث تقدیم کی وجہ سے کھانے کو ہی ہمیشہ مقدم کیا جائے خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اور خواہ وہ کھانا کم ہو یا زیادہ، اور کھانے کے خراب ہونے کا خطرہ ہو یا نہ ہو۔ ابن حزم اور ظاہریہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، امام ترمذی نے بھی بعض صحابہ و تابعین سے تقدیم طعام ہی کو نقل کیا ہے، امام غزالیؒ نے قید لگائی کہ کھانے کے فاسد یا بے مزہ ہونے کا ڈر ہو تو نماز کو مؤخر کرے ورنہ نہیں، شافعیہ نے احتیاج کی قید رکھی، امام مالک نے فرمایا کہ کھانا ہلکا ہو یعنی کم مقدار میں تو نماز کو مؤخر کر کے کھالے ورنہ نہیں:۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ وقت میں گنجائش ہو تو پہلے کھانا کھالے اور دل کو فارغ کر کے نماز اطمینان سے ادا کرے اور اسی لئے امام اعظم نے فرمایا کہ نماز کو کھانا بنادوں کہ اس میں دل پڑا رہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ کھانے کو نماز بنادوں کہ کھاتے ہوئے بھی نماز کا ذکر و دھیان رہے، لیکن اگر نماز کے وقت نکلنے کا ڈر ہو تو پہلے نماز ہی پڑھے، اور اس وقت نماز کی تاخیر کھانے وغیرہ کی وجہ سے جائز نہیں اور یہی حدیث ابی داؤد مذکورہ بالا کا منشاء ہے۔

لہٰذا ابن حزم اور بعض شافعیہ کا یہ مسلک صحیح نہیں کہ کھانے کو ہی مقدم کیا جائے خواہ نماز کا وقت بھی نکل جائے اور شوکانی نے جو امام احمدؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا کہ وہ کھانے پر نماز کو مقدم کرنے سے نماز کو فاسد بتلاتے ہیں یہ انتساب بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ موفق نے کھانا مقدم کرنے کو صرف مستحب لکھا ہے، واجب و فرض نہیں لکھا۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس امر پر اجماع نقل کیا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں اگر نماز کامل طریقہ پر پڑھ لی جائے تو وہ درست ہو جائے گی۔

امام طحاویؒ نے مشکل الآثار (ص۲/۴۰۲) میں تقدیم طعام کی روایات کو روزہ دار کے لئے خاص کیا ہے اور نماز سے نماز مغرب کو متعین کیا ہے۔ گویا دوسری نمازوں کے اوقات کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ (لامع الدراری ص۱/۲۵۳)

حافظؒ نے علامہ محقق ابن دقیق العید سے نقل کیا کہ احادیث میں سب نمازیں مراد نہیں بلکہ مناسب ہے کہ ان کو صرف مغرب کی نماز پر محمول کیا جائے، لقولہ علیہ السلام فابدؤا بالعشاء اور دوسری روایت فابدؤا بہ قبل ان تصلوا المغرب سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب کھانا سامنے آجائے اور کوئی تم میں سے روزہ دار ہو تو کھانے کو مقدم کرو۔

علامہ فاکہانیؒ نے کہا کہ "حدیث کو عموم پر رکھنا چاہیے کیونکہ علت عام ہے یعنی تشویش قلب کہ بھوک میں خشوع صلوٰۃ حاصل نہ ہوگا اور نماز مغرب کا ذکر حصر کے لئے نہیں ہے اس لئے کہ بعض مرتبہ غیر روزہ دار کھانے کا روزہ دار سے بھی زیادہ خواہش مند ہوتا ہے"۔ پھر حافظ نے خود بھی لکھا کہ عموم پر محمول کرنا معنی و مقصد کے لحاظ سے بھی مناسب ہے کیونکہ بھوکا روزہ دار کی طرح ہے اور شام کا وقت صبح کی طرح ہے لہٰذا حدیث کے لفظ ماثور پر انحصار ضروری نہیں معلوم ہوتا' علامہ عینی اور حافظؒ نے اور بھی تفصیل کی ہے۔ مطالعہ کر لی جائے۔ ہم نے خلاصہ دے دیا ہے۔ (فتح الباری ص۲/۱۰۹)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہی بات تو وہی ہے، جو سب کہتے ہیں، مگر میرے نزدیک اس قسم کے مسائل میں زیادہ توسع کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ انسان کو اپنے دین کی اصلاح و ترقی کی فکر زیادہ چاہیئے، بہ نسبت دنیوی امور کھانے، پینے، راحت و آسائش وغیرہ کے لئے تا کہ اعمال خیر کل کے لئے ذخیرہ ہوں، اور کوتاہیوں و غفلت میں قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے لقولہ تعالیٰ **ولتنظر نفس ما قدمت لغد** ط (ہر شخص کو سوچنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے کیا ذخیرہ کیا ہے)

کل سے مراد آخرت ہے۔ یعنی آج کی دنیوی محدود زندگی کی راحت وعیش میں پڑ کر کل کی آخرت والی ابدی زندگی سے غفلت نہ برتنی چاہیئے اور وہاں کی زندگی سنوارنے کی واحد صورت نیک اعمال کا ذخیرہ ہے۔

باب اذادعی الامام الصلوٰة وبیده مایا کل

(جب نماز کے لئے امام کو بلایا جائے' اوراس کے ہاتھ میں وہ چیز ہو' جو کھا رہا ہو)

۶۳۹: حدثنا عبدالعزیز بن عبدالله قال حدثنا ابراهیم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب قال اخبرنی جعفر بن عمرو بن امیة ان اباه قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یا کل ذراعاً یحتز منها فدعی الی الصلوٰة فقام فطرح السکین فصلی ولم یتوضا

ترجمہ: حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ، عمرو بن امیہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو ایک شانہ کھاتے ہوئے دیکھا، آپ اس میں سے گوشت کاٹ لیتے تھے، اتنے میں آپ کو نماز کے لئے بلایا گیا، تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چھری آپ نے نیچے رکھ دی۔ پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا (یعنی گوشت کھانے کے بعد)

تشریح: حسب تحقیق حافظؒ اس باب میں یہ بتلایا کہ پہلے باب میں حکم تقدیم طعام کا بطور استحباب تھا، وجوب کے لئے نہ تھا' اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی کہ اقامت صلوٰۃ قبل کھانا شروع کرنے کے ہو یا بعد کو ان دونوں کا حکم الگ الگ ہے' یا امام بخاری نے امام اور غیر امام کا مسئلہ جدا جدا سمجھا ہو' علامہ ابن المنیر نے کہا شاید حضور علیہ السلام نے خاص اپنے لئے عزیمت کو اختیار کیا ہو' اس لئے نماز کو کھانے پر مقدم کیا اور دوسروں کو رخصت پر عمل کرنے کا موقع دیا' کیونکہ آپ خواہش طعام پر قابو رکھنے کی دوسروں سے زیادہ قوت رکھتے تھے' اور آپ کی برابر کون اپنی خواہشات پر کنٹرول کر سکتا تھا؟ لیکن اس استدلال پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حضور علیہ السلام جتنا کچھ کھانا چاہتے تھے وہ کھا چکے ہوں اور اس لئے باقی کو چھوڑ کر جماعت کے لئے تشریف لے گئے ہوں واللہ اعلم (فتح الباری ص ۱۱۱ ج ۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے ایک توجیہ پر پیش کی کہ کھانا چونکہ خراب یا بے مزہ ہو جانے والا نہیں تھا' ممکن ہے حضور علیہ السلام نے اسی لئے اس کو درمیان میں چھوڑ کر جماعت میں شرکت کی ترجیح دی ہو۔

باب من کان فی حاجة اهله فاقیمت الصلوٰة فخرج

(جو شخص گھر کے کام کاج میں ہو' اور نماز کی تکبیر کہی جائے' تو نماز کے لئے کھڑا ہو جائے)

۶۴۰: حدثنا ادم قال حدثنا شعبة قال حدثنا الحکم عن ابراهیم عن الاسود قال سالت عائشة ما کان النبی صلی الله علیه وسلم یصنع فی بیته قالت کان یکون فی مهنة اهله تعنی خدمة اهله فاذا حضرت الصلوٰة خرج الی الصلوٰة

ترجمہ: حضرت اسودؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے! وہ بولیں کہ اپنے گھر والوں کی مہنت یعنی خدمت میں (مصروف) رہتے تھے' جب نماز کا وقت آ جاتا تو آپ نماز کے لئے چلے جاتے۔

تشریح: علامہ عینی اور حافظ نے فرمایا کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے یہ اشارہ کیا کہ کھانے کی طرح دوسرے امور نہیں ہیں کہ ان میں بھی جٹے رہو اور جماعت کی پرواہ نہ کرو' اسی لئے حضور علیہ السلام کا تعامل ذکر کیا گیا کہ آپ فارغ اوقات میں گھر کے اندر گھر والوں کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے' مگر جماعت کے وقت اس کو چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ (عمدہ ص ۲۸۷ ج ۳ و فتح ص ۱۱۱ ج ۲)

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا کہ خود حضور علیہ السلام کے اپنے ذاتی کام اور معمولات بھی اس میں داخل ہیں' کیونکہ شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کی صفائی بھی کر لیتے تھے' اپنی بکری کا دودھ بھی دوہ لیتے تھے' وغیرہ' امام احمد و ابن جان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اپنا کپڑا سی لیتے تھے' ڈول درست کر لیتے تھے' حاکم نے اکلیل میں یہ بھی اضافہ کیا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی عورت یا خادم کو نہیں مارا (عمدہ ص ۲۹ے ج ۱)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت زرارۃ بن ابی اوفی ایک تابعی تھے لوہار' ان کا حال بھی یہ تھا کہ ہتھوڑا اٹھاتے ہوئے بھی اگر اذان کی آواز سن لی تو اسی طرح ہتھوڑے کو رکھ کر نماز کے لئے چل دیتے تھے۔

پھر فرمایا کہ حدیث الباب کی سند میں حضرت اسود بھی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اخص تلامذہ میں سے تھے' حضرت عائشہؓ سے اہم مسائل میں رجوع کرتے اور ان کی خدمت میں ہدایا بھی پیش کرتے تھے' رواۃ کوفہ میں سے ہیں' اور ان کا مسلک بھی ترک رفع یدین تھا' اس سے خیال کرو کہ کیسے جلیل القدر عالم تھے' اور ان کے اساتذہ کتنے بڑے مرتبہ کے تھے اور اسی سے ان کے اختیار کردہ مسائل ترک رفع وغیرہ کی شان بھی سمجھو۔

باب من صلے بالناس و هو لایرید الآان یعلمهم صلوٰۃ النبی صلے اللہ علیه وسلم و سنته

(اس شخص کا بیان جو لوگوں کو صرف اس لئے نماز پڑھائے کہ انہیں رسول اللہ کی نماز اور ان کی سنت سکھائے)

۱۴۶ : حدثنا موسی بن اسمٰعیل قال حدثنا و هیب قال حدثنا ایوب عن ابی قلابة قال جآء نامالک بن الحویرث فی مسجد ناهٰذا قال انی لاصلی بکم وما ارید الصلوٰۃ اصلی کیف رایت النبی صلے اللہ علیه وسلم یصلی فقلت لابی قلابه کیف کان یصلی قال مثل شیخنا هٰذا و کان الشیخ یجلس اذارفع راسهٗ من السجود قبل ان ینهض فی الر کعة الاولیٰ

ترجمہ: حضرت ابو قلابہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مالک بن حویرثؓ ہماری اسی مسجد میں آئے' اور انہوں نے کہا' کہ میں تمہارے سامنے نماز پڑھتا ہوں' میرا مقصود نماز پڑھنا نہیں ہے' بلکہ جس طرح میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے' اسی طرح (تمہارے دکھانے کو) پڑھتا ہوں' ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابو قلابہ سے کہا' کہ وہ کس طرح نماز پڑھتے تھیں؟ وہ بولے کہ ہمارے اس شیخ کی مثل اور شیخ (کی عادت تھی کہ) پہلی رکعت میں جس سجدہ سے اپنا سر اُٹھاتے تھے' تو کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب: نے فرمایا کہ اس باب سے یہ بتلانا ہے کہ نماز پڑھ کر اگر دوسروں کو عملی طور پر تعلیم دی جائے تو وہ نماز بھی خدا کیلئے ہی ہے اور درست ہے' وہ لغیر اللہ نہیں ہوگی' جس طرح تحیۃ المسجد کہ وہ نام سے بھی مسجد کیلئے معلوم ہوتی ہے اور تحیۃ مسجد کہلاتی ہے مگر وہ بھی خدا کیلئے ہے۔

قولہ وکان الشیخ یجلس

اس پر فرمایا کہ اس سے جلسہ استراحت مراد ہے' یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے سجدہ سے اٹھ کر کھڑے ہونے سے قبل بیٹھنا جو امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے' مگر امام ابوحنیفہ، امام مالک و امام احمدؒ وغیرہم اس کے قائل نہیں، اور منتقی الاخبار[1] (للشیخ مجد الدین ابی البرکات ابن تیمیہ جد ابن تیمیہ

---

[1] علامہ عینی نے بھی امام احمد کا یہ قول ذکر کیا ہے، اور نعمان بن ابی عیاش سے یہ بھی نقل کیا کہ میں نے بہت سے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ ابوالزناد نے کہا کہ یہی سنت ہے اور ان حضرات نے حدیث مالک ابن الحویرث بخاری کا یہ جواب دیا کہ حضور علیہ السلام سے جلوس بوجہ ضعف کے ہوا ہے۔ اور ابو عبدالملک نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ میں دس سال نمازیں پڑھیں اور پھر حضرت ابوبکرؓ عمر، عثمان، اور دوسرے صحابہ و تابعین نے بھی، اگر وہ جلسہ استراحت کرتے تو کیا وہ اہل مدینہ سے پوشیدہ رہ سکتا تھا؟ الخ (عمدہ ص ۳۰ے ۲/)

المعروف) میں ہے امام احمد سے کہ اکثر احادیث سے ترک جلسہ استراحت ثابت، اور بخاری ص ۱۱۳ میں "باب المکث بین السجدتین" میں ان ہی مالک بن الحویرث کے تیسری رکعت کے بعد بیٹھنے پر ایوب کا یہ ریمارک بھی نقل ہوا ہے کہ وہ ایسا فعل کرتے تھے، جو ہم نے دوسروں کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ تقلیل کے لئے یہ کیا کم ہے کہ ایک صحابی کہہ رہا ہے کہ عمر بن سلمہ کے سوا کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ یہ جلسہ استراحت بھی ضرور ہے، مگر پھر ترک دخمول میں آ گیا ہوگا، اسی لئے ایوب وغیرہ نے انکار کیا ہے، جس طرح فرض مغرب سے قبل دو رکعات بھی ثابت ہوئیں مگر پھر محمول میں آ گئیں اسی لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان پر نکیر کی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ پھر بھی میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف صرف افضلیت کا ہے، جیسا کہ علامہ حلوائیؒ کی رائے ہے میرا طریقہ ہے کہ اختلاف کو جتنا بھی ہو سکے کم کرتا ہوں، اور کبیری میں جو جلسہ استراحت کی وجہ سے سجدہ سہو واجب کہا ہے وہ میرے نزدیک اس حالت میں ہے کہ وہ مقدار سنت سے زیادہ ہو جائے نہ جب کہ مقدار سنت ہو، اس وقت سجدہ سہو نہیں ہے، دیوبند میں مجھ سے پوچھا تو میں نے یہی بتلایا اور اگر معارض بھی ہوتا تو شارح منیہ کو حلوائی سے نسبت ہی کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ میرے نزدیک امام طحاوی کا یہ جواب کہ وہ عذر کی وجہ سے تھا قوی نہیں ہے۔

باب اهل العلم والفضل احق بالامامة

(علم وفضل والا امامت کا زیادہ مستحق ہے)

۶۴۲: حدثنا اسحٰق بن نصر قال لنا حسين عن زآئدة عن عبدالملک بن عمير قال حدثنى ابوبردة عن ابى موسىٰ قال مرض النبى صلے الله عليه وسلم فاشتدمرضه' فقال مروّا ابابكر فليصل بالناس قالت عائشة انه' رجل رقيق اذا قام مقامک لم يستطع ان يصلى بالناس قال مرىٓ ابابكر فليصل بالناس فعادت فقال مرىٓ ابابكر فليصل بالناس فانكن صواحب يوسف فاتاه الرسول فصلى بالناس فى حيوٰة النبى صلے الله عليه وسلم

۶۴۳: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالک عن هشام بن عروة عن ابيه عن عآئشة ام المؤمنين انها قالت ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال فى مرضه مروآابابكر يصلى بالناس قالت عآئشة قلت ان ابابكر اذاقام فى مقامک لم يسمع الناس من البكآء فمرعمر فليصل بالناس من البكآء فمر عمر فليصل للناس ففعلت حفصة فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم ......انكم لانتن صواحب يوسف مروّا ابا بكر فليصل للناس فقالت حفة لعآئشة ما كنت لا صيب منک خيراً

۶۴۴: حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهرى قال اخبرنى انس ابن مالک ن الانصارى وكان تبع النبى صلے الله عليه وسلم وخدمه' وصحبه' ان ابابكر كان يصلى لهم فى وجع النبى صلے الله عليه وسلم الذى توفى فيه حتىٰ اذا كان يوم الاثنين وهم صفوف فى الصلوٰة فكشف النبى صلے الله عليه وسلم ستر الحجرة ينظر الينا وهو قآئم .كان وجهه' ورقة مصحف ثم تبسم يضحک فهممنا ان نفتتن من الفرح برؤية النبى صلے الله عليه وسلم فنكص ابوبكر علىٰ عقبيه ليصل الصف وظن ان النبى صلے الله عليه وسلم خارج الى الصلوٰة فاشار الينا النبى صلے الله عليه وسلم اتموا صلوٰتكم و

ارخی الستر فتوفی من یومہ صلے اللہ علیہ وسلم

۶۴۵ : حدثنا ابومعمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزیز عن انس قال لم یخرج النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثلثا فاقیمت الصلوٰۃ فذھب ابوبکر یتقدم فقال نبی اللہ علیہ وسلم بالحجاب فرفعہ' فلما وضح وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما نظرنا منظراً کان اعجب الینا من وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین وضح لنا فاومأالنبی صلے اللہ علیہ وسلم بیدہ الیٰ ابی بکرؓ ان یتقدم و ارخی النبی صلے اللہ علیہ وسلم الحجاب فلم یقدرعلیہ حتیٰ مات

۶۴۶ : حدثنا یحیی بن سلیمان قال حدثنی ابن وھب قال حدثنی یونس عن ابن شھاب عن حمزۃ بن عبداللہ انہ' اخبرہ عن ابیہ قال لما اشتدبرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وجعہ' قل لہ' فی الصلوٰۃ فقال مروآ ابابکر فلیصل بالناس قالت عآئشۃ ان ابابکر رجل رقیق اذاقرأ غلبہ البکآء قال مروہ فلیصل فعاودتہ فقال مروہ فلیصل انکن صواحب یوسف تابعہ الزبیدی وابن اخی الزھری واسحٰق بن یحییٰ الکلبی عن الزھری وقال عقیل و معمر عن الزھری عن حمزۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ۶۴۲: حضرت ابوموسیٰؓ روایت کرتے ہیں، کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، اورآپ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کونماز پڑھاویں، حضرت عائشہؓ نے کہا، کہ (حضرت) وہ نرم دل آدمی ہیں۔ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کونماز نہ پڑھاسکیں گے۔ حضور نے فرمایا، نہیں، تم ابوبکر سے ہی کہو کہ لوگوں کونماز پڑھائیں لیکن حضرت عائشہؓ پھر لوٹ کرآ گئیں تو حضور نے فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہو کہ لوگوں کونماز پڑھاویں اور تم تو وہ عورتیں (معلوم ہوتی ہو) جنھوں نے یوسف کو (گھیر رکھا تھا) پس ابوبکرؓ کے پاس حضور کا قاصد (یہ حکم لے کر) آیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں لوگوں کونماز پڑھائی:۔

ترجمہ۶۴۳: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کونماز پڑھاویں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم حضور سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے، تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو (اپنی قراءت) نہ سنا سکیں گے۔ لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کونماز پڑھاویں، پس حفصہؓ نے عرض کردیا تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہٹو! تم تو وہ عورتیں ہو جو یوسف کو گھیرے ہوئے تھیں۔ ابوبکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کونماز پڑھادیں، تو حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ تم سے مجھے کوئی بھلائی ملنے کی امید نہیں۔

ترجمہ۶۴۴: حضرت انس بن مالکؓ جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے، آپ کے خادم اور صحابی تھے، روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے مرض وفات میں حضرت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ جب دوشنبہ کا دن ہوا اور لوگ نماز میں صف بستہ تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف کھڑے ہوکر دیکھنے لگے، اس وقت آپ کا چہرہ مبارک گویا مصحف کا صفحہ تھا، پھر آپ بشاشت سے مسکرائے۔ ہم لوگوں نے خوشی کی وجہ سے چاہا کہ نبی ﷺ کے دیکھنے میں مشغول ہوجائیں اور ابوبکرؓ اپنے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ آئے تاکہ صف میں مل جائیں وہ سمجھے کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لئے آنے والے ہیں، لیکن آپ نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کرلو، اور آپ نے پردہ ڈال دیا، اسی دن آپ نے وفات پائی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۴۵: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں، کہ (مرض وفات میں) نبی کریم ﷺ تین دن باہر نہیں نکلے، ایک دن نماز کی اقامت ہوئی اور ابوبکرؓ آگے بڑھنے لگے، اتنے میں نبی کریم ﷺ نے پردہ کو اٹھا دیا، پس نبی ﷺ کا چہرہ نظر آتے ہی ہمارے سامنے ایسا خوش کن منظر آ گیا کہ اس سے زیادہ کبھی میسر نہ آیا تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ابوبکر کو اشارہ کیا، کہ آگے بڑھ جائیں اور نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا، پھر اس پر آپ کو قدرت نہ ہوئی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

ترجمہ ۶۴۶: حضرت حمزہ بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب رسول خدا ﷺ کا مرض بڑھ گیا، تو آپ سے نماز کی (امامت کے) بارے میں عرض کیا گیا، آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، حضرت عائشہؓ بولیں، کہ ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں۔ جب (نماز میں قرآن مجید) پڑھیں گے تو ان پر رونا غالب آجائے گا، آپ نے فرمایا، ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، پھر دوبارہ حضرت عائشہؓ نے وہی کہا، پھر آپ نے فرمایا کہ ان ہی سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، تم تو یوسف کے زمانے کی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی ہو) زبیدی اور زہری کے بھتیجے نے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے اور عقیل اور معمر نے یہ سند زہری وحمزہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔

تشریح اور بحث ونظر: قولہ فانکن صواحب یوسف: یعنی جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے مصر کی عورتیں ان کے خلاف مرضی گفتگو کرتی تھیں یا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کسی اور خیال میں تھے اور عورتیں کسی دوسرے خیال میں، یا یہ کہ تم عورتیں تو اپنی ہی بات چلایا کرتی ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے کہ اعلم کو اقرأ پر مقدم کیا ہے۔ اور ایک روایت امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق ہے، لیکن مشہور قول ان کا اقرأ کی تقدیم ہے اعلم پر اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف سے بھی یہ منقول ہے۔ امام بخاری نے اپنے مسلک پر امامت سیدنا ابوبکرؓ سے استدلال کیا ہے، کیونکہ وہ اعلم تھے، یعنی اگر اقرأ کی تقدیم ہوتی تو حضرت ابی بن کعبؓ امامت کے مستحق زیادہ ہوتے کہ وہ بنص حدیث اقرأ تھے۔ امام بخاری نے حدیث مسلم کی روایت بھی اپنی صحیح میں نہیں لی ہے، جس سے تقدیم اقرأ نکلتی ہے، اور جو شافعیہ کا مستدل ہے، اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ حدیث مسلم اس زمانہ کے رواج وعرف پر وارد ہوئی تھی، نہ بعد کے عرف پر، اس دور میں سب سے بڑا قاری وہ تھا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد تھا، کیونکہ وہ سب اہل زبان تھے، ان کو تصحیح حروف ومخارج کی ضرورت ہی نہ تھی، جتنا یاد کرتے تھے، اس کو صحیح ادا کرتے تھے اور سمجھ کر پڑھتے تھے، اس لئے اس کے عالم بھی ہوتے تھے، پھر جب اسلام اطراف کی طرف پھیلا اور عجم نے بھی قرآن مجید کو پڑھا تو وہ تصحیح حروف کے محتاج ہوئے لہٰذا حدیث مسلم ہمارے محل نزاع سے خارج ہے، اس میں جس اقرأ کی تقدیم ہے وہ اعلم بھی ہوتا تھا، البتہ بعد کو اصطلاح وعرف بدل گئی اور فقہاء کے تجوید سے پڑھنے والے کو قاری کہا، تو اختلاف کھلا، اور امام شافعی نے قاری کو عالم پر ترجیح دی، امام صاحب وامام بخاری وغیرہ نے عالم کو ترجیح دی، یعنی جو بقدر ضرورت صلوٰۃ صحیح حروف ادا کر سکتا ہے اور مسائل نماز سے بھی واقف ہے وہ اس سے زیادہ امامت کا مستحق واہل ہے جو صرف مجود قاری تو ہے مگر مسائل سے واقف نہیں ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ نے صحیح دعویٰ کیا کہ پہلے اقرأ اعلم بھی ہوتا تھا، کیونکہ صحابہ صحیح بھی پڑھتے تھے اور قرآن مجید کے سارے معانی ومبانی سے واقف بھی ہوتے تھے، پھر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں باہم علم میں فضیلت نہ تھی، وہ بھی ضرور تھی، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کی شان علم تفسیر قرآن میں سب سے بڑھی ہوئی تھی، اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حدیثِ مسلم میں اگرچہ ظاہر الفاظ سے اقرأ کو مقدم کیا گیا ہے، مگر اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہِ ترجیح علم ہی ہے کیونکہ دوسرا جملہ حدیثِ مسلم کا یہ ہے کہ اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ مقدم ہوگا جو اعلم بالسنہ ہوگا۔ یعنی پہلے تو جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہوگا اور ساتھ ہی معانی جاننے کی وجہ سے اعلم بالقرآن بھی ہوگا (کیونکہ اس وقت سب ہی ایسے تھے کہ جتنا یاد ہوتا سب کو سمجھتے تھے) وہ سب سے زیادہ امامت کا مستحق ہوگا، اس کے بعد وہ ہوگا جو علمِ قرآن ومسائل میں بڑھا ہوا ہو خواہ اس کو قرآن مجید دوسرے سے کم یاد ہو۔ اس سے صاف واضح ہوا کہ اصل ترجیح زیادتی حفظِ قرآن کے لئے نہیں بلکہ

زیادتی علم کے لئے ہے۔ پھر یہ بات الگ ہے کہ حفظ وعلم کے لئے بھی لانہایت مراتب ہیں، غرض ہمارے فقہاء نے الفاظِ حدیث سے زیادہ معانی ومقاصدِ حدیث کی رعایت کی اوران کو سمجھا ہے۔ وہ سمجھے کہ حدیث میں اقرأ کی تقدیم اس لئے کی گئی کہ اس زمانہ میں اقرأ اعلم بھی ضرور ہوتا تھا یہ بات نہ تھی کہ اسے قرآن مجید تو زیادہ یاد ہوتا تھا، مگر وہ اس کے معانی ومقاصد کو نہ سمجھتا تھا، اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیثِ نبوی میں سنت سے مراد وہ مسائل ہیں جو حضور علیہ السلام کے طریق نماز اوراس کے بارے میں ہدایات کے علم ومشاہدہ سے حاصل ہوئے تھے۔ اوراعلم بالسنہ سے یہ مراد ہے کہ وہ بقدرِ ضرورتِ صلوٰۃ قرآن مجید صحیح طور سے پڑھنے کے ساتھ مسائل متعلقہ نماز کا علم بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتا ہو، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صحابۂ کرام میں سے سب سے زیادہ علم، فہم، تقویٰ، تعلق مع اللہ، خوف وخشیت والے تھے، وقال تعالیٰ **انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء** وقال علیہ السلام **انا اتقاکم للّٰہ واخشاکم** (میں تم سب سے زیادہ خدائے تعالیٰ کا خوف وخشیت رکھتا ہوں) ظاہر ہے تقویٰ وخشیت خداوندی کا تعلق علم سے ہے، تجوید وقراءت سے نہیں، لہٰذا جن اوصاف فاضلہ میں حضور علیہ السلام اورسب سے بڑھے ہوئے تھے، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی ان اوصاف نبویہ میں اورسب صحابہ پر ممتاز تھے، اور اسی لئے وہ امت میں سے امامت کے مستحق بھی پہلے درجہ پر قرار پائے، اگر وجہ ترجیح بجائے علم کے حفظ کے لئے ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کی جگہ امامت کے مستحق حضرات ابی بن کعبؓ ہوتے جن کو حضور علیہ السلام نے امت کا اقرأ واحفظ فرمایا تھا۔

حضرتؒ نے مزید ارشاد فرمایا کہ علم کے مقابلہ میں حفظ کی شان تو حدیث میں بھی کم ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ صحابہ میں سے سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے، مگر علم وفہم حدیث کے لحاظ سے یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ ہی کا درجہ سب سے اوپر ہے حدیث نمبر ۶۴۴ میں ان تفتتین کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ہم نے خیال کیا کہ فرطِ خوشی سے ہم میں کھلبلی پڑ جائے گی۔

افادۂ انور: مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک رکعت ابوبکر کے پیچھے مسبوقانہ پڑھی ہے اور میرا گمان ہے کہ جہاں سے پردہ اٹھایا تھا وہیں سے بیٹھ کر اقتداء کی ہوگی۔ پھر انتقالات ہوتے رہے، حضور علیہ السلام نے ظہر۔ مغرب۔ عشاء اور فجر کی نمازیں حالتِ مرض میں پڑھی ہے، عصر کا ذکر نہیں ہے (راجع المغازی الخ) حضور علیہ السلام عشا کے وقت بھی نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے۔ اس طرح چار وقت نکلے ہیں اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵۔۶ جگہ سے یہ نکلتا ہے۔ مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا اور صرف ایک ظہر کو مانتے ہیں، باقی کا انکار کرتے ہیں نیز فرمایا کہ جس وقت حضور علیہ السلام کے اوپر مشکیں ڈالی گئی ہیں وہ عشا کا ہی وقت تھا اور مغرب کے وقت بھی نکلے ہیں اور صبح کے وقت بھی ایک رکعت میں مسبوق ہو کر شرکت کی ہے (کماء فی البخاری) پس چار اوقات میں شرکت ثابت ہے۔

باب من قام الی جنب الامام لعلة

کسی عذر کی بنا پر مقتدی کا امام کے پہلوں میں کھڑے ہونے کا بیان

۶۴۷: حدثنا زکریآ بن یحیٰ حدثنا ابن نمیر قال اخبرنا ھشام ابن عروۃ عن ابیہ عن عآئشۃ قالت امر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابابکر ان یصلی بالناس فی مرضہ فکان یصلی بھم قال عروۃ فوجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفۃ فخرج فاذا ابوبکر یؤم الناس فلمآ راہ ابوبکر استاخر فاشار الیہ ان کماانت فجلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حذآء ای بکر الیٰ جنبہ فکان ابوبکر یصلی بصلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والناس یصلون بصلوٰۃ ابی بکر

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنی بیماری میں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ وہ لوگوں کو نماز پڑھانے

لگے، عروہ (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ رسولِ خدا ﷺ نے اپنے جسم میں (مرض کی) کچھ خفت دیکھی تو باہر تشریف لائے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کے امام تھے، لیکن جب ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا، تو پیچھے ہٹنا چاہا، آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم اسی طرح رہو، پھر رسولِ خدا ﷺ ابوبکرؓ کے برابر ان کے پہلو میں کھڑے ہو گئے، پس ابوبکرؓ رسولِ خدا ﷺ کی نماز کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ امام محمدؒ کے نزدیک امام کے ساتھ اگر صرف ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی برابری سے کچھ پیچھے کو ہٹ کر داہنی طرف کھڑا ہوگا، تاکہ امام سے آگے ہونے کا احتمال نہ رہے کہ اس سے نماز باطل ہو جائے گی، اور اگر دو مقتدی ہوں تو ان کی جگہ امام کے پیچھے ہے، لیکن اگر ایک مقتدی داہنی طرف اور دوسرا امام کے بائیں کھڑا ہو کر اقتدا کرے تو وہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے، ہم مکروہ کہتے ہیں، مگر جگہ تنگ ہو کہ پیچھے کھڑے نہ ہو سکیں تو ہمارے نزدیک بھی مکروہ نہیں ہے۔

قولہ لعلّہ: پر فرمایا کہ علت کے معنی اصل لغتِ عرب میں عرف مرض کے ہیں، اگرچہ پھر اس کا استعمال وجہ وسبب کے لئے بھی ہونے لگا ہے۔ صاحب قاموس کی بھی یہی تحقیق ہے۔

باب من دخل ليؤم الناس فجآء الامام الاول فتاخر الاول اولم يتاخر جازت صلوٰة فيه عآئشة عن النبي صلے الله عليه وسلم

(اگر کوئی آدمی لوگوں کی امامت کے لئے جائے' پھر امام اول آ جاوے' تو پہلا شخص پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے، اس کی نماز ہو جائے گی' اس مضمون میں حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے)

۶۴۸: حدثنا عبدالله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابي حازم بن دينار عن سهل بن سعدالساعد ان رسول الله صلے الله عليه وسلم ذهب الىٰ بني عمرو بن عوف ليصلح بينهم فحانت الصلوٰة فجآء المؤذن الىٰ ابي بكر فقال اتصلي بالناس فاقيم قال نعم فصلى ابوبكر فجاء رسول الله صلے الله عليه وسلم والناس في الصلوٰة فتخلص حتى وقف في الصف فصفق الناس و كان ابوبكر لايلتفت في صلوته فلما اكثر الناس التصفيق التفت فراى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاشار اليه رسول الله صلے الله عليه وسلم ان امكث مكانك فرفع ابوبكر يديه فحمد الله علىٰ مآامره رسول الله صلے الله عليه وسلم من ذٰلك ثم استاخر ابوبكر حتىٰ استوىٰ في الصف وتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى فلما انصرف قال يآابابكر مامنعك ان تثبت اذا مرتك فقال ابوبكر ماكان لابن ابي قحافة ان يصلي بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلے الله عليه وسلم مالي رايتكم اكثرتم التصفيق من نابهٗ شئ في صلوته فليسبح فانهٗ اذاسبح التفت اليه و انما التصفيق للنساء

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسولِ خدا ﷺ بنی عمرو بن عوف میں باہم صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا تو موذن ابوبکرؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر تم لوگوں کو نماز پڑھا دو تو میں اقامت کہوں، انہوں نے کہا اچھا، پس ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسولِ خدا ﷺ آ گئے اور لوگ نماز میں تھے، پس آپ (صفوں میں) داخل ہوئے، یہاں تک کہ (پہلی) صف میں جا کر ٹھہر گئے، لوگ تالی بجانے لگے، چونکہ ابوبکرؓ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے، لیکن جب لوگوں نے زیادہ تالیاں بجائیں، تو انہوں نے دزدیدہ نظر سے دیکھا تو رسولِ خدا ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو ابوبکر نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کے

حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کا شکریہ ادا کیا، پھر پیچھے ہٹ گئے، یہاں تک کہ صف میں آ گئے، اور رسول خدا ﷺ آگے بڑھ گئے، آپ نے نماز پڑھائی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ اے ابوبکرؓ جب میں نے تم کو حکم دیا تھا، تو تم کیوں نہ کھڑے رہے؟! ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ ابو قحافہؓ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں ہے، کہ رسول خدا ﷺ کے آگے نماز پڑھائے، پھر رسول خدا ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ کیا سبب ہے کہ میں نے تم کو دیکھا تم نے تالیاں بکثرت بجائیں (دیکھو) جب کسی کو نماز میں کوئی بات پیش آئے تو اسے چاہئے، کہ سبحان اللہ کہہ دے، کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہہ دے گا، تو اس کی طرف التفات کیا جائے گا اور ہاتھ پر ہاتھ مارنے کا اشارہ صرف عورتوں کے لئے رکھا گیا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے **قولہ فصلے ابوبکر** پر فرمایا:۔ مجھے مصنف عبدالرزاق میں روایت ملی ہے جس سے ثابت ہوا کہ یہ واقعہ تیسرے سال ہجری کا ہے، اور روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت پرانا ہے، کیونکہ اس میں تصفیق کا بھی ذکر ہے، جو پہلے دنوں میں تھی، اس کے بعد تسبیح کے حکم سے وہ منسوخ ہو گئی، لہٰذا بخاری کی اس حدیث الباب سے مسائل اخذ کرنا درست نہ ہوگا۔ مثلاً صفِ اول تک پہنچنا بغیر اس کے کہ وہاں جگہ خالی رہ گئی ہو، تب تو دوسری صفوں کو چھوڑ کر آگے جانا درست ہے، یا نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا، یا حمد کرنا، کہ یہ سب امور خصوصیت پر محمول ہوں گے اور ان پر اب عمل درست نہ ہوگا، علامہ ابن الجوزیؒ نے بھی کہا کہ ایسی باتوں پر فقیہ کو عمل نہیں کرنا چاہئے نہ ان کو سنت سمجھنا چاہئے جن پر عمل کا توارث ثابت نہ ہو، لہٰذا شافعیہ کا اس واقعہ کو متاخر قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

قولہ فرفع ابوبکر یدیہ: پر فرمایا:۔ نماز کے درمیان میں ہاتھ اٹھانا فعلِ مستحسن ہے یا نہیں؟ اس جیسے فعل کے لئے ضابطہ و قاعدہ کلیہ یاد رکھو، جو بہت سے مواضع میں کام آئے گا، کبھی تو حضور اکرم ﷺ کی جانب سے بھی تصویب و تقریر کسی فعل کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کی اچھی نیت کی۔ ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ خاص طور سے وہ تصویب و تقریر اس فعل کی ہی ہے، تب تک اس کو سنت قرار نہیں دے سکتے کیونکہ بعض اوقات وہ فعل خود پسندیدہ نہیں ہوتا بلکہ جس نیت صالحہ سے وہ کیا گیا ہے صرف وہ نیت قابلِ تحسین و تصویب ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی فعل پر تعاملِ سلف منقول ہو تو وہ بھی اس فعل کی تقریر و تصویب کی دلیل بن سکتا ہے، مثلاً مروی ہے کہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ نماز میں ہمیشہ سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے، کسی صحابی نے اس بارے میں حضور اکرم ﷺ سے استفسار کیا کہ ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور حضور علیہ السلام کے سوال پر حضرت کلثوم نے جواب دیا کہ حضور! مجھے اس سورت سے محبت ہے کیونکہ اس میں صفت رحمان ہے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی محبت نے تجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔ تو باوجود حضور علیہ السلام کی اتنی مدح و تصویب کے بھی سورۂ اخلاص کے ہر نماز میں تکرار کے فعل کو مستحسن یا مسنون و مستحب قرار نہیں دیا جا سکتا کہ آپ نے تو صرف اس کی نیت کی تعریف کی ہے۔ یہی بات حضرات صحابہؓ نے سمجھی ہے، جو سارے امتِ محمدیہ میں سے سب سے زیادہ ذکی و دانشمند تھے، ان میں سے کسی نے بھی تکرار سورت پر عمل نہیں کیا، اور اس کو صرف ایک شخص کے لئے بشارت خیال کیا، ورنہ اس پر تعامل و توارث ہو جاتا، اور خود حضور علیہ السلام کا سوال کرنا ہی اس فعل کے ناپسندیدہ ہونے کے لئے کافی ہے (فرمایا کہ غیر مقلد یہ سمجھے کہ قل ھو اللہ ہی پڑھنی چاہئے، چنانچہ صبح کی نماز میں بھی پڑھتے ہیں) اسی طرح بہت سے امور میں جہاں حضور علیہ السلام نے سوال فرما دیا ہے وہاں یہی صورت پیدا ہوگی، ایک صحابی نے نماز میں چھینک آنے پر دعا پڑھی حضور علیہ السلام نے فرمایا من المتکلم فی الصلوٰۃ؟ اور پھر تصویب نیت بھی کی۔ ایک صحابی نے نماز میں اللّٰہ اکبر کبیرا کہا تو آپ نے فرمایا کہ اس کلمہ کو بارہ فرشتے اچک کر لے گئے۔ (اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے بعینہ اعمال کو اٹھا کر لے جاتے ہیں) پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے سوال کے بعد، فاعل کا پیچھا نہیں کیا، اور اس کے فعل سے صرف نظر فرمائی، جیسے پہلے گزرا کہ صبح کی نماز کے وقت یا اقامت کے بعد آپ نے سنتیں پڑھنے والے کو ٹوکا کیا صبح کی چار رکعت پڑھو گے؟! مگر پھر اس کے فعل پر تعقب یا نکیر بھی نہیں کی، فقط سوال یا ٹوکنے سے ہی اس فعل کا بے محل ہونا ظاہر ہو گیا۔

بعض اقسام رفع یدین بھی حضور علیہ السلام کے سوال اور ٹوک کی زد میں آ چکے ہیں، اس لئے ہر رفع یدین کو بھی مرضیات شارع علیہ

السلام میں داخل کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کا فعل بے محل تھا، اور حضور علیہ السلام نے تقریر صحت نیت کی کی ہے نہ کہ یہ تصویب فعل ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قراءتِ فاتحہ خلف الامام وغیرہ بھی اسی زمرہ میں آجائیں گے، کیونکہ وہاں بھی سوالِ نبوی ہوا ہے۔ تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

قولہ ما کان لابن ابی قحافۃ ان یصلے بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فرمایا: امت کے کسی فرد کے لائق نہیں کہ وہ نبی ورسول کا امام بن سکے، اسی لئے حضرت مہدی بھی صرف ایک نماز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امام بنیں گے، وہ بھی اس لئے کہ اقامت ان کے لئے ہو چکے گی اور اقامت کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اتریں گے اور مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ نبی کی وفات سے قبل اس کے کسی امتی نے اس کی امامت کی ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے بھی کئی مواقع میں اپنے کسی امتی کی اقتدا کی ہے، مثلاً غزوۂ (۱) تبوک سے واپسی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کی اور آپ نے اقتدا فرمائی (ابوداؤد ص ۲۰ و مسلم ص ۱۳۴ باب المسح علی الخفین) (۲) دو جماعتوں میں صلح کرانے کے لئے قبا تشریف لے گئے، تو اس وقت بھی ایسا پیش آیا۔ (۳) مرضِ وفات میں حضرت ابوبکرؓ کی اقامت تو بہت ہی مشہور ہے، پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات بھی سمجھی کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد امامت کے لئے بطور لزوم نہ تھا، اور نماز پڑھاتے رہنے کا حکم بھی بابِ اکرام وقدر افزائی سے تھا اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے بھی بطریق ادب وتواضع پیچھے ہٹ آنا ہی مناسب خیال کیا، برخلاف اس کے جو مرضِ وفات نبوی میں پیش آیا کہ وہاں حضرت ابوبکرؓ پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ نماز پوری پڑھائی، اور حضور علیہ السلام نے دوسری رکعت نماز صبح میں آپ کی اقتدا فرمائی، جیسا کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ہے، گویا نماز کا بڑا حصہ ہو جانے پر حضرت ابوبکرؓ نے نماز میں استمرار ومشغولیت کو ترجیح دی اور جب تھوڑی پڑھانے پر ہی حضور علیہ السلام تشریف لے آئے تو آگے نماز پڑھانا آپ کی موجودگی میں مناسب نہ سمجھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بھی اسی طرح عمل کیا تھا جبکہ صبح کی ایک رکعت پڑھانے کے بعد حضور علیہ السلام نے ان کے پیچھے اقتدا کی تھی، یہی فرق اور تفصیل حافظ نے بھی ذکر کی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ص ۲/۱۱۴

تفرد الحافظ والامام البخاری: حافظؒ نے حدیث الباب کے تحت کچھ فوائد ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امام سے قبل مقتدی کا احرامِ صلوٰۃ جائز ہے، اور جو شخص اکیلے نماز شروع کرے، پھر اقامت ہو جائے تو وہ شخص نماز جماعت میں اسی طرح داخل ہو جائے گا، نماز توڑ کر پھر سے امام کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر شرکتِ جماعت کی ضرورت نہیں ہے، جو جمہور کا مذہب ہے۔ حافظ نے کہا کہ حدیث الباب کے قصہ سے یہی مسئلہ طبری نے بھی استنباط کیا ہے۔ (فتح ص ۲/۱۱۵)

حافظ عینیؒ نے حافظ کا یہ مسئلہ نقل کر کے اس کا رد کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث نبوی میں اذا کبر الامام فکبروا وارد ہے، یعنی امام تکبیر کہے تب تم بھی تکبیر کہو۔ اس سے ترتیب وبعدیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا امام سے قبل تکبیر کیسے جائز ہوگی، علامہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے بھی ایسی بات کہی ہو کہ امام سے پہلے تکبیر کہے تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی، البتہ امام شافعیؒ کے مذہب پر یہ بات اس لئے درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ مرتبط نہیں ہے، باقی دوسرے سب ہی فقہاء اس کو جائز قرار نہیں دیتے۔ پھر علامہ عینیؒ نے طبری کے استدلال کو بھی رد کیا اور فرمایا کہ حدیث الباب سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس نماز میں شرکت فرمائی جس کا کچھ حصہ حضرت ابوبکرؓ پڑھ چکے تھے اور ان کی اقتداء صحابہ کرام کر چکے تھے۔ لہٰذا حضور علیہ السلام نے درمیانِ صلوٰۃ میں اپنی نماز شروع کی ہے اور قوم نے دونوں کے پیچھے اپنی نماز پوری کی ہے۔ اس سے مقتدیوں کی تحریمہ امام سے قبل کیونکر ہوئی جبکہ پہلے سے امام حضرت ابوبکرؓ تھے، اور ان ہی کی تحریمہ سے شروع کی ہوئی نماز کو حضور علیہ السلام کے ساتھ پورا کیا ہے۔ (عمدہ ص ۲/۷۴۰)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ابتداء کتاب الصلوٰۃ میں بوقت درس بخاری شریف فرمایا تھا کہ ہمارے حنفیہ کے نزدیک تو اتحادِ

صلاتین شرائطِ اقتداء میں سے ہے، امام شافعیؒ کے یہاں اختلافِ صلاتین فرضاً ونفلاً ووقتاً کی صورت میں بھی اقتدا درست ہے، لیکن امام بخاریؒ نے شافعیہ سے بھی زیادہ توسع کیا ہے، چنانچہ انہوں نے تقدیم تحریمۂ مقتدی کو بھی جائز قرار دے دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیم مذکور کا جواز شافعیہ کا مسلک نہیں ہے۔ اور ادھر حافظ نے امام بخاریؒ ہی کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

راقم الحروف نے اپنی کسی یادداشت میں امام بخاریؒ کے تفردات کو یکجا کیا ہے، کسی موقع پر ان سب کو پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

باب اذااستووافی القرآءة فلیؤمهم اکبرهم

(اگر کچھ لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو جوان میں زیادہ عمر والا ہو وہ امامت کرے)

۶۴۹: حدثنا سلیمان بن حرب قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن ابی قلابة عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی صلے الله علیه وسلم و نحن شببة فلبثنا عنده نحوامن عشرین لیلة وکان النبی صلے الله علیه وسلم رحیماً فقال لورجعتم الیٰ بلادکم فعلمتموهم مروهم فلیصلوا صلوٰة کذافی حین کذاوصلوٰة کذافی حین کذافاذاحضرت الصلوٰة فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم.

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ہم چند جوان تھے، ہم لوگ تقریباً بیس یوم تک مقیم رہے۔ نبی کریم ﷺ بڑے رحم دل تھے) (لہٰذا آپ نے (ہمارا گھر بار سے جدا رہنا پسند نہ کیا اور) ہم سے فرمایا کہ اگر تم اپنے وطن کو لوٹ کر جاؤ، تو انہیں دین کی تعلیم کرنا، ان سے کہنا، کہ وہ اسی طریقے سے اس وقت میں، اور اس طریقے سے اس وقت میں نماز پڑھیں، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے۔ اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ ف: ۔ یہ حدیث پہلے دو یا تین مقام پر گزر چکی ہے۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: ۔ ترجمۃ الباب میں اس طرف اشارہ ہے کہ حدیث الباب میں جو بڑی عمر والے کو امامت کے لئے آگے بڑھانے کی بات ہے وہ اس وقت ہے کہ وہ سب قراءت میں مساوی ہوں، ورنہ بڑی عمر والے کی تقدیم نہ ہوگی، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے فرمایا کہ گویا ترجمۃ الباب سے حدیث کی شرح کی گئی ہے، اور جمہور کے نزدیک جن میں ائمۂ ثلاثہ اور امام محمدؒ بھی ہیں مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ علم والے کو زیادہ قراءت والے پر ترجیح ہے، امام احمد وابو یوسف کہتے ہیں کہ زیادہ قراءت والے کو مقدم کرو۔ (الابواب ص ۲\۲۶۷)

باب اذازارالامام قوماً فامهم

(اگر امام کچھ لوگوں سے ملنے جائے تو ان کا امام ہو سکتا ہے)

۶۵۰: حدثنا معاذ بن اسد قال اخبرنا عبدالله قال اخبرنا معمر عن الزهری قال اخبرنی محمود بن الربیع قال سمعت عتبان بن مالک الانصاری قال استاذن النبی صلے الله علیه وسلم فاذنت له فقال این تحب ان اصلی من بیتک فاشرت له الی المکان الذی احب فقام وصففنا خلفه ثم سلم و سلمنا

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع، عتبان بن مالک انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (میرے گھر میں آنے کی) اجازت طلب فرمائی، تو میں نے آپ کو اجازت دی، پھر آپ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس مقام پر نماز پڑھوانا چاہتے ہو، جس مقام کو میں چاہتا تھا، اس مقام کی طرف میں نے اشارہ کر دیا۔ پس آپ کھڑے ہو گئے۔ اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی (اس کے بعد آپ نے اور ہم نے نماز پڑھ کر) سلام پھیرا۔

تشریح: حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: ۔ اس باب کا مقصد یہ ہے کہ حدیث میں جو ممانعت آئی ہے کہ کسی کے گھر پر دوسرا جائے تو امامت نہ کرے، وہ گھر والے کی عدم اجازت کے ساتھ مقید ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنی تراجم الابواب میں اسی کو اختیار کیا ہے، دوسری

رائے حافظ ابن حجرؒ کی ہے کہ امام اعظم (خلیفہ وقت وغیرہ) اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کو اجازت کی ضرورت نہیں، تیسری رائے محقق عینیؒ کی ہے کہ امام اعظم کو بھی حدیث نبوی کی وجہ سے اجازت کی ضرورت ہے الخ (الابواب ص ۳/۳۲۷)

راقم الحروف کے نزدیک واضح صورتیں دو ہی بنتی ہیں، تیسری سمجھ میں نہیں آئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب انما جعل الامام ليؤتم به وصلے النبی صلے الله عليه وسلم فی مرضه الذی توفی فيه بالناس و هو جالس وقال ابن مسعود اذارفع قبل الامام يعود فيمكث بقدرما رفع ثم يتبع الامام وقال الحسن فيمن يركع مع الامام ركعتين ولايقدرعلى السجود يسجدللركعة الأخرة سجدتين ثم يقضی الركعة الاولیٰ بسجودها و فيمن نسی سجدةً حتیٰ قام يسجد (امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے سر اٹھائے تو اسے چاہیے کہ پھر لوٹ جائے اور بقدر اس مدت کے جس میں وہ سر اٹھائے رہا وہاں توقف کرے اس کے بعد امام کا اتباع کرے اور حسن بصری نے اس شخص کے بارے میں جو امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے، اور (لوگوں کی کثرت کے سبب سے) سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، یہ کہا ہے، کہ اخیر رکعت میں دو سجدے کرلے، بعد اس کے پہلی رکعت مع اس کے سجدوں کے ادا کرے، اور جو شخص کوئی سجدہ بھول کر کھڑا ہو جائے، اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ سجدہ کرلے)

٦٥١: حدثنا احمد بن يونس قال اخبرنا زآئدة عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة قال دخلت علیٰ عآئشة فقلت الاتحدثينی عن مرض رسول الله صلے الله عليه وسلم قالت بلیٰ ثقل النبی صلے الله عليه وسلم فقال اصلی الناس قلنا لاوهم ينتظرونک يا رسول الله قال ضعوالی مآءً فی المخضب قالت ففعلنا فاغتسل فذهب لينوٓء فاغمی عليه ثم افاق فقال اصلی الناس قلنالاهم ينتظرونک يا رسول الله قال ضعوالی ماءً فی المخضب فقعد فاغتسل ثم ذهب لينوٓء فاغمی عليه ثم افاق فقال اصلی الناس قلنالاهم ينتظرونک يارسول الله والناس عكوف فی المسجد ينتظرون النبی صلے الله عليه وسلم لصلوٰة العشآء الأخرة فارسل النبی صلے الله عليه وسلم الی ابی بكربان يصلی بالناس فاتاه الرسول فقال ان رسول الله صلے الله عليه وسلم يامرک ان تصلی بالناس فقال ابوبكر وكان رجلاً رقيقاً ياعمر صل بالناس فقال لهٗ عمرانت احق بذٰلک فصلی ابوبكر تلک الايام ثم ان النبی صلے الله عليه وسلم وجدمن نفسه خفةً فخرج بين رجلين احدهما العباس لصلوٰة اظهروابوبكر يصلی بالناس فلماراٰه ابوبكر ذهب ليتاخر فاومیٰ اليه النبی صلی الله عليه وسلم بان لايتاخر فقال اجلسانی الیٰ جنبه فاجلساه الیٰ جنب ابی بكر قال فجعل ابوبكر يصلی وهو ياتم بصلوٰة النبی صلے الله عليه وسلم والناس بصلوٰة ابی بكروالنبی صلے الله عليه وسلم قاعد قال عبيدالله فدخلت علیٰ عبدالله بن عباس فقلت لهٗ الااعرض عليک ماحدثتنی عآئشة عر مرض النبی صلے الله عليه وسلم قال هات فعمرضت عليه حديثها فماانكرمنه شيئاً عيرانهٗ قال اسمت لک الرجل الذی كان مع

العباس قلت لاقال هو علیٰ

۶۵۲: حدثنا عبد اللّٰه بن یوسف قال اخبرنا مالک عن هشام بن عروة عن ابیه عن عآئشة ام المؤمنین انها قالت صلے رسول الله صلی الله علیه وسلم فی بیته و هوشاک فصلی جالساً وصلے ورآء ہ قوم قیاماً فاشارالیهم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذارکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذاقال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون

۶۵۳: حدثنا عبدالله بن یوسف قال اخبرنا مالک عن ابن شهاب عن انس بن مالک ان رسول الله صلے الله علیه وسلم رکب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الایمن فصلی صلوة من الصلوات وهو قاعد فصلیناورآء ہ قعوداً فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فاذاصلے قآئماً فصلوا قیاماً واذا رکع فارکعوا واذارفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنالک الحمد واذاصلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون قال ابوعبدالله قال الحمیدی قوله واذاصلے جالساً فصلوا جلوساً هو فی مرضه القدیم ثم صلے بعد ذٰلک النبی صلے الله علیه وسلم جالساً والناس خلفه قیام لم یامرهم بالقعود وانما یؤخذبالأخر فالأخرمن فعل النبی صلے الله علیه وسلم

ترجمہ۶۵۱: حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا، اور میں نے کہا کہ آپ مجھ سے رسول خدا ﷺ کی (اخیر) مرض کی کیفیت کیوں نہ بیان کریں، انھوں نے کہا، اچھا (سنو) میں بیان کرتی ہوں، رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے، پھر آپ نے پوچھا، کیا لوگ نماز پڑھ چکے، ہم لوگوں نے عرض کیا، کہ نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو (میں نہاؤں گا) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم لوگوں نے ایسا ہی کیا، آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہونا چاہا، مگر آپ بے ہوش ہو گئے، اس کے بعد ہوش آیا، تو آپ نے پھر فرمایا، کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ ہم نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرے لئے طشت میں پانی رکھ دو، چنانچہ رکھ دیا گیا پس آپ نے غسل فرمایا پھر کھڑا ہونا چاہا مگر بے ہوش ہو گئے، پھر فرمایا کہ کیا لوگ نماز پڑھ چکے؟ لوگوں نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کے منتظر ہیں، اور لوگ مسجد میں نبی کریم ﷺ کا عشاء کی نماز میں انتظار کر رہے تھے (مجبوراً نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس (کہلا) بھیجا تا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ قاصد ان کے پاس پہنچا، اور اس نے کہا کہ رسول خدا ﷺ آپ حکم دیتے ہیں کے آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت ابوبکرؓ بولے (اور وہ نرم دل آدمی تھے) کہ اے عمرؓ تم لوگوں کو نماز پڑھا دو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ تم اس کے زیادہ حق دار ہو، تب حضرت ابوبکرؓ نے ان دنوں میں نماز پڑھائی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ میں (مرض کی) کچھ خفت پائی، تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا لے کر نماز ظہر کے لئے نکلے، ان میں سے ایک عباس تھے، اس وقت ابوبکرؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب آپ کو ابوبکر نے دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں، پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دو، چنانچہ ان دونوں آدمیوں نے آپ کو ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دیا۔

عبیداللہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت، ابوبکرؓ اس طرح نماز پڑھنے لگے، کہ وہ تو نبی کریم ﷺ کی نماز کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکر کی نماز کی اقتدا کرتے تھے نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے (نماز پڑھ رہے) تھے، عبیداللہ کہتے ہیں، پھر میں عبداللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے یہ کہا میں تمہارے سامنے وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھ سے حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ کے مرض کے متعلق بیان کی ہے، انھوں نے کہا لاؤ (سناؤ) میں نے ان کے سامنے حضرت عائشہؓ کی حدیث پیش کی، حضرت ابن عباسؓ نے اس میں سے کسی بات کا انکار نہیں کیا۔ صرف

اتنا کہا کہ حضرت عائشہؓ نے تمہیں اس شخص کا نام بھی بتایا جو حضرت عباسؓ کے ہمراہ تھا، میں نے کہا نہیں، ابن عباس نے کہا، وہ علیؓ تھے۔

ترجمہ۶۵۲: حضرت ہشام بن عروہ، اپنے والد عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بحالت مرض اپنے گھر ہی میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ نے (یہ دیکھ کر) ان سے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، پھر جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب وہ رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے، تو تم ربنا لک الحمد کہو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔

ترجمہ۶۵۳: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے، اور اس سے گر گئے، تو آپ کے جسم مبارک کا داہنا پہلو اس سے کچھ زخمی ہو گیا۔ اس وجہ سے آپ نے نمازوں میں سے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی، پھر جب آپ فارغ ہوئے، تو آپ نے فرمایا امام اسی لئے مقرر کیا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، پس اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب رکوع کرے، تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو، امام بخاری کہتے ہیں، حمیدی نے کہا ہے کہ یہ قول آں حضرت ﷺ کا کہ "جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" آپ کی پہلی بیماری میں تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے امرض وفات کے موقع پر۔ بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے، آپ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا، اور یہ طے شدہ امر ہے، کہ نبی کریم ﷺ کے آخری سے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ حدیث الباب ص۶۵۱ میں حضور علیہ السلام کا مرض وفات میں ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنے کا ذکر ہے اور نماز عشاء مسجد نبوی میں پڑھنے کی بھی صراحت ہے، اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵[1] جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشا کے وقت حجرہ شریفہ سے مسجد کی طرف نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا، اور وہ صرف ایک ظہر کے لئے نکلنے کو مانتے ہیں باقی کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض وفات میں چار پانچ دن کے اندر چار بار مسجد نبوی کی نماز میں شرکت فرمائی ہے اور تین نمازوں کی شرکت کو تو امام ترمذی نے بھی مانا ہے، میں چار مانتا ہوں، جبکہ امام شافعی اور حافظ صرف ایک نماز کی شرکت مانتے ہیں، پھر ان دونوں میں بھی اختلاف ہے کہ امام شافعی صبح کی نماز میں کہتے ہیں اور حافظ ظہر میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بخاری کی حدیث ص۳۲ کے تحت بھی ضروری تفصیل انوار الباری ص۱۷۴/۵ میں آ چکی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جائے۔

اب حضرتؒ نے سابق باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ کی حدیث انسؓ میں قولہ فنکص ابو بکر الخ پر یہ بھی فرمایا کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اس نماز میں داخل نہیں ہوئے، کہ ایسا ہوتا تو راوی اس کو ضرور ذکر کرتا، تاہم امام بیہقی نے شرکت پر اصرار کیا ہے اور دو روایتوں سے استدلال کیا ہے، میرے پاس بھی دس وجوہ یا زیادہ ایسی ہیں جو شرکت نماز فجر (یوم الاثنین یوم وفات نبوی) پر دلالت کرتی ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اقتدا حجرہ شریفہ سے کی ہے۔ مسجد میں تشریف نہیں لے جا سکے، جس طرح عورتیں جمعہ کے دن حجروں سے اقتدا کرتی تھیں (کما فی المدونہ لیکن میرے پاس اس کی نقل نہیں ہے) اور نسائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صف تک پہنچ گئے تھے۔

امام شافعیؒ بھی نماز صبح کی شرکت کے قائل ہیں اور غالباً وہ پیر کے دن کی ہی ہے۔ حافظ نے صبح کی نماز کی شرکت سے انکار کیا ہے اور

---

[1] مثلاً ص۳۲ باب الغسل والوضوء فی المخضب، اور ص۹۹ میں باب الرجل یأتم (یہی زیر بحث باب) اور ص۵۱۲ میں نماز و خطبہ کا ذکر اور ص۶۳۹ باب المغازی اور ص۸۵۱ میں ثم خرج الی الناس، نماز خطبہ کا ذکر اور حافظ کا انکار۔ "مؤلف"

شرکت صرف ظہر میں مانی ہے۔ پہلے یہ بات بھی آچکی ہے کہ ایک نماز ظہر کی شرکت کو سب ہی مانتے ہیں' علاوہ امام شافعی کے خواہ وہ سنیچر کی ہو یا اتوار کی، جمعہ کی تو ہو نہیں سکتی، جمعرات کی شام سے علالت شروع ہوئی تھی، جمعہ، سنیچر، اتوار تین روز پورے علالت میں گذرے، پیر کے دن ظہر کے قبل وفات ہوئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اہم بحث: حافظ نے نماز عشاء کی شرکت سے بھی انکار کیا ہے جبکہ ابھی بخاری کی ۵۔۶ روایات سے بھی حضور علیہ السلام کے حجرہ شریفہ سے نکلنے اور نماز کے علاوہ خطبہ تک کا بھی ثبوت موجود ہے، مگر بڑا مغالطہ حدیث احمد بن یونس ص۶۵۱ سے ہی لگا ہے جو اس وقت سامنے ہے کیونکہ اس کے بھی شروع میں نماز عشاء کا ذکر صراحۃ موجود ہے لیکن آگے اسی حدیث میں راوی نے نماز ظہر کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس سے حافظ نے عشا کی شرکت ہٹا کر ظہر کی ثابت کر دی ہے۔ اور علامہ عینیؒ بھی یہاں چوک گئے کہ انھوں نے بھی غسل کے اس واقعہ میں ظہر کی نماز تسلیم کر لی، حالانکہ اس واقعہ کا کوئی تعلق نماز ظہر سے نہیں ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ ہمارے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم وغیرہ کسی نے بھی اس اشکال کی طرف توجہ نہیں کی، جبکہ فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق بھی حضرت شیخ الحدیث کے سامنے تو آ ہی چکی تھی، کہ وہ حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق کا ذکر ضرور اہم مباحث میں کیا کرتے ہیں۔ پھر زیادہ تعجب اس پر ہے کہ صاحب فیض الباری نے ص۲۱۰/۲ پر حاشیہ بھی لکھ دیا اور حدیث مسلم کا حوالہ دے کر حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق انیق کو بالکل ہی بے وزن کر دیا، پھر اتنی اہم بات کا حضرت شاہ صاحبؒ سے استفسار بھی نہ کرنا، جبکہ ان کا کمرہ جامعہ ڈابھیل میں حضرت کے کمرہ سے بالکل متصل تھا اور ہر وقت رجوع و استفادہ کے مواقع میسر تھے، اور حدیث مسلم پر حوالہ کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی کہ خود یہاں بخاری میں بھی بعینہ وہی حدیث احمد بن یونس والی موجود ہے۔

آخر یہ سوچنا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ ایسی اہم تحقیق پیش کر رہے ہیں، جس طرح بڑوں کی توجہ بھی نہ ہو سکی تھی، مثلاً علامہ عینی وغیرہ کی، اور بات اتنی واضح تھی کہ اس کا انکار ہو بھی نہیں سکتا، چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ کے الفاظ **ثم خرج الی الناس** سے بہت ہی واضح اور کھلی حقیقت ثابت ہو رہی ہے کہ غسل کے بعد آپ کا نکلنا نماز عشاء ہی کے لئے تھا، جس کا ذکر اسی حدیث میں پہلے موجود بھی ہے کہ وہ وقت عشا کا تھا، اور یہ مرض کا پہلا دن تھا (یعنی شب جمعہ کی عشاء کا وقت) تو اس خروج کو سنیچر یا اتوار کی ظہر کے لئے خروج کس طرح کہا جا سکتا ہے اور خود بخاری ص۵۱۲ میں **باب قولہ تعالیٰ کما یعرفون ابناء ھم** سے کچھ قبل حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ مرض وفات میں ہماری طرف نکلے، چادر لپیٹے ہوئے اور سر کو کالی پٹی باندھے ہوئے، حتیٰ کہ آپ منبر پر بیٹھے اور حمد و ثنا کی پھر **اما بعد** الخ خطبہ دیا اور یہ آپ کی منبر پر آخری مجلس تھی۔

پھر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بخاری ص۳۲ میں بعد غسل معہود کے صرف لوگوں کی طرف نکلنے کا ذکر ہے کسی نماز یا خطبہ کا ذکر نہیں، ص۵۱۲ میں غسل کے بعد نماز و خطبہ دونوں کا ذکر ہے مگر ظہر کا تذکرہ نہیں، ص۶۳۹ میں بھی غسل کے بعد نماز و خطبہ کا ذکر ہے، ظہر کی صراحت نہیں ص۸۵۱ میں بھی غسل کے بعد نماز و خطبہ کا تذکرہ تو ہے مگر ظہر کا ذکر نہیں، صرف ایک روایت ص۹۵ میں راوی نے پہلے نماز عشاء کا ذکر کیا اور پھر نماز ظہر کو بھی اس کے ساتھ جوڑ دیا، حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صورت واقعہ وہ نہیں تھی جو حافظ نے سمجھی ہے، بلکہ یہ تھی کہ راوی نے پہلے تو حضور علیہ السلام کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کی ایام علالت کی امامت کا ذکر کیا جس کے ضمن میں یہ بات آگئی کہ حضور نمازوں میں شریک نہیں ہو سکے اس لئے راوی کا ذہن اس طرف بھی منتقل ہو گیا کہ ان ایام میں جو نمازیں آپ نے جماعت کے ساتھ ادا کیں ان کو بھی بتلا دے، اور اس سلسلہ میں اس نماز کا بھی ذکر آ گیا جو غسل کے بعد آپ نے پڑھی ہے اور خطبہ بھی دیا ہے یعنی نماز عشاء اور ساتھ ہی ظہر کی نماز بھی ذکر میں آگئی، اور چونکہ وہی سب سے زیادہ مشہور تھی، اور اکثر کو معلوم، اس لئے اس کو اہتمام سے بیان کر گئے۔ یہ غرض نہ تھی کہ غسل کے بعد

آپ نے ظہر کی نماز پڑھی ہے، یا یہ کہ عشاء کی پڑھی ہی نہیں، جو حافظ وغیرہ نے سمجھ لیا، رواۃ حدیث کو ایسے تجوزات اور بیانی تسامحات پیش آتے رہتے ہیں، اور اسی بیانی تسامح راوی سے حافظ وغیرہ مغالطہ میں پڑ گئے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر ایسے مواقع پر بہت گہری تھی اور آپ سارے طرق ومتون حدیث کو جمع کر کے پھر کوئی فیصلہ کیا کرتے تھے، اسی لئے یہاں آپ نے خدا کے فضل وتوفیق سے وہ بات پیدا کی جس تک دوسرے اکابر نہ پہنچ سکے چنانچہ بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری کی باقی ۵۔۶ جگہ کی روایات میں غسل کے بعد ہی کی نماز کا ذکر کیا گیا ہے، جو عشاء کی تھی، اور پہلے ہی دن آپ نے شدید بخار اور غفلت وبے ہوشی کے بعد غسل خاص کے ذریعے طبیعت ہلکی ہونے پر پڑھی تھی، اس کے بعد تو آپ کے مرض میں اور بھی زیادہ شدت بڑھتی گئی، اور کئی روز تک شدید علالت کا سلسلہ قائم رہا، حتیٰ کہ آخری نماز پیر کی صبح کو جو آپ نے پڑھی ہے، وہ حسب تحقیق اکابر آپ نے حجرہ شریفہ سے اقتداء کر کے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں ادا فرمائی ہے، یعنی آپ اس وقت شدید علالت وضعف کے باعث مسجد نبوی تک بھی تشریف نہ لا سکے تھے۔ واللہ تعالے اعلم

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی بھی اہم مسئلہ کی تحقیق وتنقیح نہایت دشوار ہے۔ اور کسی ایسے مسئلہ کو سلجھانا حضرت شاہ صاحبؒ ایسے محقق ومبصر ہی کا حصہ تھا، خیال کیجئے جہاں امام ترمذی ایسا محدث اعظم تین نمازوں کی شرکت حدیث نقطہ نظر سے تسلیم کر چکا ہے، وہاں امام شافعی نے صرف فجر کی اور حافظ الدنیا نے صرف ظہر کی تسلیم کی ہو، ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بطور احتمال چوتھی نماز مغرب کا اضافہ فرمایا، اور اس کے لئے بخاری ومسلم کی حدیث ام الفضلؓ پیش کر دی کہ میں نے رسول اکرم ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات سنی اور آپ نے اس کے بعد وقت وفات تک ہمیں اور کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ (الخ انوارالباری ص ۱۷۵/۵)

یہ معمولی تحقیق نہیں ہے شارح مسلم علامہ عثمانیؒ بھی اس حدیث احمد بن یونس پر خاموشی سے گذر گئے اور عینی بھی خاموش رہے غسل کے بعد صلوٰۃ ظہر کے ذکر کی کوئی توجیہ کسی سے بھی میری نظر میں نہیں گذری ہے۔ حضرتؒ نے اس کو حل فرمایا تو صاحب فیض فرماتے ہیں وفی النفس منہ قلق الخ فیاللعجب! حضرتؒ کے علوم سے اتنی دوری اور وہ بھی اس قدر قرب جسمانی اور مدتوں درس بخاری دینے کے بعد،

حضرت شاہ صاحب کے علوم کس طرح ضائع ہوئے؟

افسوس صد افسوس کہ باوجود حضرتؒ کے بے نظیر علم وفضل وتبحر کے اور آپ کی عالمی شخصیت ہونے کے ارباب دارالعلوم دیوبند نے ان سے کما حقہ استفادہ نہ کیا، بلکہ معمولی اختلاف پر تو ایسی بے قدری وناحق شناسی کا برتاؤ کیا، جس کی مثال نہیں مل سکتی، پھر جتنا عظیم ذخیرہ ۳۰۔۴۰ سال کی محنت شاقہ سے حضرتؒ نے تین بکس یادداشتوں کی صورت میں چھوڑا تھا، وہ گھر والوں کی غفلت سے ضائع ہو گیا، آخر میں ایک شکل آپ کے تلامذہ کے ذریعہ آپ کی گرانقدر علمی تحقیقات کی اشاعت کی ہو سکتی تھی تو اس کا اندازہ بھی العرف الشذی وفیض الباری کے ذریعہ ہو سکتا ہے، کچھ بہتر کام مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادی مرحوم نے انوار المحمود کی شکل میں انجام دیا تھا۔ اور سب سے بہتر رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف بنوری دام فیضہم نے معارف السنن کی صورت میں کیا ہے، خدا اس کو پورا کرا دے، اس کام کی ابتداء احقر ہی نے مجلس علمی ڈابھیل کے زمانہ میں موصوف سے کرائی تھی، اس وقت فیض الباری کے بارے میں بہت خوش گمانی تھی، ورنہ اب افسوس ہوتا ہے کہ مولانا سے املی بخاری شریف ہی کا کام کیوں نہ کرایا گیا۔ باقی راقم الحروف جو کچھ کام کر رہا ہے اس کی حیثیت ظاہر ہے کہ طفل تسلی سے زیادہ نہیں ہے۔ من آنم کہ من دانم۔ البتہ اس پر عمل ہوگا۔

اندریں رہ مے تراش و مے خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

کچھ مخلص احباب اور بزرگوں کی نیک دعاؤں کی وجہ سے بھی گاڑی یہاں تک کھنچ گئی اور خاص طور سے محترم مولانا اسماعیل یوسف گارڈی افریقی (تلمیذ حضرت شاہ صاحبؒ) اور محترم الحاج ایم ایس ڈوکرات والحاج موسیٰ بوڈھانیہ وغیرہ احباب افریقہ کے اصرار وحوصلہ افزائی

کے باعث بھی اس کام میں لگا ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے کہ تکمیل کرسکوں۔ آمین

احقر مجلس علمی کے سلسلہ میں دو سال حضرتؒ کی خدمت میں رہا، امالی درس بخاری شریف کے علاوہ حضرتؒ کے ملفوظات گرامی اور مواعظ بھی لکھ لیا کرتا تھا۔ یہ سب کام ضمنی تھا، بڑا کام حضرتؒ کی یادداشتوں کی نقل و ترتیب و تخریج حوالات وغیرہ تھی۔ حق تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی، ورنہ زیادہ کام ہوسکتا تھا، اور حضرتؒ خود بھی فرماتے تھے کہ یہ صاحب اگر ہمیں پہلے سے مل جاتے تو بڑا کام ہو جاتا، وہی کچھ حضرتؒ کی نظر کرم و شفقت تھی جس کے طفیل میں اب بھی اس کام میں دل پھنسا ہوا ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم.

اب آپ کے سامنے بخاری کے ترجمہ و حدیث الباب ص ۶۵۱ کے متعدد اہم جملوں کی انوری تشریح بھی مزید فائدہ کے لئے پیش ہے۔ فیض الباری ص ۲۱۰/۲ میں قولہ فوجد رسول اللہ ﷺ کا موقع بھی بجائے ص ۲۱۴ کے ترتیباً غلط ہو گیا ہے، ہم سب جملوں کو صحیح ترتیب سے لکھیں گے۔ واللہ المعین:

(۱) قولہ وقال ابن مسعود الخ: حضرتؒ نے فرمایا کہ جو جواب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سائل کو دیا ہے (اور امام بخاری کا بھی یہی مختار ہوگا کہ اس کو ذکر کیا ہے) یہی مسلک حنفیہ کا ہے۔

(۲) قولہ وقال الحسن الخ: یہ بھی حنفیہ کا مسلک و مختار ہے، اور ان مسائل کو "مسائل السجدات" کہا جاتا ہے شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں ان کو مستقل فصل میں ذکر کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی مالا بدمنہ میں لکھا ہے۔

(۳) قولہ فارسل النبی ﷺ الخ:۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ حافظ نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے غسل کے بعد عشاء کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تھا۔ مگر قدرت نہ ہوئی، تب حضرت ابوبکرؓ کو امامت کے لئے حکم فرمایا۔ لیکن یہ بات متعدد روایات کے خلاف ہے جس کی تفصیل اوپر گذری ہے، اور ص ۹۹ بخاری میں تو اس امر کی بھی صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز شروع کرا چکے تھے، پھر حضور علیہ السلام نے مرض میں خفت محسوس کی اور مسجد کی طرف نکلے ہیں، اور نماز پڑھائی اور خطبہ بھی دیا۔

(۴) فجعل ابو بکر یصل وھو قائم بصلوۃ النبی علیہ السلام: راوی کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام امام ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ بطور مبلغ کے تکبیر کہتے تھے، حضرتؒ نے فرمایا کہ علامہ عینی نے بخاری کی طرف تسلسل قدوہ کا مسلک منسوب کیا ہے، جو سلف میں سے شعبی اور ابن جریر کا بھی مختار ہے، کہ پہلی صف والے امام کے مقتدی ہیں، دوسری والے پہلی صف والوں کے اور اسی طرح آخری صفوف تک۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک سارے مقتدی بلا توسط کے امام ہی کی اقتدا کرتے ہیں۔ ثمرۂ خلاف جب ظاہر ہوگا کہ کوئی شخص جماعت کو پہنچا اور امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھا چکے تھے، البتہ آخری صفوں میں کوئی ابھی رکوع میں تھا کہ اس شخص نے اسی کی اقتدا کرلی اور اس کے رکوع میں شریک ہو گیا تو اس کو شعبی وغیرہ کے نزدیک رکعت مل گئی، مگر جمہور کے نزدیک نہیں ملی۔

(۱) قولہ ان رسول اللہ ﷺ رکب فرسا حدیث ص ۶۵۳: فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا یہ واقعہ گھوڑے سے گرنے کا حسب تحقیق ابن حبان پانچویں سال ہجرت کا ہے اور حافظ نے غلطی سے اس کو نویں سال کا بتلایا ہے۔ مغالطہ بعض راویوں کی تعبیری مسامحت سے ہوا ہے کہ انھوں نے اس قصہ کو اور ایلاء کے قصہ کو ایک ہی سیاق میں ذکر کیا ہے، کیونکہ دونوں وقت حضور علیہ السلام نے مشربہ (بالا خانہ) میں قیام فرمایا تھا، علامہ زیلعی حنفی نے اس پر تنبیہ کی ہے مگر حافظ سے تعجب ہے کہ وہ اس اشتراک کے سبب سے غلطی میں پڑ گئے، حالانکہ راوی یہ بھی بتلاتے ہیں کہ قصہ جحوش مذکورہ میں تو حضور علیہ السلام تکلیف کی وجہ سے نیچے اتر ہی نہیں سکتے تھے، برخلاف اس کے قصہ ایلا میں کوئی جسمانی معذوری نہ تھی۔

(۲) قوله فصلينا وراءه قعودا: حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک واقعہ تو سقوط نبوی والا ہے اور اس کے بارے میں جو حدیث وارد ہے، وہ الگ ہے، اور دوسرا واقعہ بہت بعد کا ہے اور اس کی حدیث بھی دوسری ہے، جس میں خاص طور سے اقتدا کے احکام بتلائے گئے ہیں، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، بعض حضرات نے دونوں حدیث کو ایک قرار دے کر چاہا کہ دوسری حدیث کے اس حکم کو زائد بتلا کر اولی بالحذف قرار دیدیں، حالانکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ بھی ہیں جو ۵ھ کے بہت بعد کو اسلام لائے ہیں، لہٰذا اس حدیث کے زائد الفاظ مذکورہ کی صحت میں صرف ان ہی لوگوں نے شک کیا ہے جو قراءۃ خلف الامام کے قائل ہیں اور ان کی فقہ حدیث پر غالب آ گئی ہے، حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ حدیث کو متبوع بنا کر فقہ کو اس کے تابع کیا جائے۔ اس کی مزید تفصیل و بحث مسئلہ قراءت خلف الامام میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرتؒ نے اس کو اپنے رسالہ قراءت خلف الامام میں بھی کئی جگہ لیا ہے۔

(۳) قوله انما يؤخذ بالآخر فالآخر: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے بھی بعد والی حدیث نبوی کو ناسخ قرار دے کر امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام ثوری و جمہور سلف کا مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کسی عذر سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بے عذر کے مقتدیوں کو بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہئے امام احمد و اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ مقتدیوں کو عذر نہ ہو تب بھی وہ امام قاعد معذور کے پیچھے بیٹھ کر ہی پڑھیں گے۔ ابن حزم نے اہل ظاہر کی تائید میں بہت کچھ مبالغہ آرائی کی ہیں جو خلاف واقعہ ہیں۔ کیونکہ خطابی نے معالم میں اور قاضی عیاض نے اکثر فقہاء سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، علامہ ابن دقیق العید و علامہ نووی نے بھی جمہور سلف سے، ابن حزم کے خلاف نقول پیش کی ہیں اور ان کے دعوائے اجماع وغیرہ کا پورا رد کر دیا ہے۔ امام بخاری سے بھی اس مسئلہ میں امام احمد و اہل ظاہر کا رد ثابت ہوا۔ اس مسئلہ کو فتح الملہم ص۵۳/۲ میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ مع دلائل ذکر کیا گیا ہے۔

باب متے يسجد من خلف الامام وقال انس
عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم فاذا سجد فاسجدوا

(جو لوگ امام کے پیچھے ہیں، وہ کب سجدہ کریں، اور حضرت انسؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل
کیا ہے کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو)

۶۵۴: حدثنا مسدد قال حدثنا يحيى بن سعيد عن سفيان قال حدثني ابو اسحاق قال حدثني عبدالله بن يزيد قال حدثني البراء و هو غير كذوب قال كان رسول الله صلے الله عليه وسلم اذا قال سمع الله لمن حمده لم يحن احدنا ظهره حتىٰ يقع النبي صلے الله عليه وسلم ساجداً ثم نقع سجوداً بعده

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید روایت کرتے ہیں، کہ مجھ سے براء بن عازبؓ نے بیان کیا، (اور وہ سچے تھے) کہ جب نبی کریم ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی شخص اپنی پیٹھ اس وقت تک نہ جھکاتا جب تک کہ نبی کریم ﷺ سجدے میں نہ چلے جاتے، آپ کے بعد ہم لوگ سجدے میں جاتے۔

تشریح: حدیث کے اندر حکم ہوا کہ جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اس سے امام احمد و امام شافعیؒ نے سمجھا کہ امام کے سجدے کے بعد مقتدی کو سجدہ کرنا چاہئے کہ فا تعقیب کے لئے ہے اور ایسے ہی تمام افعال نماز کو مقتدی امام سے مؤخر کرے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ امام و مقتدی تمام افعال نماز میں ساتھ ہوں، اور امام ابو یوسف و امام محمدؒ تحریمہ و تسلیم کے علاوہ سب افعال میں مقارنت کے قائل ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شرح التسہیل میں ہے کہ فا جزائیہ میں دونوں قول ہیں تعقیب بھی اور مقارنت بھی۔ لہٰذا فا ہمارے مذہب پر

بھی درست ہے، پھر یہ کہ تعقیب ذاتی بھی ہوتی ہے اور بعدیہ ذاتیہ مقارنت زمانیہ کے منافی نہیں ہے، پس میں اس فا کو تعقیب ذاتی و مقارنت زمانی پر اتارتا ہوں اور امام و مقتدی کے افعال میں تقدم و تاخر ذاتی ہی ہونا چاہیئے، امام اعظمؒ کا منشا بھی مقارنت سے یہ ہے کہ امام جب کسی رکن میں داخل ہو تو مقتدی بھی اسی وقت اس میں داخل ہو جائے، یہ انتظار نہ کرے کہ امام اس رکن کو پورا کر لے تب وہ اس رکن میں داخل ہو۔ پس مقتدی امام کے رکوع کے ساتھ ہی رکوع کر لے گا، یہ انتظار نہ کرے گا کہ امام رکوع پورا کر لے، تب یہ رکوع میں جائے۔ گویا امام کا رکوع علت کے طور پر ہوگا مقتدی کے رکوع کے لئے، اور جس طرح علت و معلول ساتھ ہوتے ہیں، ان دونوں کے افعال بھی ساتھ ہوں گے۔ یہی میرے نزدیک جماعت کا منشا بھی ہے، کہ سب کی حرکت ایک ہو اور سب کی نماز ایک ہو اور سب کی قراءت بھی ایک ہو۔

مقصد شارع امام سے پہلے کسی رکن کو ادا کرنے کی ممانعت ہے، پھر وہ ساتھ ہو یا بعد میں۔ امام صاحب نے ساتھ کرنے کو ترجیح دی ہے، اور امام سے پہلے کرنے کو سب نے بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے، اگرچہ نماز درست ہو جائے گی، حضرتؒ نے یہ بھی فرمایا کہ صحت کراہت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے، اس کو سب نے مانا ہے بجز علامہ ابن تیمیہ کے، وہ اس کے مخالف و منکر ہیں۔

باقی حدیث میں یہ جو صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے، تو ہم اس وقت تک سجدہ کے لئے نہ جھکتے تھے جب تک حضور علیہ السلام سجدہ میں نہ پہنچ جاتے تھے اور حافظؒ نے اس پر لکھا کہ اس سے مقارنت کی نفی واضح طور سے نکل رہی ہے، تو اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ ابوداؤد[1]، ابن ماجہ، و مسند احمد کی حدیث نے واضح کر دیا ہے کہ یہ حکم حضور علیہ السلام نے اس وقت دیا تھا، جب آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تھا، اور اس وقت یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں صحابہ کرام حضور علیہ السلام سے مقدم نہ ہو جائیں۔ لہٰذا یہ حکم مبادرت سے بچانے کے لئے تھا۔ مقارنت کے خلاف نہ تھا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیشہ عادت صحابہ کرام کی مقارنت کی تھی، اور اسی لئے حضور علیہ السلام نے جب آپ کا بدن بھاری ہو گیا تو صحابہ کو ہدایت فرمانے کی ضرورت محسوس کی کہ کہیں مقارنت اور حضور کے اتباع کامل کے اشتیاق میں حسب عادت جاری رہنے میں مسابقت و مبادرت کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (زیادہ تفصیل معارف السنن ص ۳/۵۴ میں دیکھیں)

حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی افادہ کیا کہ " فاذا رکع فارکعوا " میں اگر فا کو تعقیب کے لئے بھی مان لیں تب بھی بعدیت ذاتیہ کہیں گے نہ زمانیہ، کیونکہ جزاء شرط ہے۔ پس مقارنت حنفیہ اس معنی پر بھی ثابت ہے، پھر فرمایا کہ میں چہرہ اور آئینہ معاً دیکھ لیتا ہوں، جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر چہرہ دیکھے گا تو آئینہ نہیں دیکھے گا۔ وبالعکس۔ متکلمین و فلاسفہ کا زمانہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ بعدیت ذاتیہ ہے یا زمانیہ؟ یہاں لامع اور حاشیہ سے یہ تفصیل بھی قابل ذکر ہے کہ تحریمہ، تسلیم اور بقیہ ارکان صلوٰۃ کے احکام الگ ہیں،

(۱) ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تحریمہ میں امام سے تقدم ہوا تو نماز باطل ہوگی، البتہ اس میں امام شافعی کا ایک قول مخالف ہے جس کو ان کے اصحاب نے پسند نہیں کیا، (اور پہلے ہم حضرت شاہ صاحبؒ سے نقل کر چکے ہیں کہ امام بخاری بھی تقدم کو جائز رکھتے ہیں، واللہ اعلم

(۲) امام سے قبل اگر مقتدی سلام پھیر دے تو مالکیہ کے نزدیک تو مقارنت بھی مفسد ہے، لہٰذا تقدم بدرجہ اولیٰ مفسد ہوگا، امام شافعی و امام احمد کے نزدیک بھی تقدم مفسد ہے، لیکن مقارنت مکروہ ہے مع صحت صلوٰۃ کے۔ حنفیہ کے نزدیک سلام میں تقدم مکروہ غیر مفسد ہے۔ لہٰذا مقارنت بھی صرف مکروہ ہوگی، (معارف السنن ص ۳/۶۰ میں امام صاحب سے دو روایت نقل کی ہیں)

(۳) باقی ارکان صلوٰۃ کے بارے میں جمہور کا مسلک جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں جواز صلوٰۃ مع کراھۃ التحریم ہے، امام احمد سے ایک روایت میں تقدم مبطل صلوٰۃ ہے، اور یہی اہل ظاہر کا قول ہے (الابواب للبخاری ص ۲/۲۶۸)

---

[1] فیض الباری ص ۲/۲۱۶ میں مسلم کا حوالہ درست نہیں معلوم ہوتا واللہ اعلم (مؤلف)

فائدہ: فتح الملہم ص۲/۵۳ میں حدیث انما جعل الامام لیؤتم به کے تحت لکھا۔ اقتدا و اتباع امام کی پوری شان یہ ہے کہ نہ اس کے افعال سے سبقت و مبادرت کرے، نہ اس کے برابر یا آگے کھڑا ہو، اور اس کے تمام احوال پر نظر کر کے اسی جیسے افعال ادا کرے۔ اور اس کی کسی فعل میں مخالفت بھی نہ کرے۔ قال الحافظ۔ علامہ ابیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام مالک و جمہور کے لئے حجت ہے، جن میں امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں کہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ وابستہ و مرتبط ہونی چاہئے، خاص طور سے جبکہ حدیث میں یہ تاکید بھی وارد ہے کہ فلا تختلفوا علیه، یعنی امام کی کسی حال میں مخالفت نہ کرو اور اس سے امام شافعی اور دوسرے محدثین کا رد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتدا درست ہے، اور عصر پڑھنے والے امام کے پیچھے ظہر والے کی اقتدا صحیح ہے، انھوں نے اختلاف کی ممانعت نبویہ کو صرف ظاہری افعال پر محمول کیا ہے جبکہ امام مالک وغیرہ نے اس کو عام رکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ نیتوں کے اختلاف سے بڑا اور کون سا اختلاف ہوسکتا ہے، پھر بھی امام شافعی اور دوسرے ان کے ہموا محدثین دو فرض نمازوں یا ایک فرض دوسری نفل نمازوں کے اختلاف کو بھی ممانعت نبویہ کے تحت لانا نہیں چاہتے؟!

باب اثم من رفع راسه' قبل الامام

(اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے امام سے پہلے سر اٹھایا)

۶۵۵: حدثنا حجاج بن منهال قال حدثنا شعبة عن محمد بن زياد قال سمعت اباهريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اما يخشىّ احدكم اوالايخشىّ احدكم اذا رفع راسه' قبل الامام ان يجعل الله راسه' راس حمار اويجعل الله صورته' صورة حمار

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے، اس بات کا خوف نہیں کرتا، کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا (سا) سر بنادے، یا اللہ اس کی صورت گدھے کی (سی) بنادے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث الباب میں گدھے کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ فعل بڑی حماقت کا ہے، کیونکہ اپنے مقام اور امام کے منصب کو بھی نہ سمجھا، پھر حدیث میں صرف خشیت کا لفظ ہے کہ اس کا ڈر ہے، اللہ ایسا نہ کردے، تاہم ملا علی قاریؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے عمداً امام سے پہلے سجدہ سے سر اٹھایا تھا کہ دیکھے قول نبوی درست ہے؟ تو اس کا چہرہ گدھے کا ہوگیا تھا، پھر عمر بھر نقاب ڈالتا رہا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث کا مضمون آخرت سے متعلق ہو، کہ وہاں مسخ ہوجائے گا، والعیاذ باللہ۔ معلوم ہوا کہ امام کی مخالفت ظاہری و باطنی ہر طرح نادرست ہے، اور اس امر کا لحاظ سب سے زیادہ حنفیہ نے کیا ہے، علامہ عینی نے یہاں اچھی تحقیق ذکر کی ہے اور مسخ کے بارے میں لکھا کہ یہ امت مسخ صورت سے محفوظ کردی گئی ہے، اس لئے ظاہری مسخ مراد نہیں ہوسکتا، البتہ آخر زمانہ میں ہوبھی سکے گا جیسا کہ بعض احادیث اشراط ساعت میں آتا ہے، پھر یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حق تعالے ایسے لوگوں کے لئے کسی دوسرے وقت کے لئے عذاب کو مؤخر کردیں، جیسا کہ بعض ثقات کی نقل سے معلوم ہوا کہ بعض شیعی حضرات جو سب صحابہ کرتے تھے، ان کی صورتیں مرنے کے وقت خنزیر اور گدھے کی ہوگئیں، اور ایسے ہی والدین کی نافرمانی کرنے والی اولاد کے بارے میں نقل ہوا ہے، جنھوں نے اپنے والدین کو گدھا، خنزیر یا کتا کہا تھا۔ (عمدہ ص۳/۷۵۶)

باب امامة العبدوالمولیٰ وکانت عائشة یؤمها عبدها ذکوان من المصحف وولدالبغی والاعرابی والغلام الذی لم یحتلم لقول النبی صلے اللہ علیہ وسلم یؤمهم اقرء هم لکتاب اللہ ولایمنع العبد من الجماعة بغیر علة

(غلام اورآزادکردہ غلام کی امامت کا بیان، حضرت عائشہؓ کی امامت ان کا غلام ذکوان مصحف سے (دیکھ دیکھ کر) کیا کرتا تھا اور ولدالزنا، اور گنوار کی اور اس لڑکے کی امامت جو بالغ نہ ہوا ہو (درست ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی امامت وہ شخص کرے جو ان سب میں کتاب اللہ کی زیادہ قراءت والا ہو، اور بے وجہ غلام کو جماعت سے نہ روکا جائے)

۶۵۶: حدثنا ابراهیم بن المنذر قال حدثنا انس بن عیاض عن عبیداللہ عن نافع عن عبداللہ بن عمر قال لما قدم المهاجرون الاولون العصبة موضعاً بقبآء قبل مقدم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان یؤمهم سالم مولیٰ ابی حذیفة وکان اکثرهم قراٰناً

۶۵۷: حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا یحییٰ قال حدثنا شعبة قال حدثنی ابوالتیاح عن انس بن مالک عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اسمعوا واطیعوا وان استعمل حبشی کان راسه، زبیبة

ترجمہ۶۵۶: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے جب مہاجرین اولین محلہ قبا کے مقام عصبہ میں مقیم تھے، تو ان کی امامت ابوحذیفہ کے آزادکردہ غلام حضرت سالمؓ کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ قرآن کا حفظ سب سے زیادہ رکھتے تھے۔

ترجمہ۶۵۷: حضرت انس بن مالکؓ، رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، کہ اگر کوئی حبشی (تم پر) حاکم بنا دیا جائے، اور وہ ایسا بدرو ہو کہ گویا اس کا سر انگور ہے۔ تب بھی اس کی سنو، اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ غلام کی امامت میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ حافظ نے لکھا کہ غلام کی امامت جمہور کے نزدیک درست ہے، صرف امام مالک نے مخالفت کی اور کہا کہ غلام، احرار کے امام نہ بنیں البتہ اگر وہ قاری و عالم ہوں اور مقتدی ایسے نہ ہوں تو حرج نہیں، بجز جمعہ کے کیونکہ وہ غلام پر فرض نہیں ہے، علامہ اشہب مالکی نے کہا کہ وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب وہ شریک جمعہ ہوگا تو اس سے فرض ہی تو ادا ہوگا۔ (فتح ص ۲/۱۲۷)

اعرابی (دیہاتی) کی امامت بھی جمہور کے نزدیک درست ہے، امام مالک نے فرمایا کہ اکثر جاہل ہوتے ہیں، اور تارک جماعت وغیرہ، اس لئے کراہت ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو تو وہ بھی مکروہ نہ کہیں گے۔

ولد البغی، یعنی مجہول النسب کی امامت بھی اگر وہ صالح ہو تو درست ہے، اس میں بھی امام مالک کا اختلاف ہے۔

نابالغ کی امامت شافعیہ کے نزدیک درست ہے، حنفیہ فرض نماز کی نابالغ کی امامت نادرست کہتے ہیں، امام مالک و ثوری بھی مکروہ کہتے ہیں۔ امام احمد و امام ابوحنیفہؒ سے نوافل کی امامت کے جواز کا قول ہے۔

امام بخاری نے بظاہر شافعیہ کی موافقت کی۔ امام احمد و اسحٰق کے نزدیک بھی امام ابوحنیفہ کی طرح فرض نماز کی امامت نابالغ کے لئے جائز نہیں۔ علامہ موفق نے نقل کیا کہ نابالغ کی امامت فرض میں صحیح نہیں، اور یہی قول امام مالک کا ہے۔ (الابواب ص ۲/۲۶۹)

قولہ وان استعمل حبشی: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ وقت یا سلطان وقت نے اپنے ماتحت کسی حبشی وغیرہ کو عامل (گورنر وغیرہ) بنا دیا (جیسا کہ بعض طرق روایات میں اس امر کی صراحت بھی ہے) تو وہ صحیح ہے، باقی امام اکبر (خلیفہ

وقت یا سلطان اعظم) کے لئے شرعا یہی بات ہے کہ وہ قریشی ہو (الائمۃ من قریش) اور طرابلسی نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ قریشی ہونا شرط نہیں ہے، جبکہ مسئلہ یہی لکھا ہوا ہے کہ قریشی ہونا شرط ہے۔ اور طرابلسی کے علاوہ کسی کی نقل نہیں ملی، پھر فرمایا کہ درحقیقت یہ مسئلہ علم فقہ کا تھا، کہ کون امام اکبر ہو کون نہ ہو، مگر اس کو علم کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، اور وہیں اس کے احکام ذکر کرنے لگے ہیں۔

حافظ نے لکھا یہاں حبشی کی امارت کا ذکر کر کے یہ بتلایا کہ جب وہ قابل اطاعت ہے تو اس کی امامت میں نماز بھی درست ہوگی۔ (قالہ ابن بطال)

اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ سلاطین اسلام اگر ظلم بھی کریں تو ان کی مخالفت کا جھنڈا نہ اٹھانا چاہیئے، کیونکہ مخالفت کے نتیجہ میں اس سے بھی بدتر حالات پیش آسکتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب عبد حبشی کی اطاعت ضروری ہے جبکہ ظاہر ہے وہ قہر و غلبہ ہی کے ذریعہ حاکم و والی بنا ہوگا۔ کیونکہ اصل استحقاق امامت عظمیٰ تو قریش کے لئے ہے، تو اس کی اقتدا بھی درست ہونی چاہیئے، مگر ابن الجوزی نے اس کو رد کیا ہے اور کہا کہ یہاں مراد امام اعظم نہیں، بلکہ وہ ہے جو اس کے ماتحت کسی عہدہ پر مسلط ہو گیا ہو۔ اور بعض لوگوں نے جو اس سے جواز امامت غیر قریشی کے لئے استدلال کیا وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ مجبوری کے جواز اور حقیقی جواز میں تلازم نہیں ہے، اور اس کے مفصل بحث اپنی جگہ کتاب الاحکام میں آئے گی (فتح ص ۲/۱۲۸)

علامہ عینیؒ نے بھی ایسی ہی تشریح کی ہے، اور آخر میں لکھا کہ ایسے متغلب کی اطاعت اسی وقت تک ہے کہ وہ جمعہ، جماعات، عید و جہاد کو قائم رکھے۔ (عمدہ ص ۲/۷۶۰)

باب اذا لم يتم الامام و اتم من خلفه

(اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کرلیں)

۶۵۸: حدثنا الفضل بن سهل قال حدثنا الحسن بن موسیٰ الاشيب قال حدثنا عبدالرحمٰن بن عبدالله بن دينار عن زيد بن اسلم عن عطآء بن يسار عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم قال يصلون لكم فان اصابوا فلكم و ان اخطأوا فلكم و عليهم

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ جو تمہیں نماز پڑھاتے ہیں اگر ٹھیک ٹھیک پڑھائیں گے، تو تمہارے لئے (ثواب) ہے اور اگر وہ غلطی کریں گے، تو تمہارے لئے (ثواب تو) ہے ہی اور ان پر (گناہ) ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ اس باب میں امام بخاریؒ نے مسائل اقتداء امام کی طرف اشارہ کیا ہے جو شافعیہ کے یہاں بہت ضعیف ہیں، اور امام بخاری کے نزدیک ان سے بھی زیادہ کمزور و بے حیثیت ہیں، گویا ان کے یہاں اقتدا کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بظاہر ایک جگہ میں امام و مقتدی جمع ہو گئے اور مقتدیوں نے امام کی صرف ظاہری و حسی اتباع کر لی، پھر اگر امام بخاری حدیث الباب سے تعدیل ارکان جیسے افعال کے لئے استدلال کر لیتے، تب بھی کوئی حرج نہ تھا، لیکن جس طرح وہ اہم اعظم ارکان صلوٰۃ کے لئے بھی استدلال کرنا چاہتے ہیں وہ صحیح نہیں، کیونکہ حدیث الباب کا شان ورود تو ائمہ جور کے اعمال خارجی سے تھا، مثلاً وقت مکروہ میں نماز پڑھنا وغیرہ نہ کہ داخلی اعمال واجبات و ارکان صلوٰۃ سے جو اجزاء نماز ہیں، جیسا کہ محقق قاضی عیاض مالکیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح موجود ہے، لہٰذا نماز کے داخلی امور و ارکان سے اس کو متعلق کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ حضرتؒ نے مزید فرمایا کہ قولہ علیہ السلام **فان اصابوا فلكم** الخ کے عموم سے امام بخاری کا استدلال نہایت ضعیف ہے، کیونکہ وہ امر مبہم ہے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے مصداق کون سے امور ہیں اور کون سے نہیں، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ ان کو ارکان و اجزاء نماز پر جاری کر دیں۔ شافعیہ نے اس عموم سے یہاں تک فائدہ اٹھایا کہ اگر امام نے بلاوضو یا حالت جنابت میں نماز پڑھا دی، تب بھی مقتدیوں کی نماز درست بتلاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ صرف امام اپنی لوٹا لے گا۔ مقتدیوں کو اگر

درمیان میں معلوم ہوگیا تو پہلی تو صحیح ہوگئی، باقی کو بغیر نیت اقتدا کے اپنی سمجھ کر پوری کرلیں گے، اور اگر بعد کو معلوم ہوا تو اعادہ کی ضرورت نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ باطل محض ہے، کیونکہ اس امام نے تو ایسی نماز پڑھائی، جس کو نماز کہہ بھی نہیں سکتے، کہ بنص حدیث نماز بغیر طہارت کے ہوتی ہی نہیں، لہٰذا لکم اور علیہم کا مصداق کم سے کم ایسی نماز پر تو ہونا چاہیئے جس کو شرعی نماز کہہ سکیں، اس نماز کو تو نماز نہیں کہہ سکتے جو بلا طہارت والے امام کے پیچھے پڑھی ہے۔ باقی اگر مقتدیوں کو یہ علم ہی نہ ہو کہ امام نے بلا طہارت نماز پڑھادی ہے تو وہ ضرور عذر ہے اور ایسی حالت میں حنفیہ بھی یہی کہیں گے کہ نماز کا اعادہ نہیں کہ وہ بلا علم کے مکلف نہیں ہوسکتے۔ پھر حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ ائمہ جور کی اطاعت اس وقت تک ہے کہ وہ نماز قائم کریں، جمعہ، جماعات و جہاد پر عامل ہوں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت و اقتدار اس وقت تک کریں گے کہ ان کی نمازیں تو صحیح ہوں، اور ان پر نماز کا اطلاق درست ہوسکے۔ ابوداؤد میں بھی حدیث ہے باب **جماع الامامة و فضلها** میں کہ جو نماز پڑھائے تو اگر وقت پر پڑھائے تو اس کو اور مقتدیوں کو ثواب ملے گا، اور جو اس میں کوتاہی کرے تو امام پر گناہ ہوگا مقتدیوں پر نہیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ کوتاہیاں برداشت ہیں نہ یہ کہ سرے سے نماز ہی صحیح نہ ہو جیسے بلا طہارت کے امام کی نماز سرے سے ہوگی ہی نہیں غرض حدیث الباب وغیرہ سے صرف مقتدیوں کو تسلی دینا ہے کہ ائمہ جور کے ظلم سے بچنے کے لئے اگر نمازوں میں کوتاہی ہو تو وہ قابل مواخذہ نہ ہوگی، اور سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ وقت پر اپنی کامل نمازیں گھروں میں پڑھ کر جاتے تھے، اور پھر ائمہ جور کے ساتھ بھی رفع فتنہ کے خیال سے اقتداء کر لیتے تھے، چنانچہ اگلے باب میں حدیث بخاری بھی لائے ہیں کہ ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے، جس سے ہم دل تنگ ہوتے ہیں۔ یہ سب خارجی معاملات نماز کے مکروہ اوقات میں پڑھنے یا ائمہ جور وفساق کے پیچھے نماز مجبوراً پڑھنے کے تھے، یہ غرض نہ تھی کہ وہ بلا طہارت کے نماز پڑھاتے تھے، یا بلا تعدیل ارکان کے، یا نقص ارکان وغیرہ داخلی نقائص کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ جب حدیث الباب **فان اصابوا فلكم** کا دوسرے شواہد کے ذریعہ وقت سے متعلق ہونا ثابت ہے تو یہاں امام بخاری کو عام مسائل قدوہ کے ذیل میں لانا ہی سمجھ میں نہیں آتا، اور اگر یہ حدیث ارکان کے بارے میں ہوتی تو حدیث یہ بھی تو بتاتی کہ امام اگر نقص ارکان کرلے تو مقتدی ایسی صورت میں کس طرح کریں،

علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث الباب کو جس طرح امام بخاری لائے ہیں، وہ اس میں متفرد ہیں کیونکہ ابن حبان و دارقطنی و ابوداؤد نے اسی حدیث الباب کو اور اس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ سے دوسری صورت میں روایت کیا ہے۔ جس میں ائمہ جور کی بے وقت نماز پڑھانے کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح مبہم طور سے روایت نہیں ہے جیسی امام بخاری کی ہے۔ (عمدہ ص۱۷۶/۲)

غرض امام بخاری نے حدیث الباب کو اپنے مقصد سے ذکر کیا اور حافظ نے شرح میں اس سے شافعی نقطہ نظر کو قوت پہنچانے کی سعی کی ہے، اور یہ ہے فقہ سے حدیث کی طرف چلنا اور اس کو اپنی فقہ سے مطابق کرنے کی سعی کرنا، حالانکہ صحیح صورت اس کے برعکس ہے کہ پہلے حدیث کے مفہوم و مصداق کو خالی الذہن ہو کر متعین کرلیا جائے، پھر اسی کے تحت فقہی مسئلہ نکالا جائے۔ واللہ الموفق۔

حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ لفظ تمام سے اشارہ امور زائدہ سنن و مستحبات کی طرف ہوسکتا ہے نہ کہ ارکان و شرائط صلوٰۃ کی طرف کہ ان میں خلل و کمی سے تو نہ امام کی نماز ہوگی، نہ مقتدیوں کی۔ مگر شاید امام بخاری بھی شافعیہ کے مسلک کے قائل ہیں کہ امام کی نماز کے فساد سے مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوتی، (لامع ص۲۶۷/۲)

ایک اہم غلطی کا ازالہ: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع میں لکھا: قسطلانی نے کہا کہ "اگر امام نماز کو ناقص کرے اور مقتدی کامل کرلیں تو ان کی نماز میں خلل نہ آئے گا، یہ مذہب شافعیہ کا ہے مثل مالکیہ کے اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے" حالانکہ مالکیہ و امام احمد کا یہ مسلک نہیں ہے، نہ وہ شافعیہ (اور امام بخاری) کے عام اور پورے مسلک سے متفق ہیں البتہ صرف حدیث کے مسئلہ میں ان کے ساتھ

ہیں، یعنی امام اگر بھول کر بلاطہارت کے نماز پڑھادے، اور نماز کے بعد بتلائے تو مقتدیوں کو نماز لوٹانا ضروری نہ ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ سب کو لوٹانی پڑے گی۔ حضرت شیخ الحدیث نے ص ۲۶۷ میں اختلاف کی پوری تفصیل علامہ عینی حنفی اور علامہ موفق حنبلی سے نقل فرما کر واضح کر دیا کہ علاوہ ایک مسئلہ حدیث کے مالکیہ وحنابلہ باقی تمام مسائل میں حنفی کے ساتھ ہیں۔ شافعیہ کے ساتھ نہیں ہیں جزاھم اللہ خیر الجزاء.

باب امامة المنفتون والمبتدع وقال الحسن صل وعليه بدعته' وقال لنا محمد بن يوسف حدثنا الاوزاعي قال حدثنا الزهري عن حميد ابن عبدالرحمٰن عن عبيدالله بن عدى بن الخيار انه' دخل عليٰ عثمان بن عفان و هو محصور فقال انك امام عآمة و نزل بك ماترىٰ و يصلي لنآ امام فتنة و نتحرج فقال الصلوٰة احسن مايعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذااسآء وافاجتنب اسآء تهم وقال الزبيدى قال الزهرى لانرىٰ ان يصليٰ خلف المخنث الامن ضرورة لابدمنها

(مبتلائے فتنہ اور بدعتی کی امامت کا بیان حسن کا قول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز) پڑھ لو اس کی بدعت (کا گناہ) اس پر ہے' ہم سے محمد بن یوسف نے بواسطہ اوزاعی' زہری' حمید بن عبدالرحمٰن' عبیداللہ بن عدی بن خیار سے روایت کی ہے' کہ وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس اس حالت میں گئے' (جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے (باغیوں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تھا) ان سے کہا' کہ آپ امام کل ہیں' اور آپ کی یہ کیفیت ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں' ہمیں امام فتنہ نماز پڑھاتا ہے' جس سے ہم تنگ دل ہوتے ہیں' تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نماز آدمی کے تمام اعمال میں سب سے عمدہ چیز ہے' جب لوگ عمدہ کام کریں' تو تم بھی ان کے ہمراہ عمدہ کام کرو اور جب وہ برا کام کریں' تو تم ان کی برائی سے علیحدہ رہو اور زبیدی کہتے ہیں کہ زہری کا قول ہے کہ ہم مخنث کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جانتے لیکن جب کہ لاچاری و مجبوری ہو)

۶۵۹: حدثنا محمد بن ابان قال حدثنا غندر عن شعبة عن ابى التياح انه' سمع انس بن مالک قال قال النبي صلے الله عليه وسلم لابى ذراسمع واطع ولولحبشي كان راسه' زبيبة

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ اگر ایک حبشی (کی اطاعت کے لئے تم سے کہا جائے) جس کا سر انگور کی مثل ہو، جب بھی، اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مفتون سے مراد وہ ہے جو دین کے بارے میں احتیاط اور شرعی آداب وعقائد کا پوری طرح لحاظ نہ کرتا ہو، وہ نہیں کہ جو اچھی طرح نماز نہ پڑھاتا ہو یا اس میں کمی کرتا ہو، لہٰذا امام بخاری کا استدلال صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ائمہ جور کے خارجی حالات کے سبب لوگوں کی تشویش وفکر کا حال بیان ہوا ہے نہ کہ ارکان صلوٰۃ میں کمی کی بات تھی۔ حضرتؒ نے اس موقع پر حضرت عثمانؓ کے صحیح حالات پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اگرچہ انھوں نے اپنے اقارب واعزہ عمال کی شکایات پر ان کو معزول نہیں کیا، مگر ان کی حمایت بھی نہیں کی، نہ ان کے غلط افعال کی تصویب کی، وہ فتنہ، فساد وخوں ریزی سے بچنا چاہتے تھے۔

حضرت علی، حضرت زبیر وحضرت طلحہؓ نے جب حالات زیادہ بگڑتے دیکھے تو اپنی اولاد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ان کا خیال یہی تھا کہ باغیوں کی شورش دب جائے گی، مگر پھر اچانک ہی حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ان کو مل گئی، تو بڑا رنج ہوا، اور حضرت علیؓ بھاگ کر موقع پر گئے، حضرت حسینؓ کو سخت تنبیہ کی کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ حادثہ کیسے ہو گیا؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں اس کا بالکل علم نہیں ہوا، کیونکہ باغیوں نے دیوار پر سے گھر میں اتر کر حملہ کیا ہے، دروازہ سے داخل نہیں ہوئے، ہم یہاں پہرہ دے رہے تھے، یہ بھی تاریخ سے ثابت

ہے کہ جو لوگ قریب تھے اور انھوں نے مدافعت کرنی چاہی تو ان کو بھی حضرت عثمانؓ نے روک دیا، اور فرمایا کہ مجھے پسند نہیں کہ کسی مسلمان کا خون میری وجہ سے بہایا جائے۔ خود آپ کے غلاموں کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی اور انھوں مقابلہ کی اجازت چاہی تو ان کو بھی منع کر دیا جبکہ فرمایا کہ تم میں سے جو بھی اپنی تلوار میان میں رہنے دے گا وہ میری طرف سے آزاد ہوگا۔ اس لئے سب وہاں سے چلے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تو زمانہ کی ساری تاریخ میں یہی دیکھا کہ جو شخص خود اپنی مدد دوسروں سے نہ لینا چاہے اور اس کے وسائل و اسباب اختیار نہ کرے، اس کی کوئی مدد نہیں کرتا، اور لوگ اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ غالباً اس میں حضرتؒ کا اشارہ اپنی طرف بھی تھا، کیونکہ آپ کے ساتھ بھی ایسے ہی حالات پیش آئے تھے جن کی تفصیلات راقم سے زیادہ شاید ہی کسی کے علم میں ہوں۔ اور ان کو یاد کر کے دل روتا ہے کسی شاعر نے بالکل صحیح کہا ؎ **ومن لا یکرم نفسہ لا یکرم.** اور حضرتؒ سے بارہا سنا کہ میں اپنے آپ کو کتے سے زیادہ ذلیل سمجھتا ہوں، تو ایسا ولی کامل کسی سے اپنا دکھ درد کیا کہتا اور کس طرح اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے مظالم کی مدافعت کرتا؟ تاہم اپنے دلی صدمات کی طرف اشارہ اپنے چند عرب اشعار میں فرمایا تھا، جن کو اہل علم جانتے ہیں۔ **واللہ غالب علی امرہ. ولا راد لقضاۂ.**

مبتدع: اگر علانیہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہو کہ لوگ جانیں اور ان کو ترغیب ہو تو اس کے پیچھے بھی مکروہ ہوگی، بلکہ امام احمدؒ کے نزدیک قابل اعادہ ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھنا مباح ہے۔ ایسے ہی کسی تارک رکن کے پیچھے خواہ وہ کسی عذر سے ہی ایسا کرتا ہو جیسے لیٹ کر نماز پڑھائے، یا رکوع و سجود سے عاجز نماز پڑھائے تو نماز جائز نہ ہوگی۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ کا بھی ہے (حاشیہ لامع ص ۱/۲۶۷)

بحر میں ہے کہ امام اگر مبتدع ہو لیکن اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچے تو اس کی اقتدا درست ہے اور تنہا نماز پڑھنے سے اس کے پیچھے نماز افضل ہے۔

مخنث: جو عورتوں کے اطوار اپنائے، اس کی اقتداء بھی درست نہیں۔ کیونکہ امامت فضل و کمال کو چاہتی ہے اور یہ رکیک حرکات کرتا ہے۔

باب یقوم عن یمین الامام بحذآئہ سوآءً اذا کانا اثنین

(جب دو نمازی ہوں تو مقتدی امام کے دائیں طرف اس کے برابر کھڑا ہو)

٦٦٠: حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن الحکم قال سمعت سعید ابن جبیر عن ابن عباسؓ قال بت فی بیت خالتی میمونة فصلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم العشآء ثم جآء فصلی اربع رکعات ثم نام ثم قام بجئت فقمت عن یسارہ فجعلنی عن یمینہ فصلی خمس رکعات ثم صلے رکعتین ثم نام حتیٰ سمعت غطیطة اوقال خطیطہ' ثم خرج الیٰ الصلوٰۃ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر میں ایک شب رہا (تو میں نے دیکھا کہ) رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز (مسجد سے) پڑھ کر تشریف لائے اور چار رکعتیں آپ نے پڑھیں پھر سو رہے، اس کے بعد اٹھے (اور نماز پڑھنے) کھڑے ہوئے تو میں آیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مجھے اپنے داہنی جانب کر لیا، پھر آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد سو رہے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی، اس کے بعد آپ نماز (فجر) کے لئے باہر تشریف لے گئے۔

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں بھی مسئلہ اسی طرح ہے جیسے حدیث الباب میں بیان ہوا، البتہ اگر دو مقتدی ہوں تو ان کا امام کے پیچھے ہونا بہتر ہے۔

نیز فرمایا کہ میں نے حدیث کے اس مضمون سے کہ حضور علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو نماز میں ہی بائیں سے داہنے کرلیا، یہ استنباط کیا کہ اگر نماز کے اندر کوئی کراہت آجائے تو اس کو نماز کے اندر ہی رفع کردینا چاہیئے۔ یہ مسئلہ فقہ والوں نے نہیں لیا۔

باب اذاقام الرجل عن یسار الامام فحوله' الامام الیٰ یمینه لم تفسد صلوتهما

(اگر کوئی شخص امام کے بائیں جانب کھڑا ہوٗ اور امام اس کو اپنے دائیں طرف پھیر دے تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی)

۶۶۱: حدثنا احمد قال حدثنا ابن وهب قال حدثنا عمرو عن عبد ربه بن سعید عن مخرمة بن سلیمان عن کریب مولی ابن عباس عن ابن عباس قال نمت عند میمونة والنبی صلے الله علیه وسلم عندها تلک اللیلة فتوضأ ثم قام یصلی فقمت عن یساره فاخذنی فجعلنی عن یمینه' فصلیٰ ثلث عشرة رکعةً ثم نام حتیٰ نفخ وکان اذانام نفخ ثم اتاه المؤذن فخرج فصلیٰ ولم یتوضا قال عمرو فحدثت به بکیرًا فقال حدثنی کریب بذٰلک

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت میمونہؓ کے ہاں سویا، اور رسول اللہ ﷺ اس شب ان ہی کے یہاں تھے، تو (میں نے دیکھا کہ) آپ نے وضو فرمایا، اس کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور نماز پڑھنے لگے، میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، تو آپ نے مجھے پکڑ کے اپنے داہنی جانب کرلیا، اور (کل) تیرہ رکعت نماز آپ نے پڑھی پھر سو رہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، اور جب کبھی آپ سوتے تھے سانس کی آواز (ضرور) آنے لگتی تھی، اس کے بعد مؤذن آپ کے پاس آیا اور آپ باہر تشریف لے گئے اور نماز فجر پڑھی۔

تشریح: حافظؒ نے لکھا کہ امام احمد کے نزدیک مقتدی کے امام کی بائیں جانب کھڑے ہونے سے نماز باطل ہوجاتی ہے، جمہور کے نزدیک باطل نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں امام بخاری نے امام احمد کا رد کیا ہے۔

قوله فصلے ثلاث عشرة رکعة: حضرتؒ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے اس رات میں ۱۳ رکعات ہی پڑھی تھیں، راوی نے سابق روایت میں پانچ رکعت ذکر کی تھیں، اور اختصار کر کے باقی کا ذکر چھوڑ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اس روایت کی سند میں مخرمہ ہیں اور طحاوی میں اس کی جگہ قیس ہیں، مگر مخرمہ ہی صحیح ہے جو یہاں ہے اور ان مخرمہ سے یہ روایت بھی ہے کہ آخر کی پانچ رکعات میں سے دو رکعات تہجد کی اور تین وتر کی تھیں۔ اور اس واقعہ میں لیٹنا حضور علیہ السلام کا تہجد کے بعد اور سنن فجر سے قبل کا ہے۔

باب اذالم ینو الامام ان یؤم ثم جآء قوم فامهم

اگر امام نے امامت کی نیت نہ کی ہوٗ پھر کچھ لوگ آجائیں اور وہ ان کی امامت کرے

۶۶۲: حدثنا مسدد قال حدثنا اسمٰعیل بن ابراهیم عن ایوب عن عبدالله ابن سعید ابن جبیر عن ابیه عن ابن عباس قال بت عند خالتی میمونة فقام النبی صلے الله علیه وسلم یصلی من اللیل فقمت اصلی معه' فقمت عن یساره فاخذ براسی واقامنی عن یمینه

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شب اپنی خالہ میمونہؓ کے ہاں سویا تو (میں نے دیکھا کہ) نبی کریم ﷺ نماز شب پڑھنے کھڑے ہوئے، میں بھی آپکے ساتھ بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ نے میرا سر پکڑا، اور مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کردیا۔[۱]

تشریح: حضرتؒ نے فرمایا کہ امام کا امامت کی نیت کرنا حنفیہ کے نزدیک بھی شرط نہیں ہے، البتہ محاذاۃ کی صورت میں چونکہ حنفیہ کے نزدیک عورت کے برابر والے مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس لئے وہ عورتوں کی اقتدا کے لئے نیت امامت کی شرط کرتے ہیں۔ اگر امام نے

عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی ہوگی اور کوئی عورت جماعت میں مرد کے پاس آ کر نماز جماعت کی شرکت کرے گی تو مرد کی نماز باطل نہ ہوگی۔ امام مالک وشافعی کے نزدیک کسی کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ امام احمد فرض نماز کے لئے شرط کہتے ہیں نوافل کے لئے نہیں، مردوں عورتوں کی تفریق ان کے یہاں بھی نہیں ہے۔ (الابواب ص۲/۲۷۰ وفتح الباری ص۲/۱۳۲)

علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث الباب میں صراحت تو نہیں ہے نفی یا اثبات نیت کی، لیکن حضور علیہ السلام کے فعل سے اثبات نکلتا ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کو اپنے داہنی طرف کرلیا۔ ہمارا (حنفیہ کا) مذہب یہ ہے کہ مردوں کے حق میں نیت امامت شرط نہیں ہے۔ عورتوں کے حق میں ہے کیونکہ عورت کی محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد ہونے کا احتمال ہے امام زفر، اور امالک وشافعی کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ امام ثوری اور ایک روایت امام احمدؒ سے یہ کہ اگر امام نے نیت نہ کی ہو تو مقتدی کو نماز لوٹانی پڑے گی، دوسری روایت یہ ہے کہ فرضوں کے لئے شرط ہے نوافل کیلئے نہیں۔ ابن القاسم سے بھی امام ابوحنیفہؒ کی موافقت منقول ہے (عمدہ ص۲/۷۶۸)

آگے باب اذا کان بین الامام و القوم حائط (بخاری ص۱۰۱) کی حدیث پر علامہ عینی نے لکھا کہ مہلب نے اس سے امام کی نیت کے بغیر بھی اقتدا کو جائز ثابت کیا ہے، کیونکہ لوگوں نے حضور علیہ السلام کے پیچھے اقتدا کی اور حضور کو خبر بھی نہ تھی تو امامت کی نیت بھی ظاہر ہے کہ نہ کی ہوگی، اور یہی قول امام مالک وشافعی کا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے، البتہ ہمارے اصحاب نے عورتوں کے حق میں نیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ بجز امام زفر کے۔ (عمدہ ص۲/۸۰۰).

بحث ونظر: امامت کی نیت مقتدی مردوں یا عورتوں کے لئے کس درجہ میں اہم ہے، اس کی طرف شارحین حدیث نے کم توجہ کی ہے اور فقہاء میں سے بھی حنفیہ نے زیادہ توجہ کی ہے، وجہ یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدیث ''خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا'' کی وجہ سے محاذاۃ عورت کی صورت میں مرد کی نماز صرف مکروہ ہوتی ہے، جبکہ حنفیہ (علاوہ زفر) کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے۔ حدیث مذکور کی روایت بجز امام بخاری کے دوسرے سب اصحاب صحاح نے کی ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ محاذاۃ کا مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک اتنا عام نہیں ہے جتنا علامہ عینی نے اوپر بتلایا ہے، کیونکہ اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک جمعہ وعیدین میں امامت نسواں کی شرط نہیں ہے۔ اور بعض حنفیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اگر محاذاۃ کی صورت پیش نہ آئے تو دوسری نمازوں میں بھی شرط نہیں ہے (ردالمحتار ص۱/۶۰۲) لہٰذا اس کی شرطیت مطلقاً نہیں ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شرطیت کا سبب مرد وعورت کا اپنے مقام متعین شرعی کو ترک کرنا ہے، اور تعیین مقام کے دلائل شرعیہ یہ ہیں (۱) وللرجال علیھن درجۃ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں اور عورتوں کو اپنے اپنے درجات واقامت کی رعایت رکھنا ہر معاملہ میں ضروری ہے اور خاص طور سے نماز جماعت میں بھی۔ (۲) ولا تبطلوا اعمالکم لہٰذا نماز کو فساد یا کراہت سے بھی بچانا ضروری ہوا (۳) محدث رزین کی روایت ہے "اخروھن من حیث اخرھن اللہ'' اس سے بھی علاوہ دیگر امور کے نماز کے اندر عورتوں کو مردوں سے پیچھے رہنا ضروری ہوا خصوصاً جبکہ اس سے نماز کی کراہت پر تو سب ہی متفق ہیں۔ (۴) امام اعظمؒ نے بحوالہ ہیثم وعکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے جماعت پڑھائی، جس میں ایک مرد تھا جو آپ کے پیچھے کھڑا ہوا اور ایک عورت تھی وہ مرد کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ (۵) نسائی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے پہلو میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت عائشہؓ نے ہمارے پیچھے نماز پڑھی امام صاحب نے ان دونوں سے استدلال کیا کہ محاذاۃ (یعنی عورت کے مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے) سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ حضرت عائشہ سب کے پیچھے الگ اور تنہا کھڑی نہ ہوتیں کیونکہ جماعت کی نماز میں الگ اور تنہا کھڑا ہونا سب کے نزدیک مکروہ ہے امام احمد کے نزدیک تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ (عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب لاامام ابی حنیفہ ص۱/۷۵) (۶) بخاری

ومسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضور علیہ السلام کی اقتدا کی تو آپ نے ان کو داہنی طرف کھڑا کرلیا۔ (۷) مشہور حدیث **لیلینی منکم اولوا الاحلام والنہی** سے بھی مؤکد ہوا کہ جماعت کی نماز میں مردوں کو امام کے قریب اور بچوں وعورتوں کو دور ہونا چاہیئے۔ اور چونکہ یہ حکم اولاً مردوں کے لئے اور ثانیاً عورتوں کے لئے ہے، اس رعایت سے حنفیہ کے نزدیک عورت کی محاذاۃ سے مرد کی نماز فاسد ہوتی ہے، عورت کی نہیں اگرچہ گنہگار وہ بھی ہوگی۔ لیکن اسی کے ساتھ فقہاء حنفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر عورت مرد کے پاس جماعت میں آکر کھڑی ہوئی۔ یا سامنے آگئی اور مرد نے اس کو پیچھے کردیا یا خود آگے بڑھ گیا تو پھر اس مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر عورت پھر بھی پیچھے نہ ہوئی تو خود اس کی نماز فاسد ہوگی، مرد کی نہ ہوگی۔

فقہاء حنفیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک عورت کے نماز جماعت میں غلط مقام میں کھڑے ہونے سے تین مرددوں کی نمازیں فاسد ہوں گی۔ ایک دائیں طرف برابر والے کی، دوسرے بائیں جانب والے کی اور تیسرے اس کی جو ٹھیک اس کے پیچھے ہو، اور وہ اس کے آگے ہو۔ اس کے علاوہ دوسری شروط بھی فساد صلوٰۃ کی ہیں مثلاً (۱) وہ عورت مشتہاۃ ہو خواہ اس مرد کی اپنی بیوی ہی ہو۔ (۲) امام نے اس کی نیت کی ہو (۳) دونوں کی نماز ایک ہو (۴) دونوں اول رکعت سے جماعت میں شریک ہوں مسبوق ہونے کی صورت میں حکم فساد نہ ہوگا (۵) دونوں ایک مکان میں ہوں (۶) دونوں ایک جہت کی طرف نماز پڑھ رہی ہوں یعنی اگر بیت اللہ کے اندر الگ الگ جہت میں پڑھ رہے ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی (۷) دونوں میں کوئی حائل نہ ہو (۸) دونوں میں کچھ فاصلہ نہ ہو۔ (قوانین التشریع علی طریقۃ ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۱۵/۲)

ہم نے کتاب مذکور سے کچھ تفصیل مذہب کی نقل کردی ہے، جو بہت اہم ونافع ہے، اس کے ساتھ مؤلف نے ص ۱۱۷/۲ میں شروط صحت اقتداء بھی درج کی ہیں، وہ بھی دیکھ لی جائیں، پہلی اہم شرط حنفیہ کے نزدیک عدم تقدم المقتدی علی الامام لکھی ہے۔ اور یہی قول امام احمد وشافعی کا بھی ہے۔ امام مالک واسحق کے نزدیک تقدم کی صورت میں نماز درست ہوجاتی ہے، اور یہ مسلک ان کا بہت عجیب ہے، اور مدینہ طیبہ میں ایام حج میں دیکھا گیا جب نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ مسجد نبوی کی دیوار قبلہ سے بھی آگے دور تک صفیں بنا کر امام کی اقتدا کرتے ہیں، شاید وہ اسی خیال سے جائز سمجھتے ہوں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ امام احمد امام شافعی وامام ابوحنیفہ تینوں اماموں کے مسلک کے متبعین کی نمازیں جماعت کے ساتھ اس طرح درست نہیں ہوتیں، اور چونکہ اقتدا صحیح نہ ہوتی، جس پر نماز کی بنا کی تھی، لہٰذا نماز ہی سرے سے صحیح نہ ہوگی۔ لہٰذا مالکیہ کے سوا کسی بھی دوسرے مسلک والے کو اس طرح نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور ضروری ہے کہ حکومت کی طرف سے بھی ایسے موقع پر اس مسئلہ کا اعلان کردیا جایا کرے تاکہ عام لوگوں اور ناواقفوں کی نمازیں خراب نہ ہوں، معلوم نہیں سلفی حضرات (غیر مقلدین) کا اجتہاد اس بارے میں کیا ہے؟۔

اہمیت تراجم ابواب البخاری

امام بخاری نے یہاں حدیث الباب سے قبل ترجمۃ الباب میں نیت امام کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کے فعل سے ثابت ہوئی اور غالباً اسی لئے آگے ص ۱۰۱ میں "**باب اذا کان بین الامام و بین القوم حائط**" کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس سے عدم نیت ثابت نہیں کی، نہ اس پر نیت کا عنوان قائم کیا، لیکن عجیب بات ہے کہ صاحب اعلاء السنن نے ص ۳۱۷/۴ میں اسی حدیث پر عدم نیت کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور امام بخاری کی حدیث الباب کا بھی ذکر نہیں کیا۔ چونکہ حضور علیہ السلام سے قولی صراحت نیت وعدم نیت کسی کی نہیں ہے اور جو کچھ استنباط کیا گیا ہے وہ آپ کی جماعت نوافل سے کیا گیا ہے شاید اسی لئے امام احمدؒ نے اس کو نوافل تک محدود رکھا اور فرائض میں نیت امام کو مردوں کے لئے بھی ضروری قرار دے دیا دوسرے ائمہ نے فرض ونفل کا کوئی فرق نہیں کیا، اور حنفیہ نے خاص صورتوں میں بوجوہ دلائل مذکور بالا عورتوں کے حق میں نیت امامت کو ضروری قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب اذاطول الامام وكان للرجل حاجةً فخرج وصلى

اگرامام (نماز کو) طول دے، اور کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے (نماز توڑ کر) نکل جائے، اور اپنی نماز پڑھ لے

۶۶۳: حدثنا مسلم قال حدثنا شعبة عن عمرو عن جابر بن عبدالله ان معاذ بن جبل كان يصلے مع النبي صلے الله عليه وسلم ثم يرجع فيوم قومه ح وحدثني محمد بن بشار قال ثنا غندرقال ثناشعبة عن عمروقال سمعت جابر ابن عبدالله قال كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلے الله عليه وسلم ثم يرجع فيؤم قومه فصلى العشآء فقرابالبقرة فانصرف الرجل فكان معاذ ينال منه فبلغ النبي صلے الله عليه وسلم فقال فتان فتان فتان ثلث مرار اوقال فاتنًا فاتنًا فاتنًا وامرة بسورتين من اوسط المفصل قال عمرو لااحفظهما

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ (عشا) کی نماز پڑھتے اس کے بعد (گھر) واپس جاتے، تو اپنی قوم کی امامت کرتے (ایک مرتبہ) انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی تو سورہ بقرہ شروع کر دی، ایک شخص چل دیا اس سبب سے معاذؓ کو اس سے رنج رہنے لگا۔ یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچی، تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ فتان، فتان، فتان یا فرمایا کہ فاتن، فاتن، فاتن اور آپ نے ان کو وسط مفصل کی دو سورتوں (کے پڑھنے) کا حکم دیا، عمرو (راوی حدیث) کہتے ہیں، کہ میں ان کو بھول گیا ہوں۔

تشریح: فتان کے معنی لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا اور فاتن کے معنی بھی یہی ہیں (فرق صرف یہ ہے کہ فتان میں مبالغہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس باب اور حدیث کا تعلق بھی مسائل قدوہ سے ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک درست ہے کہ مقتدی حالت نماز میں ہی اقتدا کی نیت کر لے یا چاہے تو اقتدا ترک کر کے منفرد بن جائے، اور حدیث الباب کے واقعہ کو بھی اسی پر محمول کرتے ہیں کہ مقتدی نے حالت نماز میں ہی انفراد اختیار کر لیا تھا۔ حالانکہ مسلم کی حدیث میں صراحت ہے کہ اس نے سلام پھیر کر نماز ختم اور پھر اپنی الگ ایک گوشہ میں جا کر پڑھی۔ جس کی علامہ نووی نے تاویل کر دی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک صرف نیت سے نماز ختم نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے کوئی عمل مفسد صلوٰۃ کرنا ہوگا اور اس کو چاہئے کہ سلام پھیر کر نماز ختم کر دے، پھر دوسری نماز کی نیت کر کے شروع کرے۔

علامہ عینی نے لکھا:۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ امام کے ساتھ کچھ نماز پڑھ کر اس کو ترک کر سکتا ہے یا نہیں شافعیہ کے نزدیک اس اقتدا کو منقطع کر کے الگ اپنی نماز پوری کر سکتا ہے۔ امام بخاری بھی اسی طرف مائل ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں، امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ (عمدہ ص ۷۷۴/۲) علامہ عینی نے اور حضرتؒ نے بھی اس موقع پر دوسرے افادات کئے ہیں جو طویل ہیں لہٰذا عمدہ اور فیض الباری میں دیکھ لئے جائیں۔

باب تخفيف الامام في القيام واتمام الركوع والسجود

(قیام میں امام کے تخفیف کرنے، اور رکوع وسجود کے پورا کرنے کا بیان)

۶۶۴: حدثنا احمد بن يونس قال ثنازهير قال ثنا اسمعيل قال سمعت قيساً قال اخبرني ابومسعود ان رجلاً قال والله يارسول الله اني لاتاخرعن صلوة الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فمارايت رسول الله صلے الله عليه وسلم في موعظة اشد غضباً منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرين فايكم ماصلےٰ بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير وذاالحاجة

ترجمہ: حضرت ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا، یارسول اللہ خدا کی قسم! میں صبح کی نماز سے صرف فلاں شخص کے باعث رہ جاتا ہوں کیونکہ وہ نماز میں طول دیتا ہے، پس میں نے رسول خدا ﷺ کو کبھی نصیحت (کے وقت) اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں دیکھا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم میں کچھ لوگ (آدمیوں کو عبادت سے) نفرت دلاتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی نماز پڑھانا چاہیئے، کیونکہ مقتدیوں میں ضعیف اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تخفیف کی جائے وہ قیام میں ہے کہ قراءت مختصر ہو باقی رہا رکوع و سجود کو پوری طرح سے ادا کرنا چاہیے، ان میں قدر مستحب و مسنون سے کم نہ کرے۔ نہ تعدیل ارکان میں کمی کرے۔ فقہ کی کتاب بحر میں تردد کیا ہے کہ جو شخص کھڑے ہو کر مختصر نماز بلا جماعت کے پڑھ سکے اور جماعت کے ساتھ بیٹھ کر تو کون سی افضل ہے، میرے نزدیک دوسری افضل ہے کیونکہ ابو داؤد میں حدیث ہے کہ بیماروں کو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مساجد کی نماز کے لئے لایا جاتا تھا۔

باب اذا صلے نفسہ فلیطول ماشاء

(جب کوئی شخص (تنہا) نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے)

۶۶۵: حدثنا عبداللہ بن یوسف قال انا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اذا صلے احدکم للناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلے احدکم لنفسہ فلیطول ماشآء

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے تخفیف کرنا چاہیئے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور اور بیمار اور بوڑھے (سب ہی) ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنی نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طول دے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی الگ نماز فرض یا نفل کو جتنا چاہے طول دے سکتا ہے، لیکن جب امام ہو کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کی رعایت کرے، کیونکہ ان میں کمزور، بوڑھے اور بیمار ضرورت مند سب ہی ہوتے ہیں۔ اسی لئے چاہیئے کہ امام قراءت کو بھی طویل نہ کرے اور رکوع و سجدہ میں تسبیحات بھی مسنون تین بار سے زیادہ نہ کہے، اور یہی وجہ ہے کہ نماز تراویح میں تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے کہ مقتدیوں پر شاق ہوگا۔

اور جتنا قرآن مجید ایک رات میں پڑھنا ہو اس کو بھی بیس رکعات پر مساوی تقسیم کر دے ایسا نہ کرے کہ مثلاً دس پارے پڑھنے ہیں تو پہلی رکعت میں ۸۔۹ پارے مثلاً پڑھ دے کہ یہ بھی ضعیف مقتدیوں پر گراں ہوگا۔

عام طور سے حفاظ ان امور کی رعایت نہیں کرتے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے نماز جماعت میں ایسی رعایتوں کی خاص طور سے ہدایت فرمائی ہے جیسا کہ اگلی احادیث سے بھی واضح ہوگا۔

باب من شکیٰ امامہٗ اذا طول وقال ابو اسید طولت بنایا بنی

جو شخص اپنے امام کی جب وہ نماز میں طوالت کرتا ہو اور ابو اسید نے (اپنے بیٹے سے ایک مرتبہ) کہا کہ بیٹے تو نے ہماری نماز کو طویل کر دیا

٦٦٦: حدثنا محمد بن یوسف قال ثنا سفین عن اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی مسعود قال قال رجل یارسول اللہ انی لاتاخر عن الصلوٰۃ فی الفجر مما یطیل بنافلان فیھا فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارایتہ غضب فی مواعظۃ کان اشد غضباً منہ یومئذ ثم قال یآیھاالناس ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیتجوز فان خلفہ الضعیف والکبیر وذاالحاجۃ

٦٦٧: حدثنا ادم بن ابی ایاس قال ثنا شعبۃ قال ثنا محارب بن دثار قال سمعت جابر بن عبداللہ الانصاری قال اقبل رجل بنا ضحین وقد جنح اللیل فوافق معاذاً یصلی فترک ناضحیہ واقبل الی معاذ فقرأ سورۃ البقرۃ اوالنساء فانطلق الرجل وبلغہٗ ان معاذاً نال منہ فاتی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فشکاالیہ معاذاً فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم یامعاذ افتان انت اوقال افاتن انت ثلاث مرات فلولاصلیت بسبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحٰھا واللیل اذایغشیٰ فانہٗ یصلی ورآءک الکبیرواضعیف وذوالحاجۃ احسب ھذا فی الحدیث وتابعہٗ سعید بن مسروق و مسعروالشیبانی وقال عمرو عبیداللہ بن مقسم وابوالزبیر عن جابر قرأ معاذ فی العشآء بالبقرۃ وتابعہ الاعمش عن محارب

ترجمہ ٦٦٦: حضرت ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک شخص نے (آکر کہا، کہ یارسول اللہ ﷺ) میں نماز فجر سے رہ جاتا ہوں، کیونکہ نماز میں فلاں شخص طول دیتا ہے پس رسول خدا ﷺ غضب ناک ہوئے کہ میں نے آپ کو اس دن سے زیادہ غصہ آتے ہوئے کسی نصیحت کے وقت نہیں دیکھا، اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! تم میں سے کچھ لوگ (آدمیوں کو) عبادت سے تنفر کرتے ہیں۔ تو جو شخص لوگوں کا امام بنے، اس کو تخفیف کرنا چاہئے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور اور بوڑھے اور صاحب حاجت (سب ہی) ہوتے ہیں۔

ترجمہ ٦٦٧: حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پانی سینچائی والے دو اونٹ لا رہا تھا رات کا اول وقت تھا، اس نے جو معاذ کو نماز پڑھتے پایا تو اپنے دونوں اونٹوں کو بٹھلا دیا اور معاذ کی طرف متوجہ ہوا، معاذ نے سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھنا شروع کی، تو وہ شخص (نیت توڑ کر) چلا گیا پھر اس کو یہ خبر پہنچی کہ معاذ اس سے رنجیدہ ہیں، لہٰذا وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، اور آپ سے معاذ کی شکایت کی، تو نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا، کہ اے معاذ! کیا تو فتنہ (برپا) کرنے والا ہے (اگر ایسا نہیں ہے) تو تو نے سبح اسم ربک الا علی اور و الشمس وضحھا اور و اللیلی اذا یغشی کے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھائی، کیونکہ تیرے پیچھے بوڑھے اور کمزور، اور صاحب حاجت (سب ہی طرح کے لوگ) نماز پڑھتے ہیں، اور عمرو اور عبیداللہ بن مقسم اور ابوالزبیر نے جابر سے روایت کی ہے کہ معاذ نے عشاء میں سورۂ بقرہ پڑھی تھی اور اعمش نے محارب سے اس کی متابعت کی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ احادیث الباب سے ثابت ہوا کہ بوقت ضرورت کسی خالص امر خیر کے بارے میں بھی شکایت و شکوہ کرنا جائز ہے، جس طرح یہاں کہ نماز اور اس کے تمام ہی ارکان خیر محض ہیں اور ان میں جتنی بھی زیادتی ہو سکے وہ خیر ہی ہونی چاہئے، مگر جب لوگوں پر وہ زیادتی شاق ہونے لگے تو اس کے لئے بھی گلا و شکوہ کرنے کی اجازت دی گئی۔

پھر فرمایا کہ امام بخاریؒ کی یہ خاص منقبت دقیقہ رسی کی ہے کہ شکوے کا باب قائم کر کے متنبہ فرمادیا، ورنہ عام طور سے یہ خلجان ہی رہتا کہ نماز ایسی عظیم وجلیل عبادت کے کسی رکن کی زیادتی وطوالت کسی مومن مخلص کے لئے وجہ گرانی وشکایت کیوں ہو، اب شارع علیہ السلام کی اجازت ملنے پر وہ خلجان باقی نہ رہا اور امام بخاری کی تنبیہ مذکور کی بڑی اہمیت ظاہر ہوئی۔

امام موصوف نے اسی طرح دوسری جگہ بھی تنبیہ فرمائی ہیں، جہاں دوسرے سے قرآن مجید سننے کی فضیلت آئے گی اور وہاں تلاوت کرنے والے کو تلاوت سے روک دینے کا جواز واضح ہوگا۔ چنانچہ

(۱) تفسیر سورۂ نساء میں امام بخاریؒ "**باب قوله فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا**" میں آئے گا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ارشاد کیا کہ کچھ قرآن مجید سناؤ، انھوں نے سورۂ نساء سنائی اور جب وہ آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب رک جاؤ اور دیکھا گیا کہ حضور علیہ السلام اس وقت زاروقطار رو رہے تھے اور شاید یہ فرط گریہ ہی روکنے کا سبب بنا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (بخاری ص ۶۵۹)

(۲) **باب من احب ان يسمع القرآن من غيره** میں بھی حدیث لائے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرو، عرض کیا، کیا میں حضور کے سامنے قراءت کروں جبکہ وہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، تب انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور آیت مذکورہ پر پہنچے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا بس اب بس کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں، میں نے حضور علیہ السلام کی طرف دیکھا تو آپ رو رہے تھے (بخاری ص ۷۵۵) (۳) **باب البكاء عند قراءة القرآن** قائم کر کے امام بخاری اسی حدیث مذکور کو پھر سے لائے ہیں۔ (بخاری ص ۷۵۶) اس تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگی کہ کوئی امر کیسا ہی بڑا خیر کا ہو اور اس کو روکنے میں کتنی ہی نفس پر گرانی ہو۔ مگر کسی صحیح ضرورت وسبب کے تحت اس کو بھی روک سکتے ہیں۔

افادۂ انور: حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ حدیث الباب کے رجال روایت میں حضرت قیس بن ابی حازم بھی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ قیس بن ابی حازم اور ابوعثمان مہدی سے زیادہ افضل تابعی میرے علم میں نہیں ہیں۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ تابعین میں سے قیس کے سوا کسی نے عشرہ مبشرہ کی زیارت نہیں کی۔ صرف وہی ایک سب سے بڑے خوش قسمت تابعی تھے اور یہی قیس ترک رفع یدین کی روایت کرتے تھے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ تو اگر ترک رفع معدوم محض ہوتا یا زاویہ خمول میں ہوتا جیسا کہ قائلین رفع یدین دعوے کرتے ہیں تو اس کو ایسی عظیم وجلیل شخصیت کیسے اختیار کرسکتی تھی، جس نے اجلہ صحابہ اور ان کے عمل کو دیکھا ہو۔ لہٰذا میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ ترک رفع کی نفی محض قیامت تک بھی ثابت نہیں کی جاسکتی اگرچہ وہ لوگ کتنی بھی طاقت وقوت صرف کرلیں کیونکہ وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، ہماری طرف سے ان لوگوں کی طرح یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ رفع یدین سنت نہیں ہے، یا وہ زاویہ خمول میں ہے، کیونکہ ہم تو دونوں کو سنت نبویہ مانتے ہیں اور اختلاف صرف افضلیت کا ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مخالفین حنفیہ کا یہ جذبہ اور خواہش صحیح نہیں کہ ان کے سوا دوسروں کو جنت میں جگہ نہ ملے۔

حضرتؒ کا اشارہ امام بخاری وغیرہ کی طرف ہے، جنھوں نے اختلافی مسائل میں حنفیہ کے خلاف نہایت سخت اور غیر موزوں رویہ اختیار کیا ہے۔ ہم نے مقدمہ انوارالباری جلد دوم ہی میں تالیفات حضرت امام بخاریؒ کے ذکر میں امام بخاریؒ کے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' کا بھی تعارف کرایا تھا، اس میں امام بخاریؒ نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں جیسے نامناسب کلمات استعمال کئے ہیں، ان کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔ خاص طور سے جبکہ امام اعظمؒ ان کے بالواسطہ استاذ بھی ہیں۔ یہاں چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ کا

حوالہ دیا ہے اس لئے اس امر کا ذکر مناسب ہوگا کہ صاحب مصنف مذکور بھی امام بخاریؒ کے کبار اساتذۂ حدیث میں سے ہیں۔ اور انھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اپنی تالیف مذکور میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابہ و تابعین کے آثار بھی ذکر کرتے ہیں، اور اگر کسی مسئلہ میں دو قسم کی روایات ہوں تو ابواب بھی دو قسم کے باندھتے ہیں۔ مثلاً اس موقع پر "**باب من کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة**" قائم کیا تو پھر دوسرا باب لائے "**من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود**" اور مرفوع حدیث کے بعد، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اسود، حضرت علقمہ، حضرت ابن عباس اور افضل التابعین حضرت قیس بن ابی حازم (جن کا حوالہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اوپر دیا ہے) سب سے عدم رفع نقل کیا ہے۔ نیز حضرت علی و حضرت ابن مسعود کے اصحاب کا بھی یہی عمل نقل کیا کہ وہ صرف تکبیر اولی پر رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رکوع وغیرہ کے وقت نہ کرتے تھے۔

راقم الحروف کا خیال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی شیبہؒ چونکہ دونوں جانب کی احادیث و آثار صحابہ و تابعین پیش کرتے ہیں اور ان پر ترجمۃ الباب بھی قائم کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی محدث عبدالرزاقؒ نے بھی اپنے مصنف میں کیا ہے، اسی لئے امام بخاریؒ ان دونوں کے اس طریقہ سے خوش نہیں معلوم ہوتے، کیونکہ وہ تو صرف اپنے ہی طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہوں گے کہ صرف ایک جانب کو لیں اور دوسری جانب کو بالکلیہ حذف کر دیں۔ اور شاید حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ "شرح تراجم ابواب صحیح البخاری" کے مقدمہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: بسا اوقات امام بخاری کسی امر ظاہر قلیل النفع کے لئے عنوان و ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں، لیکن تامل کے بعد اس کا نفع معلوم ہوتا ہے، مثلاً **باب قول الرجل ما صلینا** لائے، جو بظاہر کوئی خاص و نفع بخش بات نہیں ہے، مگر وہ اس طرف اشارہ کر گئے، کہ ایک جماعت جو **ما صلینا** (ہم نے نماز نہیں پڑھی) کہنے کو برا جانتی ہے اس کے خیال کی اصلاح مدنظر ہے لہٰذا ان کا رد کیا گیا، اور امام بخاری کے اکثر تراجم ابواب میں مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے تراجم ابواب پر رد و قدح بھی ہے، کیونکہ ان کے تراجم ابواب میں آثار و شواہد سے استدلال کیا گیا ہے۔ ان کو امام بخاری نے رد کیا ہے۔ اس امر کو وہی سمجھ سکے گا، جو بخاری کے ساتھ ان دونوں حضرات کے مصنفوں کا بھی مطالعہ کرے گا۔

لمحہ فکریہ: امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں دو جگہ یہ دعوے کیا کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں ہوا کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔ اور ان کے برخلاف محدث ابن ابی شیبہ نے مستقل باب عدم رفع یدین کا قائم کر کے نہ صرف متعدد اصحاب نبی اکرم ﷺ سے ان کے عدم رفع کا ثبوت پیش کر دیا، بلکہ مرفوع حدیث بھی عدم رفع کی پیش کر دی، خدا کا شکر ہے امت مسلمہ اور خاص طور سے حنفیہ کی یہ تمنا پوری ہوئی کہ مصنف عبدالرزاق منصۂ شہود پر آ گئی مجلس علمی ڈابھیل و کراچی نے اس کو مکمل شائع کر دیا ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ بھی حیدرآباد میں چھپ رہی ہے۔ سر دست پانچ جلدیں اس کی شائع شدہ ہیں، ان دونوں کو سامنے رکھ کر تراجم ابواب بخاری کا تراجم مصنفین مذکورین سے مقابلہ کریں اور امام بخاری کی مجرد صحیح کے ساتھ احادیث مصنفین کا مطالعہ مع شواہد و آثار صحابہ و تابعین کریں گے تو فقہ البخاری اور فقہ حنفی دونوں اپنے صحیح خدوخال میں رونما ہو جائیں گے۔ مطبوعہ مصنف ابن ابی شیبہ میں **باب من کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود** جلد اول کے ص ۲۳۶ و ص ۲۳۷ پر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت رفع یدین بھی محدث ابن ابی شیبہؒ نے نقل کی لیکن پھر خود ان کا ہی اپنا معمول عدم رفع کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ان کی روایت کے مرجوح ہونے پر دال ہے۔ رفع یدین کی بحث اپنے موقع پر مفصل آئے گی۔ ان شاء اللہ

فقہ بخاری یا اجتہاد: امام بخاریؒ بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ بھی، اور اگرچہ وہ حضرت سفیان ثوری یا امام اوزاعی کی طرح صاحب مذہب مجتہد نہ تھے، اور اسی لئے ان کا مذہب مدون نہ ہوا بلکہ ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی وغیرہ کسی نے بھی ان کے اقوال کو بطور صاحب مذہب کے نقل نہیں کیا، اسی طرح وہ مجتہد مطلق بھی نہ تھے۔ اسی لئے جلیل القدر محتاط اکابر امت میں سے کسی نے بھی ان کو مجتہد مطلق نہیں کہا۔ ہمارے

حضرت شاہ صاحبؒ بھی یہی فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری مجتہد مطلق نہ تھے، البتہ ایک درجہ کا تفقہ واجتہاد ان کو حاصل تھا، جس کی وجہ سے وہ تقلید کے محتاج نہ تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے استنباط واجتہاد میں بہت توسع کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے بھی کیا کم کیا ہے کہ نصوص کے اشارات وعموم تک سے بھی مسائل نکالے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ضمن حالات امام بخاریؒ ان کے مجتہد ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا، صرف حدیث وفقہ میں مثل امام مالک نقل کیا ہے۔

ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہندؒ سے یہ مقولہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام بخاری مجتہد تھے۔ مگر ان کے اجتہاد میں میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ مجتہد مطلق مثل ائمۂ مجتہدین (امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ) نہ تھے، علامہ شیرازیؒ نے تو ان کو "طبقات الفقہاء" میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بظاہر ان کے رتبہ سے کم معلوم ہوتی ہے۔ محترم مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی عم فیضہم نے حاشیۂ دراسات اللبیب ص۳۰۱/۳۰۷ میں امام بخاریؒ کے تفقہ پر تاریخی اعتبار سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ بھی دیکھی جائے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں کسی مناسبت سے ظاہر یہ اور اصحاب ظواہر کا تذکرہ کیا تھا۔ وہاں بھی امام بخاریؒ کا ذکر ہوا ہے پھر دیکھا کہ شیخ معین سندی نے بھی دراسات اللبیب ص۳۰۰ میں امام بخاریؒ کو اصحاب الظواہر میں شمار کیا ہے۔ اور ہم نے حافظ ابن تیمیہ کو بھی اصحاب الظواہر میں لکھا تھا پھر دیکھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تذییل ایضاح الادلہ ص۷ میں داؤد ظاہری وعلامہ شوکانی وغیرہ کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کا "عاملین علی الظاہر" کے زمرہ میں گنایا ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو اہل الظاہر میں سے قرار دیا ہے۔

(حاشیہ موطاء امام محمد ص۱۲۷/۱۲۹) واللہ تعالیٰ اعلم

مدارج اجتہاد: ہمارے نزدیک علوم نبوت کے بکل معنی الکلمہ صحیح حامل ومحافظ ہر نبی ورسول کے جانشین وہ صحابہ رہے ہیں جو درجہ اجتہاد پر فائز تھے اور آخر میں خاتم النبیین ﷺ کے علوم وکمالات کے حامل ومحافظ بھی آپ کے ایسے ہی فقہاء ومجتہدین صحابہ تھے اور ان کے بعد ان کے جانشین اکابر مجتہدین امت محمدیہ نے اس منصب کو سنبھالا ہے، اور ان ہی کی جلیل القدر علمی خدمات کے صدقہ میں اس دین کا کامل تحفظ قیام قیامت تک باقی رہے گا۔ دور رسالت وصحابہ کے بعد سب سے بڑے مجتہد مطلق وکامل ہمارے سامنے امام اعظم ابوحنیفہؒ آتے ہیں، جن کے اجتہادی کمالات وتفوق کی شہادت خود ان کے ہم عصر مجتہد وامام حدیث مالکؒ نے دی اور برسوں ان کے علوم سے استفادہ فرمایا، ان کے بعد تیسرے مجتہد اعظم امام شافعیؒ نے بھی ان کی اعلیٰ اجتہادی شان کا بھرپور اعتراف کیا، اور ان کے تلمیذ امام محمدؒ سے استفادات کئے، پھر چوتھے درجہ کے مجتہد معظم امام احمدؒ نے بھی ان کے تلمیذ امام ابو یوسفؒ سے استفادہ فرما کر اجتہادی بصیرت میں کمال حاصل کیا۔ تفسیر وحدیث، فقہ واصول فقہ اور علم اصول وعقائد کی جو کچھ خدمات اب تک کی گئیں اور آئندہ ہوں گی وہ سب ان ہی چاروں اکابر مجتہدین کے فیضان علمی کا کرشمہ ہیں۔ اور ہمارا یقین ہے کہ مجموعی اعتبار سے ان حضرات کے جادۂ اعتدال سے جو بھی جتنا ہٹ گیا وہ اتنا ہی محرومی کا شکار ہوا۔

یہ بھی ایک دنیاوی فتنہ ہے کہ بڑے لوگوں پر حسد کرنے والے بھی بڑے ہو جاتے ہیں، امام اعظم کے حاسدین ومعاندین بھی کم نہ تھے، چنانچہ اسی دور کے امام حدیث وفقہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (جن کو امام بخاری نے بھی اعلم اہل زمانہ کہا اور سب ہی موافق ومخالف ان کی جلالت قدر کے معترف تھے) لوگوں کے اعتراضات سے تنگ آ کر فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو، کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی تو حدیث نبوی کا منشا ومقصد ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے بڑا اعتراض جو امام صاحب پر تھا وہ ان کے صاحب قیاس ورائے ہونے کا تھا، اور اس کی بڑی وجہ آپ کے مدارک اجتہاد سے ناواقفی اور آپ کے دقیق استنباطات تک نارسائی تھی۔ پھر اس کے ساتھ کچھ لوگوں کا غلط پروپیگنڈہ بھی تھا،

جس سے بڑے حضرات بھی متاثر ہوگئے تھے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ درس بخاری میں بڑے افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری وحمیدی ہمیشہ امام صاحب کے مثالب ہی بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کو مناقب بھی پہنچے ہیں اور مثالب بھی اور متعدد سے نہیں بلکہ ایک ایک شخص سے بھی ہر دو قسم کے اوصاف پہنچے ہیں مگر انھوں نے اپنار جحان مثالب ہی کی طرف رکھا۔ ایک روز فرمایا کہ ابوداؤد امام ابوحنیفہؒ کی دل بھر کر تعظیم کرتے ہیں، ترمذی نہ تحقیر کرتے ہیں نہ تعظیم، بخاری بہت زیادہ مخالف ہیں، اپنی حدیثیں لاتے ہیں امام صاحب کی موافقت والی احادیث بھی نہیں لاتے، ایک دفعہ فرمایا کہ نعیم بخاری کا راوی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر برائیاں بیان کیا کرتا تھا، پھر فرمایا ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ نعیم ترک رفع یدین کے روایت کرنے والوں میں بھی ہیں، اور اسی وجہ سے شافعیہ نے ان کو گرایا ہے، میں نے کہا جو کچھ بھی ہو مگر وہ ہے تو بخاری کا راوی۔ اس کو کہاں تک گراؤ گے؟۔

اس زمانہ کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ علماء امت پر اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا طعنہ دیا جاتا ہے اور ہمارے اہل حدیث بھائی تو بڑی طویل فہرست مجتہدین کی پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی طور پر ان تمام مجتہدین کو ملا کر بھی چاروں ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے بھی برابر کیا جاسکتا ہے؟ کلا ثم کلا۔ البتہ تھوڑی بہت استنباطی واجتہادی شان کے ضرور اکابر امت میں تھے اور آئندہ بھی ہوں گے، ان کو بھی مجتہد کہہ لیجئے، مگر وہ "مجتہد مطلق" والی نرالی شان کہاں؟!

باب الایجاز فی الصلوٰۃ و اکمالها

(نماز کو مختصر اور پورے طور پر پڑھنے کا بیان)

٦٦٨: حدثنا ابومعمر قال حدثنا عبدالوارث قال حدثنا عبدالعزیز عن انس بن مالک قال کان النبی صلے اللہ علیه وسلم یوجز الصلوٰۃ ویکملها.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز مختصر اور پوری پڑھتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہ ثابت کیا کہ ایجاز واکمال دونوں کا اجتماع ایک نماز میں ہوسکتا ہے اور چونکہ ایسا کرنا حضور علیہ السلام کے فعل سے بھی ثابت ہے، اس لئے یہ مستحب بھی قرار پایا کہ نماز کو طول بھی نہ دے اور ارکان میں نقص بھی نہ آنے دے۔ آگے حدیث آنے والی ہے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے حضور علیہ السلام کے سوا آپ سے زیادہ ہلکی اور مختصر نماز نہیں پڑھی اور نہ حضور علیہ السلام سے زیادہ کامل و مکمل نماز کسی کے پیچھے پڑھی۔

باب من اخف الصلوٰۃ عند بکآء الصبی

(اس شخص کا بیان جو بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کردے)

٦٦٩: حدثنا ابراهیم بن موسی قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا الاوزاعی عن یحیی بن ابی کثیر عن عبداللہ بن ابی قتادة عن ابیه ابی قتادة عن النبی صلے اللہ علیه وسلم قال انی لاقوم فی الصلوٰۃ ارید ان اطول فیها فاسمع بکآء اصبی فاتجوز فی صلاتی کراهیته ان اشق علیٰ امه تابعه' بشر بن بکر و بقیة و ابن المبارک عن الاوزاعی

۶۷۰: حدثنا خالد بن مخلد قال حدثنا سلیمان ابن بلال قال حدثناشریک ابن عبداللہ قال سمعت انس بن مالک یقول ماصلیت ورآء امام قط اخف صلوۃ ولآاتم من النبی صلے اللہ علیہ وسلم و ان کان لیسمع بکآء الصبی فیخفف مخافتہ ان تفتن امہ'

ترجمہ۶۶۹: حضرت ابوقتادہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو چاہتا ہوں کہ اس میں طول دوں، لیکن بچہ کے رونے کی آواز سن کر میں اپنی نماز میں اختصار کر دیتا ہوں، اس امر کو برا سمجھ کر کہ میں اس کی ماں کی تکلیف کا باعث ہو جاؤں۔ بشر بن بکر، بقیہ اور ابن مبارک نے اوزاعی سے اس کے متابع حدیث روایت کی ہے۔

ترجمہ۶۷۰: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی امام کے پیچھے نبی کریم ﷺ سے زیادہ ہلکی اور کامل نماز نہیں پڑھی۔ اور بے شک آپ بچہ کا گریہ سن کر اس خوف سے کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی، نماز کو ہلکا کر دیتے تھے۔

تشریح: احادیث الباب سے معلوم ہوا کہ امام لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ کرنے کے بعد نماز کے دوران میں کسی کی وجہ سے تخفیف کر دے یا شروع سے ہی ہلکی نماز پڑھانے کا ارادہ کرے تو دونوں باتوں کی شرعاً اجازت ہے پھر شافعیہ کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اختصار مذکور کی طرح امام کو تطویل کا بھی اختیار ہے، یعنی کسی کی وجہ سے نماز کو طویل کر دے تو یہ بھی جائز ہے مگر حنفیہ دونوں میں فرق کرتے ہیں، یعنی کسی کی وجہ سے مثلاً رکوع میں طوالت کر دے تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس طرح عبادت میں زیادتی غیر اللہ کے لئے ہوگی۔ جبکہ عبادت کا کچھ حصہ بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے اور امام محمدؒ سے تو یہ بھی نقل ہوا کہ وہ اس پر کفر کا خطرہ بتلاتے تھے۔ تاہم ان کی مراد اس سے کفر عقیدہ نہ ہوگا بلکہ کفر نعمت جیسا مرتبہ ہوگا۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے دل کو تو یہ بات لگتی ہے کہ تطویل کی ممانعت دنیاداری ذی وجاہت لوگوں کے حق میں ہوگی کہ اس میں شرک کا شائبہ ہو سکتا ہے۔ ضرورت مند اور اہل علم و فضل کے لئے نہ ہوگی، اور اختصار کی سابق صورت تو اس لئے بھی باقی نہ رہی کہ فساد زمانہ کے سبب عورتوں کا مساجد کی نماز جماعت میں شامل ہونا ہی ممنوع ہو گیا ہے۔ اور فقہا نے رکوع کی تطویل کو اس رعایت کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ لوگ رکوع میں شامل ہو کر رکعت پالیں، بشرطیکہ وہ لوگ امام کے دوست و رفقاء نہ ہوں یا وہ رکوع میں آ کر شریک ہونے والوں کو نہ پہچانتا ہو۔ اور بعض فقہاء نے اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ پہلے سے شرکاء نماز کو امام کے تطویل رکوع سے تکلیف بھی نہ ہو۔ کیونکہ ان کا حق بعد میں آنے والوں سے زیادہ ہے اس سے زیادہ تفصیل لامع الدراری ص ۱/۲۷۲ میں دیکھی جائے۔

فیض الباری ص ۲/۲۳۳ قولہ وعن محمد الخ سہو ناسخ ہے۔ کیونکہ یہ بخاری کا مقولہ نہیں ہے، بلکہ کتب فقہ سے نقل کیا گیا ہے۔

۶۷۱: حدثنا علی بن عبداللہ قال حدثنا یزید بن زریع قال حدثنا سعید قال حدثنا قتادۃ ان انس بن مالک حدثہ' ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال انی لادخل فی الصلوٰۃ وانا ارید اطالتھا فاسمع بکآء الصبی فاتجوز فی صلوتی مما اعلم من شدۃ وجدامہ من بکآئہ

۶۷۲۔ حدثنا محمد بن بشارقال انا ابن عدی عن سعید عن قتادۃ عن انس بن مالک عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انی لادخل فی الصلوٰۃ فارید اطالتھا فاسمع بکآء الصبی فاتجوز مما اعلم من شدۃ وجد امہ من بکآئہ وقال موسیٰ حدثنا ابان قال حدثنا قتادۃ قال،ما انس عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم مثلہ

ترجمہ۶۷۱: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں (جب) نماز شروع کرتا ہوں تو اس کو طول دینا چاہتا ہوں مگر بچہ کا رونا سن کے اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں، کیونکہ میں اس کے رونے سے اس کی ماں کی سخت پریشانی کو محسوس کرتا ہوں۔

ترجمہ۶۷۲: ،حضرت انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز شروع کرتا ہوں۔ تو اس کو طول دینا

چاہتا ہوں، مگر بچہ کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ اس کے رونے سے مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں سخت پریشان ہو جائے گی، اور موسیٰ نے کہا کہ ہم سے ابان نے بہ سند قتادہ عن انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

باب اذا صلے ثم ام قوماً

(جب خود نماز پڑھ چکا ہو اس کے بعد لوگوں کی امامت کرے)

۶۷۳: حدثنا سلیمان بن حرب و ابو النعمان قالا نا حماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن جابر قال کان معاذ یصلی مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم ثم یاتی قومہ فیصلی بھم

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھ لیتے تھے، اس کے بعد اپنی قوم کے پاس جاتے تھے، اور انھیں نماز پڑھاتے تھے:۔

تشریح: حدیث الباب سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے اور کہا کہ حضرت معاذؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ عشا کی نماز بہ نیت فرض پڑھتے تھے، پھر جا کر امام بن کر اپنی قوم کو نماز عشا پڑھاتے تھے، لہٰذا فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے جائز ہوئی۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور اکثر تابعین کا مذہب یہ ہے کہ اگر مقتدی کی نیت امام کی نیت سے مختلف ہو تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی، کیونکہ نیت کے اختلاف سے بڑھ کر اور زیادہ اختلاف کیا ہو سکتا ہے کہ نیت پر ہی اعمال کی صحت کا مدار ہے۔ اور موطا امام مالک میں حدیث ہے کہ "امام اسی لئے ہے کہ مقتدی اس کا اتباع کریں، لہٰذا اس کی مخالفت نہ کرو" محدث ابی نے شرح مسلم، میں لکھا کہ یہ حدیث امام ملک اور جمہور کے لئے دلیل و حجت ہے، جو کہتے ہیں کہ امام اور مقتدی کی نماز باہم مرتبط ہونی چاہئیں، اور اس سے امام شافعی و محدثین کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز کی اقتداء درست ہے اور کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز اس امام کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں جو عصر کی نماز عصر پڑھ رہا ہو، وہ ممنوع اختلاف کو صرف ظاہری افعال کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں، اور امام مالک وغیرہ کہتے ہیں کہ دو الگ الگ فرضوں یا فرض اور دوسرے نفل کے اختلاف سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور یہی ایک روایت امام احمدؒ سے بھی ہے۔ علامہ موفقؒ نے کہا کہ اسی کو ہمارے اکثر اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ علامہ ابن عربی نے شرح ترمذی میں لکھا کہ حضرت معاذؓ والی حدیث کے معارض دوسری حدیث ہے **انما جعل الامام لیؤتم به.** اور دوسری حدیث الامام ضامن بھی معارض ہے، کیونکہ نفل نماز کم درجہ کی ہے وہ فرض نماز کے لئے کفیل نہیں بن سکتی۔ اور ایسے ہی ایک فرض دوسرے مختلف فرض کے لئے کفیل و ضامن نہیں ہو سکتا اور حدیث معاذ میں احتمال ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں، پھر جا کر اپنی قوم کو فرض کی نیت سے پڑھاتے ہوں۔ علامہ ابن عربیؒ نے حدیث معاذ کے پانچ جواب دیئے ہیں، (ملاحظہ ہو اوجز المسالک ص۲/۲۲)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک حضرت معاذؓ نے حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی عشا ہی پڑھی ہے، لیکن بہ نیت اسقاط فریضہ نہیں پڑھی اور دوسری جو اپنی قوم کے ساتھ پڑھی ہے وہ اسقاط فریضہ کی نیت سے پڑھی ہے، امام محمدؒ کی پانچوں کتابوں میں اور امام طحاوی کی کتاب میں بھی یہ مسئلہ تین جگہ مذکور ہے کہ اگر گھر سے نماز پڑھ کر چلے اور مسجد میں پہنچے اور نماز ہو رہی ہو تو اعادہ ضروری ہے۔ اور یہی متقدمین سے منقول ہے۔ امام طحاویؒ نے تصریح کی ہے کہ اگر پہلی بہ نیت عشا بھی پڑھے لیکن اسقاط فرض کا قصد نہ ہو تو وہ نفل ہوگی، اور اسی طرح اگر دوبارہ، سہ بارہ نماز ظہر کی ہی مثلاً پڑھے تو ان میں ایک فرض ہوگی جو بہ نیت اسقاط فرض ہوگی، باقی سب نفل ہوں گی۔ لہٰذا حضرت معاذؓ نے پہلے بھی عشاء ہی پڑھی ہوگی بہ لحاظ شرکت نبی کریم ﷺ اور دوسری جو پڑھائی ہے وہ فرض کے اسقاط کے لئے ہوگی۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ سب سے پہلے فتح القدیر نے یہ غلطی کی ہے کہ خلاف متقدمین یہ مسئلہ لکھا کہ گھر سے پڑھ کر جب مسجد میں آیا تو

فرض میں شریک ہوا اور یہ نفل ہیں۔

اعادہ کے مسئلہ میں شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ پانچوں نمازوں کا اعادہ ضروری ہے اور پہلی نفلیں ہیں خیمہ یا گھر پر پڑھی ہوئی، حنفیہ کے یہاں صرف ظہر و عشاء میں اعادہ ضروری ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر شافعیہ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت درست ہے کہ پہلی نماز نفل ہوتی ہے اور بعد والی فرض، تو حضرت معاذؓ کے لئے پہلی نماز حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھی ہوئی گھر اور خیمہ کے حکم میں ہونی چاہیے کہ ان کے لئے اپنی مسجد جس کے وہ امام تھے وہ بعد والی ہے، اور بظاہر وہ اپنی مسجد میں ہی اسقاط فرض کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں گے۔ اور اس سے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اقتداء متنفل خلف المفترض کے مسئلہ میں محدثانہ و فقیہانہ ابحاث بہت لمبی ہیں وہ شروح میں قابل مطالعہ ہیں۔ ہم نے یہاں بطور خلاصہ کچھ لکھدیا ہے۔

باب من اسمع الناس تکبیر الامام

اس شخص کا بیان، جو مقتدیوں کو امام کی تکبیر سنائے

۶۷۴: حدثنا مسدد قال نا عبداللہ بن داؤد قال نا الاعمش عن ابراھیم عن الاسود عن عائشة قالت لما مرض النبی صلے اللہ علیہ وسلم موضه الذی مات فیه اتاہ بلال یؤذنه بالصلوٰۃ قال مروا ابابکر فلیصل بالناس قلت ان ابابکر رجل اسیف ان یقم مقامک یبک فلایقدر علی القرآءۃ فقال مروا ابابکر فلیصل فقلت مثله فقال فی الثالثة او الرابعة الکن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل فصلی و خرج النبی صلے اللہ علیہ وسلم یھادی بین رجلین کانی انظر الیه یخط برجلیه الارض فلما رآہ ابوبکر ذھب یتأخر فاشار الیه ان صل فتاخر ابوبکر و قعد النبی صلے اللہ علیہ وسلم الیٰ جنبه و ابوبکر یسمع الناس التکبیر تابعه محاضر عن الاعمش

ترجمہ ۶۷۴: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے، تو آپ کے پاس بلالؓ نماز کی اطلاع کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا، ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، میں نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں، اگر آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں گے اور قراءۃ پر قادر نہ ہوں گے، آپ نے فرمایا، کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، میں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے فرمایا، کہ تم یوسف کی عورتوں کی مثل ہو ابوبکرؓ سے کہو وہ نماز پڑھائیں، تو ابوبکرؓ نے نماز شروع کی (اتنے میں نبی کریم ﷺ کو مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا) اور نبی کریم ﷺ دو آدمیوں کے بیچ میں سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لے گئے، گویا میں اس وقت بھی آپ کی طرف دیکھ رہی ہوں، کہ آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے ہیں، جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے مگر آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھو، چنانچہ ابوبکرؓ کچھ پیچھے ہٹ گئے اور نبی کریم ﷺ ان کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ابوبکرؓ لوگوں کو تکبیر سناتے جاتے تھے۔

تشریح: مقتدیوں کو امام کی تکبیرات سنانے کے لئے ایک یا زیادہ مکبروں کا بلند آواز سے تکبیرات کہنا جائز ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات سنانے کے لئے زور سے کہتے تھے۔

اس بارے میں شیخ ابن ھمامؒ نے یہ لکھدیا کہ اگر ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے مکبر تکبیر کہیں گے تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی حالانکہ یہ ان کی غلطی اور اسی لئے ایک حنفی عالم نے ہی مستقل رسالہ میں ان کا رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مقدار ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے بھی تکبیرات سنانا موجب فساد صلوٰۃ نہیں ہے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام محمد کے نزدیک قائم کی اقتدا خلف القاعد جائز نہیں ہے۔ اسی لئے حدیث الباب کے مرض وفات کے واقعہ کو امام محمدؒ نے حضور علیہ السلام کی خصوصیت پر اتارا ہے۔ میرے نزدیک تو اس واقعہ میں حضور علیہ السلام کا نمازیوں کے سامنے سے گذرنا، نماز کے بیچ میں سے شروع کر دینا پہلے امام کو ہٹا کر، اور ایک مقتدی کو صف کے آگے رکھنا وغیرہ اور بھی خصوصیات میں سے ہیں، اور غالباً امام محمدؒ نے بھی اور سب چیزوں کو خصوصیت پر اتارا ہے۔

فائدہ مہمہ: امام محمد و امام مالک کے نزدیک امامۃ جالس للقائم کسی حال میں درست نہیں، اور مرض وفات میں حضور علیہ السلام کی امامت خصوصیت پر محمول ہے امام احمد و اسحق کہتے ہیں کہ کسی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر پڑھنی چاہیئے، کیونکہ ایک حدیث میں یہی حکم ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہ جزو حدیث کا منسوخ ہے، اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام کسی عذر سے بیٹھ کر پڑھائے تو تندرست مقتدیوں کو کھڑے ہو کر اقتدا کرنی چاہیئے، علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یہی مذہب جماعت فقہاء امصار کا ہے، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی اور اہل الظاہر وغیرہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ جمہور کا استدلال حضور علیہ السلام کی مرض وفات والی نماز سے ہے، الخ (لامع ص ۱/۶۷۶) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حنابلہ نے جھگڑا ڈالا ہے اور کہا کہ اس واقعہ مرض وفات میں بھی امام ابوبکر ہی تھے اور حضور علیہ السلام مقتدی تھے، محشی سندی نے بھی حاشیہ بخاری میں اسی کی تائید کر دی ہے مگر میرے نزدیک صحیح بخاری سے اس کے لئے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ عینیؒ لکھا کہ ایک جماعت کا قول یہی ہے کہ بخاری و مسلم کی روایات حضرت عائشہؓ کے تحت اس امر کی صراحت ملتی ہے کہ آخر مرض وفات میں نماز کے امام حضور علیہ السلام ہی تھے اور حضرت ابوبکر صرف مبلغ و مکبر تھے۔ اور مزید بحث لامع میں ہے۔

باب الرجل یاتم بالامام و یاتم الناس بالماموم ویذکر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ائتموا بی ولیاتم بکم من بعدکم

(اگر ایک شخص امام کی اقتدا کرے اور (باقی) لوگ اس مقتدی کی اقتدا کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا تم لوگ میری اقتدا کرو اور تمہارے بعد والے تمہاری اقتدا کریں)

۶۷۵: حدثنا قتیبۃ بن سعید قال نا ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابراھیم عن الاسود عن عآئشۃ قالت لما ثقل النبی صلے اللہ علیہ وسلم جآء بلال یؤذنہ بالصلوۃ فقال مروآ ابابکر ان یصلی بالناس فقلت یارسول اللہ ان ابابکر رجل اسیف وانہ متی یقوم مقامک لایسمع الناس فلوامرت عمر فقال مروآ ابابکر ان یصلی بالناس فقلت لحفصۃ قولی لہ ان ابابکر رجل اسیف وانہ متیٰ مایقوم مقامک لایسمع الناس لوامرت عمر فقال انکن لانتن صواحب یوسف مروآ ابابکر ان یصلی بالناس فلما دخل فی الصلوۃ وجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی نفسہ خفۃً فقام یھادیٰ بین رجلین ورجلاہ یخطان فی الارض حتی دخل المسجد فلما سمع ابوبکر حسہ ذھب ابوبکر یتاخر فاوما الیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فجاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم حتی جلس عن یسار ابی بکر فکان ابوبکر تصلی قآئماً وکان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی قاعداً یقتدی ابوبکر بصلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والناس مقتدون بصلوۃ ابی بکر

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، تو بلالؓ آپ کے پاس نماز کی اطلاع کرنے آئے، آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھاویں، میں نے کہا یا رسول اللہ! ابوبکرؓ ایک نرم دل آدمی ہیں اور وہ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، تو لوگوں کو نہ سنا سکیں گے، کاش، آپ عمرؓ کو حکم دیتے، پھر آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تب میں نے حفصہؓ سے کہا، کہ تم عرض کرو کہ ابوبکرؓ نرم دل آدمی ہیں، اس لئے جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو اپنی آوازیں نہ سنا سکیں گے کاش! آپ عمرؓ کو حکم دیتے (چنانچہ حفصہؓ نے عرض کیا) اس پر آپ نے فرمایا کہ تم ان عورتوں کی طرح ہو، جو یوسف کو (گھیرے ہوئے) تھیں، ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں پھر جب وہ نماز شروع کر چکے تو رسول خدا ﷺ نے اپنے میں کچھ خفت (مرض کی) پائی تو آپ دو آدمیوں کے درمیان میں سہارا دے کر باہر تشریف لے گئے، اور آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے، جب ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ سنی، تو ابوبکرؓ پیچھے ہٹنے لگے۔ مگر رسول خدا ﷺ نے انہیں اشارہ کیا (کہ ہٹو نہیں) پھر نبی ﷺ آکر ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے، ابوبکرؓ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور رسول خدا ﷺ بیٹھے ہوئے نماز پڑھتے تھے، ابوبکرؓ رسول خدا ﷺ کی اقتدا کرتے تھے، اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کے مقتدی تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے حدیث الباب سے یہ نکالا ہے کہ اگلی صف والے امام کا اتباع واقتدا کریں گے اور پچھلی صفوں والے اگلی صفوں کی۔ متقدمین میں سے شعبی اور متاخرین میں سے ابن جریر وغیرہ بھی اسی کے قائل ہوئے ہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں اگر بعد میں آنے والے کسی مقتدی نے اگلی صف والے کسی مقتدی کو بھی تحریمہ کر کے رکوع میں پالیا تو اس کو رکعت مل گئی، خواہ امام اور اس سے متصل صفوں والوں نے رکوع سے سر بھی اٹھالیا ہو۔

علامہ عینیؒ نے یہی مسلک امام بخاری کا بھی قرار دیا ہے، مگر میرے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ یہ مسئلہ امام بخاریؒ کا مختار بھی ہو اور ہوسکتا ہے کہ صرف لفظ راوی کا اتباع کر کے انھوں نے ایسا ترجمہ قائم کیا ہو۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جب تک امام رکوع میں ہے اسی وقت تک رکعت مل سکتی ہے، دوسرے مقتدیوں کا اعتبار نہیں اور امام بخاریؒ نے تو جزءالقراۃ میں یہ بھی تصریح کردی ہے کہ امام کو رکوع میں پانے سے بھی رکعت نہ ملے گی صرف اقتداء حاصل ہوجائے گی۔

جمہور کے نزدیک حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دین کے امور میں تم میری اتباع کرو اور بعد کو آنے والے تمہاری اتباع کریں گے۔ یعنی یہاں نماز کی امامت واقتدا کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ **قوله فلما دخل فی الصلوٰة وجد رسول الله ﷺ فی نفسه خفة،** پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں سے صراحت نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشا کی نماز میں نکلے تھے، واللہ اعلم۔

قوله الکن لانتن صواحب یوسف: ۔ صواحب یوسف سے تشبیہ کی وجہ اظہار خلاف مافی الضمیر تھا کیونکہ درحقیقت حضرت عائشہؓ امامت سیدنا ابی بکرؓ سے اس لئے روک رہی تھیں کہ لوگ بعد کو یہ نہ کہہ دیں کہ ان کی امامت ایسی نامبارک ہوئی کہ حضور علیہ السلام وفات پا گئے گویا دل میں تو یہ بات تھی اور ظاہر دوسری بات کی جو حدیث میں ذکر ہوئی ہے۔ جس طرح زلیخا نے بظاہر تو ان عورتوں کا اکرام کیا اور ضیافت کی تھی اور دل میں نیت یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال ان کو دکھائیں تاکہ آئندہ وہ ان کو ملامت نہ کریں یا عورتوں کی خاص عادت ضد وہٹ کی طرف اشارہ ہے (ص ۹۹ حاشیہ بخاری)

باب هل يأخذالامام اذا شک بقول الناس

امام کوجب شک ہوجائے تو کیاوہ مقتدیوں کے کہنے پرعمل کرلے

۶۷۶: حدثنا عبدالله بن مسلمة عن مالک بن انس عن ايوب بن ابی تميمة السختيانی عن محمد بن سيرين عن ابی هريرة ان رسول الله صلے الله عليه وسلم انصرف من اثنتين فقال له ذو اليدين اقصرت الصلوٰة ام نسيت يا رسول الله فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم اصدق ذو اليدين فقال الناس نعم فقام رسول الله صلے الله عليه وسلم فصلی اثنتين اخريين ثم سلم ثم كبر فسجد مثل سجوده او اطول

۶۷۷: حدثنا ابو الوليد قال ناشعبة عن سعد بن ابراهيم عن ابی سلمة عن ابی هريرة قال صلے النبی صلے الله عليه وسلم الظهر ركعتين فقيل قد صليت ركعتين فصلے ركعتين ثم سلم ثم سجد سجدتين

ترجمہ۶۷۶: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز کی) دو رکعتیں پڑھ کر رسول خدا ﷺ علیحدہ ہوگئے، تو آپ سے ذوالیدین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا نماز میں کمی کردی گئی یا آپ بھول گئے تو رسول خدا ﷺ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتے ہیں، لوگوں نے کہا، ہاں! پس رسول خدا ﷺ پھر کھڑے ہوگئے اور دو رکعتیں اور پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر اپنے معمولی سجدوں کی طرح سجدے کئے، یا اس سے تھوڑے سے طویل ہوں گے۔

ترجمہ۶۷۷: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں، تو آپ سے کہا گیا کہ آپ نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، پس آپ نے دو رکعتیں (اور) پڑھ لیں، پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) آپ نے کئے۔

تشریح: حدیث مذکورہ کا تعلق مسائل سہو سے ہے، جو اپنے موقع پر آئیں گے، چنانچہ بخاری ص۱۶۳ وص۱۶۴ میں یہی حدیث ابی ہریرہ باب السہو کے تحت ذکر ہوگی، یہاں غالب اس لئے ذکر کیا کہ امام ومقتدی کے مسائل چل رہے ہیں۔

اس سے قبل ص۶۹ میں بھی ابی ہریرہ **باب تشبيک الا صابع فی کالمسجد** میں گذر چکی ہے، کیونکہ اس روایت میں تشبیک کا بھی ذکر ہے پھر اس حدیث ابی ہریرہؓ کو ص۸۹۴ میں **باب ما يجوز من ذكر الناس نحو قولهم الطويل والقصير** میں لائیں گے، کیونکہ ذوالیدین کا ذکر ہے اور کتاب اخبار الآحاد کے **باب ماجا فی اجازة الخبر الواحد** ص۱۰۷۷ میں بھی لائیں گے۔ کیونکہ امام بخاری مسائل کے استخراج اور مناسبات کے لحاظ سے ایک ہی حدیث کو متعدد جگہ لایا کرتے ہیں۔ غرض فقہی نقطۂ نظر سے یہاں شک وسہو کے لئے باب قائم کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

شک وسہو امام کے مسئلہ میں متعدد صورتیں ہیں اور یہ مشہور اختلافی مسائل میں سے ہے، مذہب حنفی کا حاصل یہ ہے کہ اگر مقتدیوں میں اختلاف ہو تو امام کی رائے جس طرف ہوگی وہ معتبر ہوگی خواہ اس جانب ایک ہی مقتدی ہو۔ اگر ایک شخص کو نماز کے پوری ہونے کا یقین ہو اور ایک کو ناقص ہونے کا اور دوسرے لوگ اور امام بھی شک میں ہو تو نماز کا اعادہ صرف یقینی نقص بتلانے والے کے ذمہ ہوگا۔ اگر امام کو نقص کا یقین ہو تب بھی سب پر اعادہ لازم ہوگا بجز اس کے جس کو ان میں سے کامل ہونے کا یقین ہو، اگر کسی کا ایک مقتدی کو نقص کا یقین ہو لیکن امام اور دوسروں کو شک ہو تو سب کے لئے اعادہ اولی ہے احتیاطاً۔ اگر (دو عادل نقص بتلائیں تو اعادہ لازم ہوگا نہ لامع ص۶۷۸ انقلاعن البذل)

علامہ لابن المنیر نے لکھا کہ اختلاف صرف ان صورتوں میں ہے کہ امام کو بھی شک ہو ورنہ اگر امام کو اپنے فعل پر یقین ہو تو پھر کسی

مقتدی کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا (فتح الباری ص۲/۱۴۱)

قولہ وقال عبداللہ بن مقداد الخ اس راوی کے بارے میں حافظ نے لکھا کہ وہ تابعی کبیر تھے۔ جن کو رؤیت کا شرف اور ان کے والد کو صحبت کا شرف حاصل تھا۔ (فتح ص۲/۱۴۱)

علامہ عینی نے لکھا کہ وہ تابعی کبیر جن کو روایت کا اور ان کے باپ کو صحبت کا شرف ملا تھا (غالباً رؤیت کی جگہ روایت کا لفظ ناسخ کی غلطی ہے، واللہ اعلم) پھر ذہبی سے نقل کیا کہ وہ قدمائے تابعین میں سے تھے، اور ان کی اس تعلیق کو سعید بن منصور نے موصول کیا ہے، (عمدہ ص۲/۷۸۶)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ صغیر السن صحابی تھے، حضرت حمزہؓ نے ان کی والدہ سے نکاح کیا تھا، اور وہ حدیث **من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ** کے راوی بھی ہیں تو اس سے تو کم درجہ نہیں ہے کہ ہم ان کی حدیث کو مرسل صحابی قرار دیں، حالانکہ وہ مرفوعاً بھی ثابت ہو چکی ہے جس کی تحقیق ہم نے فصل الخطاب میں کی ہے۔

باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ وقال عبداللہ بن شداد سمعت نشیج عمر وانا فی اٰخر الصفوف یقرأ انمآ اشکوا بثی وحزنیٓ الی اللہ

(جب امام نماز میں روئے' عبداللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے رونے کی آواز سنی' حالانکہ میں سب سے پچھلی صف میں تھا وہ **انمآ اشکوا بثی وحزنیٓ الی اللہ** پڑھ رہے تھے)

۶۷۸: حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالک بن انس عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ ام المؤمنین ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ مروآ ابابکر یصلی بالناس قالت عآئشۃ قلت لہ' ان ابابکر اذا قام فی مقامک لم یسمع الناس من البکآء فمر عمر یصلی بالناس فقال مروٓا ابابکر فلیصل بالناس فقالت عآئشۃ فقلت لحفصۃ قولی لہ' ان ابابکر اذا قام فی مقامک لم یسمع الناس من البکآء فمر عمر فلیصل للناس ففعلت حفصۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہ انکن لانتن صواحب یوسف مروآ ابابکر فلیصل للناس فقالت حفصۃ لعائشۃ ماکنت لاصیب منک خیراً

ترجمہ: حضرت عائشہ ام المؤمنینؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے (اخیر) مرض میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے آپ سے کہا کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کے سبب سے لوگوں کو (اپنی قراءۃ) نہ سنا سکیں گے۔ لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر آپ نے فرمایا، کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے حفصہؓ سے کہا کہ تم آپ سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے، تو رونے کے سبب سے لوگوں کو (اپنی قراءۃ) نہ سنا سکیں گے، لہٰذا آپ عمرؓ کو حکم دیجئے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو حفصہؓ نے (ایسا ہی کیا) اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ چپ رہو! تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کی (اغوا) کرنے والی عورتوں کی طرح (معلوم ہوتی) ہو ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا، کہ میں نے کبھی تم سے کوئی (بھی) بھلائی نہ پائی۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ اگر نماز میں رونا کسی تکلیف، درد وغیرہ کے سبب ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر جنت و دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو وہ مطلوب ہے، اس سے فاسد نہ ہوگی کہ وہ حضور علیہ السلام سے بھی ثابت ہوا ہے۔

اس باب میں امام بخاریؒ نے ترجمہ کے مطابق کوئی حدیث ذکر نہیں کی، کیونکہ ان کی شرط کے موافق نہ ہوگی، لہٰذا حضرت عمرؓ کے اثر پر اکتفا کیا ہے۔

یہ توجیہ اس لئے ہے کہ حدیث الباب میں امام حضور علیہ السلام تھے اور ان کے رونے کا کچھ ذکر نہیں ہے مگر علامہ عینیؒ نے یہ دقیق بات نکالی کہ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل تک حضرت ابوبکرؓ ہی امام تھے اور ان کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا بارہا کا مشاہدہ تھا کہ وہ نماز میں تلاوت کے وقت ضرور رویا کرتے تھے لہٰذا امام کا نماز میں رونا ثابت ہوا، گو یہاں اس خاص واقعہ میں اس کے وقوع کا ذکر نہیں ہوا۔ علامہ عینیؒ نے لکھا کہ اس کے بغیر ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت نہیں ہو سکتی (عمدہ ۲/۷۸۷) حافظ نے فتح الباری میں مطابقت ترجمہ کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے تراجم الابواب میں اور حضرت شیخ الحدیث نے الابواب والتراجم میں بھی کچھ نہیں لکھا۔

باب تسوية الصفوف عند الأقامة و بعدها

(اقامت کے وقت یا اس کے بعد صفوں کے برابر کرنے کا بیان)

۶۷۹: حدثنا ابو الولید هشام بن عبدالملک قال ناشعبة قال حدثنی عمرو بن مرة قال سمعت سالم بن ابی الجعد قال سمعت النعمان بن بشیر یقول قال النبی صلی الله علیه وسلم لتسون صفوفکم او لیخالفن الله بین وجوهکم

۶۸۰: حدثنا ابو معمر قال ناعبدالوارث عن عبدالعزیز بن صهیب عن انس ان النبی صلے الله علیه وسلم قال اقیموا الصفوف فانی اراکم خلف ظهری

ترجمہ ۶۷۹: حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں، کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، کہ اپنی صفوں کو برابر کرلیا کرو، ورنہ اللہ تعالے تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا

ترجمہ ۶۸۰: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: صفوں کو درست کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: صف کو سیدھا کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے کہ بغیر اس کے نماز میں کراہت تحریمی آئے گی اور یہ کام اقامت کے وقت بھی کر سکتے ہیں اور تحریمہ سے قبل اقامت کے بعد بھی، جیسی ضرورت ہو، اگرچہ جائز تحریمہ کے بعد بھی ہے،

امام شافعیؒ کے نزدیک تسویۂ صف سنت ہے، کیونکہ ان کے یہاں واجب کا درجہ نہیں ہے، ابن حزم ظاہری نے اس کو فرض قرار دیا ہے کہ بغیر اس کے نماز جماعت درست نہ ہوگی۔

پھر یہ کہ اگر تسویۂ صف کا نہ ہوا تو کیا جماعت کا ثواب ختم ہو جائے گا۔ علامہ سیوطی شافعیؒ نے شافعیہ سے دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ جماعت کا ثواب ملے گا۔ مگر نقصان کے ساتھ، دوسرے یہ کہ بالکل نہ ملے گا۔ ہمارے یہاں بھی مکروہ روزے کے بارے میں ایسی تفصیل موجود ہے۔ میرے نزدیک یوم نحر و فطر میں تو ثواب بالکل نہ ملے گا کہ ان دونوں میں روزہ رکھنا اجماعاً حرام ہے، باقی ایام تشریق میں ثواب کم ہوگا۔ اس لئے نماز میں میری رائے ہے کہ اس میں بھی جماعت کا ثواب تو ملے گا مگر صف سیدھی نہ کرنے والوں کے لئے بقدر کراہت کم ہو جائے گا۔ اور جو لوگ صف کو سیدھا کریں گے ان کا کم نہ ہوگا۔

صف سیدھی نہ کرنے کے ظاہری عمل خلاف کا اثر باطن پر یہ پڑے گا کہ ان لوگوں میں باہمی اختلافات رونما ہوں گے اور مودت و محبت نہ رہے گی حدیث میں اسی سے ڈرایا گیا ہے۔

قولہ فانی اراکم پر فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ تم اگر خدا سے شرم نہیں کرتے تو کم سے کم مجھ سے ہی کرو کہ میں تم جس طرح آگے سے دیکھتا ہوں، پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، امام احمد و جمہور علماء نے کہا کہ ایسا عقلاً ممتنع نہیں ہے، اور وحی سے ثابت ہوا اس لئے اس پر یقین کرنا

چاہیئے اور یہ بطور خرق عادت حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ (عمدہ ص ۲/۷۸۹)

قولہ حدثنی عمرو بن مرہ پر فرمایا کہ یہ راوی بخاری بھی کوفی ہیں اور ان کا مذہب ترک رفع یدین ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں یہی ترک تھا، مگر امام بخاری بھی کوفہ میں پہنچے ہیں لیکن کوئی حدیث ترک کی نہیں لائے۔ فالعجب کل العجب۔ ان ہی عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ کوفہ میں حضرمیوں کی مسجد میں گیا اور وہاں وائل بن حجر کی حدیث رفع یدین سنی تو آکر حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بیان کی، وہ سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا افسوس! کیا انھوں نے دیکھا اور حضرت ابن مسعود نے نہ دیکھا اور نہ ان کے اصحاب نے دیکھا (حاشیہ مولانا عبدالحی علی الموطأ ص ۹۳) اور اسی حاشیہ میں ہے کہ مغیرہ نے بھی ابراہیم نخعیؒ سے وائل کی حدیث کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اگر وائل نے ایک دفعہ دیکھا تو ابن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ حضور علیہ السلام کو نہ کرتے دیکھا ہے، اور ایک روایت ہے کہ کیا وائل نے ہی دیکھا اور باقی صحابہ نے نہ دیکھا؟!

فتح الملہم ص ۲/۱۵ میں اس طرح نقل ہے کہ ابراہیم نخعی نے حدیث وائل بن حجر کو اوپرا سمجھا اور کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ وائل ابن حجر حضرت علی و عبداللہ بن مسعود سے زیادہ علم والے تھے؟!

شرح کتاب الآثار امام محمد ص ۱/۱۹۵ میں حضرت العلامہ مولانا مفتی مہدی حسنؒ نے یہ نقل کیا کہ جب عمرو نے وائل کی حدیث سنائی تو ابراہیم نے فرمایا:۔ میری سمجھ میں نہیں آیا شاید وائل نے ایک ہی دن حضور علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا تھا جس کو یاد رکھ کر یہ روایت کی اور اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب نے یاد نہ رکھا، میں نے تو ان میں سے کسی سے بھی یہ بات نہیں سنی اور نہ کسی کو دیکھا کہ وہ نماز میں علاوہ تکبیر تحریمہ کے دوسری کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے ہوں۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور علیہ السلام کے ساتھ سفر و حضر میں رہتے تھے اور آپ کے خصوصی خادم رہے ہیں، اس لئے ابراہیم نخعی نے اس طرح تعجب کا اظہار کیا ہے۔

افسوس ہے کہ فیض الباری ص ۲/۲۳۵ میں صحیح اور پوری بات مع حوالہ کے نہ آسکی۔ اسی لئے ہم نے تصحیح و تفصیل کر دی ہے۔

باب اقبال الامام علی الناس عندتسویة الصفوف

(صفوں کو برابر کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا بیان)

۶۸۱: حدثنا احمد بن ابی رجآء قال نامعوية بن عمرو قال نازآئدةابن قدامة قال ناحميد ن الطويل قال ناانس بن مالک قال اقيمت الصلوٰة فاقبل علينا رسول الله صلے الله عليه وسلم بوجهه فقال اقيموا صفوفكم وتراصوا فانی اراكم من ورآء ظهری

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی تو رسول خدا ﷺ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، کہ تم لوگ اپنی صفوں کو درست کر لو، اور مل کے کھڑے ہو، اس لئے کہ میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

تشریح: حدیث الباب میں تو خود حضور علیہ السلام کا متوجہ ہونا مذکور ہے، اور ابوداؤد میں یہ ہے کہ حضورؐ دوسروں کو تسویہ صفوف کا حکم کرتے تھے، اور خود محراب کے قریب ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑے رہتے تھے، جب دیکھتے کہ صفیں برابر ہو گئیں تو نماز کی تکبیر کہتے تھے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ ابوداؤد میں ہے کہ نمازیوں کی صفیں آسمانوں کے فرشتوں کی صفوں کے مقابل ہوتی ہیں۔ اسی لئے سیدھی صف کرنے کا اہتمام زیادہ کر دیا گیا اور اچھی طرح مل کر کھڑے ہونے کا بھی حکم ہوا تا کہ مشابہت پوری ہو جائے۔ دوسرے کہ یہ اداء عبادت کا یہی طریقہ صف بندی کرنے کا سب سے زیادہ کامل بھی ہے، اسی لئے یہ امتیاز امت مرحومہ کے حصہ میں آیا، بنی اسرائیل کی عبادت میں حلقہ کا طریقہ تھا، صف بندی نہ تھی۔ نیز فرمایا:۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی آدمی مقرر تھا جو صفوں میں سے "اعتدلوا، استووا" کہتا ہوا گذرتا تھا پھر نماز شروع ہوتی تھی۔

باب الصف الاول

(پہلی صف کا بیان)

۲۸۲: حدثنا ابو عاصم عن مالک عن سمی عن ابی صالح عن ابی هریرة قال قال النبی صلے الله عیه وسلم الشهدآء الغرق والمبطون والمطعون والهدم وقال لو یعلمون ما فی التهجیر لاستبقوآ الیه ولو یعلمون ما فی العتمة والصبح لاتوهما ولو حبواً ولو یعلمون ما فی الصف المقدم لاستهموا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شہداء (یہ لوگ ہیں) جو ڈوب کے مرے اور جو پیٹ کے مرض میں مرے، اور جو طاعون میں مرے اور جو دب کے مرے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگ جان لیں، کہ شروع وقت میں نماز پڑھنے میں کیا (فضیلت) ہے تو بے شک اس کی طرف سبقت کریں، اور اگر وہ جان لیں، کہ عشاء اور صبح کی نماز (باجماعت) میں کیا ثواب ہے، تو یقیناً ان میں آکر شریک ہوں اگرچہ گھٹنوں کے بل (چلنا پڑے) اور اگر وہ جان لیں کہ پہلی صف میں کیا فضیلت ہے، تو بے شبہ (اس کے لئے) قرعہ اندازی کریں۔

تشریح اور بحث: صف اول کی فضیلت میں ابوالشیخ ابوحیان سے نقل ہوا کہ وہ بہ نسبت دوسری صفوں کے شیطانی اثرات سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صف اول شمال سے جنوب تک کی پوری لمبی صف ہے وہ نہیں جس میں امام کے ساتھ اس کے مقصورہ میں چند لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں، اگرچہ یہ بھی بعض کا قول ہے، اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ مسجد میں پہلے داخل ہو گئے وہ سب صف اول والے ہیں خواہ کہیں بھی کھڑے ہوں۔

راوی حدیث الباب ابوعاصم الضحی ک النبیل کے بارے میں حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ امام زفر کے تلمیذ ہیں اور ان کے ساتھ آخر عمر تک رہے ہیں۔ نبیل معزز و شریف کو کہتے ہیں اور یہ لقب ان کو امام زفرؒ کی باندی نے دیا تھا، جب دروازے پر جا کر دستک دیتے تو امام زفر کے پوچھنے پر کہ کون ہے باندی جا کر دیکھتی اور آکر کہتی کہ وہی نبیل ہیں۔ اس کے بعد ان کا یہ لقب ہی پڑ گیا۔

ہم نے مقدمہ انوارالباری ص ۱/۸۰ میں بھی ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ وہ امام اعظمؒ کے بھی شاگرد ہیں اور علامہ ذہبیؒ نے ان کو الحافظ (یعنی حافظ حدیث) اور شیخ الاسلام کے القاب سے ذکر کیا ہے۔ یہ امام بخاری کے حدیث میں استاذ ہیں جن سے یہاں روایت کی ہے امام زفر اور امام اعظمؒ کے ایسے تلامذۂ خصوصی سے کیا یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ''الایمان قول و عمل'' کے قائل ہوں گے؟ جب کہ امام بخاری نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی، جس کا عقیدہ ''الایمان قول و عمل'' کا نہیں تھا۔ شاید امام بخاریؒ نے ان کو اس بارے میں کچھ نرم پایا ہو، مگر یہ بات تو سب نے تسلیم کر لی ہے کہ امام بخاریؒ کے اس دعوے کا تعلق صرف بلاواسطہ شیوخ سے ہے، کیونکہ اوپر کے شیوخ میں تو یہ دعوے عام طور سے درست نہ ہو سکا۔ ہمارے قریبی دور کے اہل حدیث عالم مولانا عبدالسلام مبارکپوری، عظمی نے ''سیرۃ البخاری'' ص ۱۶۳/۱۶۳ میں لکھا۔

''ہم یہ مانتے ہیں کہ امام بخاری کو ''الایمان قول و عمل'' میں خاص قسم کا کد اور تشدد تھا، جس کی شہادت بخاری کی کتاب الایمان سے بھی ملتی ہے، اور امام بخاری کا یہ قول مقدمہ فتح الباری میں نقل ہوا ہے کہ میں نے ہزار سے زائد شیوخ سے حدیث لی لیکن ایسے شیوخ کے پاس نہیں گیا جو ''الایمان قول و عمل'' کے قائل نہ تھے، لیکن یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اس قول سے امام بخاری کا تشدد ان کے اپنے شیوخ تک محدود معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اوپر کے شیوخ میں اس قسم کی پابندی نہیں اسی وجہ سے شیوخ الشیوخ کیا اور بھی اوپر کے شیوخ ان کے سلسلہ روایت میں ایسے مل سکتے ہیں جن کا قول ''الایمان قول و عمل'' نہ تھا لہٰذا یہ توجیہ امام بخاری کے بلاواسطہ شیوخ میں چل سکتی ہے اوپر کے سلسلہ میں یہ توجیہ بالکل غلط ہو جاتی ہے'' الخ

غرض یہ سب کو معلوم ہے کہ امام بخاری نے باوجود دعوائے مذکور کے ایسے رواۃ سے احادیث روایت کی ہیں'' جن کی نسبت ''مرجی''

کہا گیا ہے، اور جو اعمال کو جز وایمان نہیں جانتے تھے، جبکہ امام بخاری نے سب سے بڑا الزام امام اعظمؒ پر ''مرجئی'' ہونے کا لگایا بھی ہے، پھر ایک امام عاصم النبیل موصوف الصدر راوی حدیث الباب ہی پر کیا منحصر ہے محدث اعظم مکی بن ابراہیم بھی امام بخاریؒ کے بلا واسطہ استاذ تھے، جن سے امام بخاری کو صحیح میں ۱۱ ثلاثیات روایت کرنے کا بڑا فخر حاصل ہو سکا ہے۔

یہ مکی بن ابراہیم نہ صرف امام اعظمؒ کے تلمیذ بلکہ بڑے مداحین میں سے تھے، امام صاحبؒ کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم کہا کرتے تھے جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، مسعر اور عبداللہ بن مبارک وغیرہ صدہا محدثین کبار تھے۔

اسی طرح عبداللہ بن ادریس، شعیب دمشقی، علی بن مسہر، وکیع، قاسم بن معن، یزید بن زریع، زہیر بن معاویہ وغیرہ اور سب سے زیادہ نمایاں شیخ المحدثین عبداللہ بن مبارکؒ جن کو امام بخاریؒ نے بھی اعلم اہل زمانہ کہا، یہ سب بھی بلا واسطہ امام بخاری کے استاذ حدیث اور امام اعظم کے تلمیذ حدیث تھے، یقیناً یہ سب بھی ''الایمان قول وعمل'' کے قائل نہ ہوں گے، پھر اس تاویل بعید سے کیا فائدہ ہوگا کہ امام بخاریؒ نے بلا واسطہ ایسے عقیدہ کے لوگوں سے حدیث کی روایت نہیں کی، اور بالواسطہ والوں سے لی ہے۔ اور اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے، سلسلہ روایت کی کسی کڑی کا راوی بھی غلط عقیدہ کا ہوگا تو وہ ساری ہی روایت گر جائے گی۔

درحقیقت اس بارے میں بھی ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کا ہی فیصلہ زیادہ صحیح ہے کہ امام بخاری نے نہ معلوم کس مصلحت اور جذبہ کے تحت سارا تشدد اور زور صرف کتاب الایمان میں لگایا اور وہاں وہ کسی طرح بھی نرم نہیں ہوئے کہ اعتدال کی صورت بن جاتی، لیکن ۲۷ ویں پارہ میں جا کر ص ۱۰۰۲ ''باب ما یکرہ من لعن شاب الخمر'' قائم کر دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست ہو تو کبائر معاصی مشرب خمر وغیرہ کی وجہ سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا کتاب الایمان میں اس کو نہیں لائے تھے،

امام بخاریؒ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ پر سو جان سے قربان ہیں اور ایسے ہی عبدالرحمن بن مہدی اور اسحق بن راہویہ وغیرہ مگر امام صاحب کی سو مدح میں سے ایک بھی ان میں سے کسی کے دل میں جگہ نہ پا سکی، اس کے برخلاف عبدالرحمن بن مہدی، حمیدی، نعیم خزاعی جیسے معاندین امام اعظم کی ایک ایک بات کا اثر قبول کر لیا تھا۔ اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ صحیح بخاری میں تو کچھ رعایت بھی کی ہے اپنی دوسری تالیفات (رسالہ رفع یدین ورسالہ قراءۃ خلف الامام وغیرہ) میں تو غیر موزوں کلمات استعمال کئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

باب اقامة الصف من تمام الصلوٰة

(صف کا درست کرنا نماز کا پورا کرنا ہے)

٦٨٣: حدثنا عبدالله بن محمد قال نا عبدالرزاق قال انا معمر عن همام عن ابی هريرة عن النبی صلے الله عليه وسلم قال انما جعل الامام ليوتم به فلاتختلفوا عليه فاذا ركع فاركعوا واذاقال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لک الحمد واذاسجدفاسجدوا واذاصلی جالساً فصلوا جلوساً اجمعون واقيموا الصف فی الصلوٰة فان اقامة الصف من حسن الصلوة

٦٨٤: حدثنا ابوالوليد قال ناشعبة عن قتادة عن انس عن النبی صلے الله عليه وسلم قال سعووا صفوفکم فان تسوية الصفوف من اقامة الصلوٰة

ترجمہ ۶۸۳: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا اس سے اختلاف نہ کرو، جب وہ رکوع کرے، تو تم لوگ بھی رکوع کرو، اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم لوگ ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم لوگ بھی سجدہ کرو، اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم لوگ بیٹھ کر پڑھو، اور نماز میں صف کو درست کرو اس لئے کہ صف کا درست کرنا نماز کی خوبی کا ایک جز ہے۔

ترجمہ۶۸۴: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ اپنی صفوں کو برابر کرو۔ کیونکہ صفوں کو برابر کرنا نماز کے درست کرنے کا جز ہے۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ۔ امام بخاریؒ نے حدیث نبوی کے الفاظ ہی سے ترجمۃ الباب بنایا ہے اور امام راغبؒ نے تمام و کمال میں فرق کیا ہے کہ تمام کا اطلاق اجزاء میں ہوتا ہے اور کمال کا اوصاف میں۔ اس فرق سے ابن حزم کا استدلال صحیح ہوسکتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اوصاف بھی بعض اوقات اپنی اہمیت کی وجہ سے اجزاء کا حکم لے لیتے ہیں اور یہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ صف ٹیڑھی کرنے والے کی نماز باطل نہیں قرار دی گئی۔ اسی لئے اس کو اعادہ کا حکم نہیں دیا، پھر یہ کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ نماز کے علاوہ کوئی چیز ہے اسی لئے **صلوا** اور **اقیموا الصلوٰۃ** میں فرق کیا گیا ہے لہٰذا ابن حزم کا تسویہ صف اور اقامۃ صلوٰۃ کو فرض قرار دینا صحیح نہ ہوا (انہوں نے کہا کہ نماز فرض ہے لہٰذا جو فرض کا جزو ہے وہ بھی فرض ہوا) اس کی پوری وضاحت بیضاوی وغیرہ نے کردی ہے۔

ابن حزم وشوکانی کا ذکر

حافظ نے لکھا کہ ابن حزم نے افراط کی کہ صف ٹیڑھی کرنے والے کی نماز کو باطل ٹھیرایا ہے۔ جبکہ بخاری کی حدیث الباب میں **من حسن الصلوٰۃ** کا لفظ ہے اور حسن شئی تمام سے زائد پر دال ہوتا ہے، بلکہ ابن دقیق العید نے کہا کہ عرف میں تمام شئی بھی حقیقت پر زائد ہوتا ہے۔ (فتح ص۱۴۳/۲) علامہ قسطلانی نے کہا کہ (سب سے الگ ہوکر) ابن حزم نے وعید مذکور کی وجہ سے بھی بطلان کا حکم کیا، حالانکہ یہاں وعید تغلیظ وتشدید کے لئے ہے۔ (لامع ص۶۷۹/۱)

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ابن حزم اور شوکانی جیسے لوگوں سے بہت ضرر پہنچا ہے امت کو اور ان سے اغلاط فاحشہ ہوئی ہیں۔

باب اثم من لم یتم الصفوف

(اس شخص کا گناہ جو صفیں پوری نہ کرے)

۶۸۵: حدثنا معاذ بن اسد قال انا الفضل بن موسیٰ قال انا سعید بن عبید ن الطآئی عن بشیر بن یسار الانصاری عن انس بن مالک انہ قدم المدینۃ فقیل لہ ماانکرت منا منذیوم عھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انکرت شیئا الاانکم لاتقیمون الصفوف وقال عقبۃ بن عبید عن بشیر بن یسار قدم علینا انس ن المدینۃ بھذا

ترجمہ۶۸۵: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ میں آئے تو ان سے کہا گیا کہ آپ نے ہم میں کون سی بات اس کے خلاف پائی، جو آپ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیکھی تھی؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے بجز اس کے کوئی چیز خلاف نہیں پائی کہ تم صفیں درست نہیں کرتے ہو، اور عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے اس کو یوں روایت کی، کہ ہم لوگوں کے پاس جب حضرت انسؓ مدینہ آئے الخ

تشریح: حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے حاشیہ لامع ص۶۷۹/۱ میں لکھا: ۔ ''تسویہ صف ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک وشافعی کے نزدیک نماز کی سنتوں میں سے ہے، اور شرط صحت صلوٰۃ نہیں ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ امر تو وجوب کے لئے ہے، خصوصا جبکہ ترک پر وعید بھی وارد ہو، تو جواب یہ ہے کہ وعید بطور تغلیظ وتشدید کے ہے، **تاکیداً او تحریضاً علی فعلھا قالہ الکرمانی،** اور علامہ عینی نے اس پر تعقب کیا ہے اور کہا کہ **امر مقرون بالوعید** وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا چاہیئے کہ تسویہ واجب تو ہے مگر واجبات صلوۃ سے نہیں ہے کہ اس کے ترک سے فساد صلوٰۃ کا حکم ہو، البتہ اس کے ترک سے گناہ لازم آئے گا، اس لئے حافظ نے بھی کہا کہ وجوب مانتے ہوئے بھی

نماز اس کے ترک پر بھی صحیح ہو جائے گی اور ابن حزم کا دعوائے بطلان صلوٰۃ اور عدم وجوب پر اجماع کو چیلنج کرنا ان کا حد سے بڑھنا ہے۔ اور حضرت عمرؓ کے اور بلال کے تشدد و تعزیر سے بھی ان کا استدلال درست نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ ترک سنت پر تعزیر کو جائز سمجھتے ہوں"

علامہ عینیؒ نے حافظ ابن حجر کے اس جواب پر نقد کیا کہ ان کے کلام میں تناقض ہے، کیونکہ انھوں نے گناہ کو صرف ترک واجب پر مانا تھا، لہٰذا ترک سنت پر گناہ نہ ہوگا اور وہ تعزیر کا مستحق بھی نہ ہوگا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ حضرت عمر و بلالؓ کی تعزیر کو ترک امر پر ہی محمول کریں جس کا ظاہر وجوب ہے اور اس طرح ترک پر وعید کا استحقاق بھی درست ہو جائے گا (عمدہ ص۷۹۳/۲)

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ علامہ عینیؒ اتمام صف اور تسویہ صف کو نہ صرف سنت مؤکدہ بلکہ قریب واجب کے قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن حجر صرف سنت کے درجہ میں رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک متحد ہے۔ واللہ اعلم

افسوس ہے کہ اس موقع پر بعض امالی بخاری کی عبارت متن و حاشیہ میں مطلب خبط ہو گیا ہے اس لئے ہم اس کو منقح کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے نماز کے بارے میں مختلف اوقات میں تین مرتبہ تنبیہ نقل ہوئی ہے، جن کا ذکر بخاری میں ہے، (۱) ص۷۸ باب وقت العصر میں اس طرح ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے بیان کیا ہم نے ظہر کی نماز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ساتھ پڑھی، پھر حضرت انسؓ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ آپ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، میں نے عرض کیا آپ نے یہ کون سی نماز پڑھی، فرمایا عصر کی اور ایسے ہی وقت پر ہم نے حضور علیہ کے ساتھ بھی نماز پڑھا کرتے تھے؟ گویا تاخیر ظہر پر نکیر کی کہ ایسے وقت پر نہ پڑھی جائے کہ عصر کا وقت آ جائے (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس وقت امیر مدینہ تھے)

(۲) ص۱۰۰ باب **اثم من لم یتم الصفوف** میں ہے کہ حضرت انسؓ بصرہ سے مدینہ طیبہ آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے حضور علیہ السلام کے زمانہ کے لحاظ سے اس زمانہ میں کون سی بات اوپری دیکھی ہے؟ فرمایا اور تو کوئی خاص بات نہیں البتہ یہ کہ تم لوگ صفوں کو سیدھا نہیں کرتے۔

(۳) ص۷۶ **باب فی تضییع الصلوٰۃ عن وقتہا** میں ہے کہ زہری بیان کرتے ہیں میں حضرت انسؓ کی خدمت میں دمشق حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں، میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا جو باتیں میں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں دیکھی تھیں، اب ان میں سے بظاہر نماز رہ گئی ہے لیکن وہ بھی ضائع کر دی گئی (یعنی ناوقت پڑھی جانے کے سبب سے)

اسی باب کی پہلی حدیث میں اس طرح ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ مجھے تو اب کوئی بات حضور علیہ السلام کے عہد مبارک کی باقی نہیں معلوم ہوتی، عرض کیا گیا کہ نماز تو ہے اس پر فرمایا کہ نماز میں بھی تم نے کیا کچھ گڑبڑ نہیں کر دی ہے؟!

علامہ عینیؒ نے لکھا کہ ضائع کرنے کا مطلب مہلب نے تو وقت مستحب سے مؤخر کرنا بتلایا ہے اور کچھ دوسرے حضرات نے بھی ان کے اتباع میں یہی مطلب لیا ہے، لیکن میرے نزدیک زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وقت شرعی سے نکال کر مؤخر کرنا مراد ہے۔ کیونکہ حضرت انسؓ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب ان کو معلوم ہوا تھا کہ حجاج اور ولید بن عبدالملک وغیرہ نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے تھے، پھر علامہ عینیؒ نے اس بارے میں تاریخی واقعات استدلال میں ذکر کئے ہیں اور لکھا کہ حضرت ابن مسعودؓ سے آیت **فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوٰة** کی تفسیر میں وارد ہے کہ ان لوگوں نے نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات سے مؤخر کر دیا تھا اور نمازیں غیر وقت میں پڑھتے تھے۔

علامہ عینیؒ نے یہ بھی لکھا کہ حضرت انسؓ نے دمشق کا سفر اس لئے کیا تھا کہ وہ والی عراق حجاج کی شکایت خلیفہ وقت ولید بن عبدالملک سے کریں۔ (عمدہ ص۵۲۱/۲ و ۵۲۲/۲)

ترتیب زمانہ کے لحاظ سے اور نمازوں میں جو بگاڑ رفتہ رفتہ آتا رہا اور بڑھتا گیا، اس کی رعایت سے بھی ہم نے اوپر نمبر قائم کر دیئے ہیں اگرچہ بخاری میں ابواب و تراجم کے تحت تینوں امور مقدم و مؤخر ہو کر درج ہوئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(نوٹ) واضح ہو کہ یہ پوری تفصیل فتح الباری اور عمدۃ القاری کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ اور ان کے مطالعہ پر ہی واضح ہوا کہ امالی

میں غلطی ہوگئی ہے، اگر تالیف کے وقت ان کا مطالعہ کرلیا جاتا تو نہ غلطی ہوتی، اور نہ استدراک کی ضرورت پیش آتی۔ کما لایخفی.

انوارالباری کا مقصد یہی ہے کہ اکابر امت اور حضرت شاہ صاحب کے افادات عالیہ منقح ہوکر سامنے آجائیں اور حضرتؒ کے امالی میں جو بکثرت اغلاط، قلت حفظ وضبط یا عدم مراجعت اصول کے سبب سے حضرتؒ یا دوسرے اکابر کی طرف منسوب ہوگئی ہیں ان کی تصحیح ہو جائے۔ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم**

باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف وقال النعمان بن بشیر رایت الرجل منایلزق کعبہ' بکعب صاحبہ

(صف کے اندر شانہ کا شانہ سے' اور قدم کا قدم سے ملانے کا بیان' اور نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہر شخص ہم میں سے اپنا ٹخنہ اپنے پاس والے آدمی کے ٹخنے سے ملا دیتا ہے)

٦٨٦: حدثنا عمرو بن خالد قال نازھیر عن حمید عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیمواصفوفکم فانی اراکم من ورآء ظھری وکان احدنا یلزق منکبہ' بمنکب صاحبہ وقدمہ' بقدمہ

ترجمہ: حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ اپنی صفوں کو درست کرلیا کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے (بھی) دیکھتا ہوں، اور ہم میں سے ہر شخص اپنا شانہ اپنے پاس والے کے شانے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا تھا۔

تشریح: یہ الزاق المنکب کا عنوان جو بخاری میں ہے، ترمذی وغیرہ میں نہیں ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہائے اربعہ اور جمہور کے یہاں الزاق سے مراد یہ ہے کہ درمیان میں فرجہ نہ ہو، اور اس کو صرف غیر مقلدوں نے حقیقت پر محمول کیا ہے، اور وہ نماز جماعت میں اس کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، اور اس طرح تکلف کرکے اپنے دونوں پیروں کے درمیان اتنا فاصلہ کرکے کھڑے ہوتے ہیں کہ دوسرے قریبی نمازی کے قدموں سے مل جائیں، اس طرح وہ تکلف وتصنع کرکے اوضاع طبعیہ اور ہیئت وصورت مناسبہ محمودہ کو بگاڑ دیتے ہیں۔ جو نماز کے ظاہری حسن وحالت خشوع کے بھی خلاف ہوتا ہے، اس کو وہ لوگ تمسک بالسنہ کا نام دیتے ہیں، جبکہ اصحاب مذاہب اربعہ اور متقدمین کے یہاں اس طرح کا معمول نہیں تھا اور تعامل سلف وتوارث بہت بڑی حجت ہے۔ اور وہ الزاق کا مطلب صرف ٹخنوں اور مونڈھوں کی برابری اور قرب کو سمجھتے تھے تاکہ صف سیدھی ہو اور دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ نہ رہے۔

رہا یہ کہ خود نمازی اپنے دو قدموں کے درمیان کتنا فاصلہ کرے، یہ نمازی کے حالت پر ہے کہ وہ سہولت کے ساتھ بلا تصنع وتکلف کے اس طرح کھڑا ہو جس سے خشوع وتذلل ظاہر ہو، نسائی باب الصف بین قدمیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں دونوں قدم ملا کر کھڑا ہے، فرمایا اس نے سنت کو چھوڑ دیا، اگر یہ مراوحہ کرتا تو مجھے اچھا لگتا کہ دونوں پیروں میں کچھ فاصلہ کرکے آرام و اطمینان کے ساتھ کھڑا ہوتا، لہذا سنت یہ معلوم ہوئی کہ نہ دونوں پاؤں کو ملا کر کھڑا ہو اور نہ بہت چوڑا کرکے کھڑا ہو۔

حافظ نے فتح الباری ص۱۴۴/۲ میں لکھا کہ حدیث الباب میں الزاق سے مقصود تعدیل صف وسد الخلل کے لئے مبالغہ ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں ہے کہ صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو ایک سیدھ میں رکھو۔ درمیان میں جگہ نہ چھوڑو کہ شیطان دراندازی کریں' عمدہ ص۹۴۷/۱ (طبع استنبول) میں بھی یہی مضمون ہے۔ غرض دوسری سب احادیث میں چونکہ حکم نبوی صرف تعدیل صف اور سد الخلل ہی کا ہے اس لئے شارحین حدیث نے الزاق کو راوی مبالغہ پر محمول کیا ہے، چونکہ خود حضور علیہ السلام نے الزاق کا حکم نہیں فرمایا، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے معتدل طریقہ نماز میں کھڑے ہونے کا متعین فرمادیا جو منفرد و مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے۔

فائدہ فقہیہ: ہماری کتب فقہ حنفیہ کبیری وشامی وغیرہ میں دوقدموں کے درمیان فصلہ چار انگشت کا لکھا ہے کہ اس طرح کھڑے ہونے میں کوئی تکلف وتصنع نہ ہونے کی وجہ سے خشوع ودل جمعی حاصل ہوگی، اور بحر وشامی میں یہ بھی ہے کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو اس کو پر کرے خواہ پچھلی صف کے نمازی کے آگے سے گذرنا پڑے یا تخطی رقاب کرنی پڑے کہ اس صورت میں دونوں کا جواز ہے۔ کیونکہ خود ان لوگوں نے ہی اگلی صف پوری نہ کر کے اس مرور وتخطی کا موقع دے کر اپنی نمازوں کا احترام ساقط کر دیا ہے۔ (معارف السنن للبنوری ص ۲/۳۰۰)

افادۂ انور: اس موقع پر حضرتؒ نے فرمایا کہ محدثین ہر جگہ اسناد سے بحث کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کس نے کس سے اور تعامل کو بالکل نہیں دیکھتے، یہی بخاری کو پیش آیا کہ اہل کوفہ کا ترک رفع یدین تواتر کو پہنچا مگر اسنادیں وافر نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ٹھیرا دیا۔ اس لئے جہاں اسناد میں نفع ہے، نقصان بھی ہے، جہاں تعامل وغیرہ موجود ہو اور اس سے فیصلہ ہو سکے تو وہاں اسناد بے ضرورت ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ کعب کو کعب سے ملانا اور وضع یدین علے الصدر ہر دو چیزیں بے اصل ہیں، کیونکہ تعامل سے رد ہیں، ۴۰ سال پہلے یہ حکم لگا چکا تھا کہ نماز میں وضع یدین علے الصدر بدعت ہے۔ اب کتاب المسائل لابی داؤد میں بھی دیکھ کہ ابوداؤد نے امام احمد سے دریافت کیا کہ وضع الیدین علے الصدر کیا ہے؟ تو فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اس کتاب میں امام ابوداؤد نے جو امام احمدؒ سے مسائل فقہیہ میں سوالات کئے ہیں وہ اور ان کے جوابات درج ہیں، اتنا لکھنے کے بعد خیال ہوا کہ اس موقع پر سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ کی بحث بھی دیکھ لی جائے، کیونکہ ہمارے زمانے کے غیر مقلدین کو جہاں پاؤں چوڑا کر۔۔۔۔ نماز میں کھڑے ہونے کے مسنون ہونے پر غیر معمولی کدواصرار ہے اور اس کو انھوں نے اپنا امتیازی وصف بنالیا ہے، وہیں وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کو سب سے زیادہ صحیح واحق خیال کرتے ہیں، چنانچہ تحفۃ الاحوذی اور مرعاۃ میں یہ مضمون پڑھا، اور ان کے بلند بانگ دعوے بھی پڑھے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کے دلائل ہی سب سے زیادہ قوی ہیں، کئی ورق میں لمبی بحث کی ہے (ملاحظہ ہو تحفہ ص ۱/۲۱۳ تا ص ۱/۲۱۷) حالانکہ امام ترمذی نے صرف اتنا لکھا تھا کہ اہل علم صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے حضرات ومراعاۃ ص ۱/۵۵۶ تا ص ۱/۵۵۸) میں سے بعض ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے تھے اور بعض نیچے، ان دو مسلکوں کے علاوہ اور کوئی مذہب ہی نہ تھا لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ صدیاں گذرنے کے بعد ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگا جو تیسری شکل نکالے گا اور اپنے زعم میں اسی کو حق واحق ثابت کر کے رہے گا، پھر امام ترمذی نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ کوئی اہم، خلاف واختلاف نہیں ہے، ہر صورت کی گنجائش سب کے نزدیک ہے۔

زیادہ بحث وتحقیق تو اپنے مقام پر آئے گی، ایک ضروری بات یہاں بھی عرض کرنی ہے، جو فائدہ سے خالی نہیں کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث صحیح ابن خزیمہ میں ہے، جس کے دو راوی ضعیف ہیں، اس لئے صاحب تحفہ ومرعاۃ دونوں نے اس کو صحیح وقوی ثابت کرنے کی پوری سعی کی ہے۔ صحیح ابن خزیمہ خدا کا شکر ہے اب مکہ معظمہ سے شائع ہو رہی ہے حیرت ہے کہ سعودی دور حکمت میں مکہ معظمہ سے شائع ہونے والی کتاب میں اس ضعیف حدیث کی نہ صرف صحت بلکہ حاشیہ میں قوت بھی بتلائی گئی ہے جبکہ امام احمدؒ اس کو بے اصل فرما چکے ہیں اور محدث ابن المنذر نے بھی کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ (انوار المحمود ص ۱/۲۶۸) اور علامہؒ محدث ابو الطیب مدنی نے شرح ترمذی میں فرمایا کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کو اختیار نہیں کیا ہے (معارف ص ۲/۴۳۶) اسکا مطلب یہ ہوا کہ دور متقدمین کے لحاظ سے اب ساری قدریں ہی بدل گئیں اور تحقیق کے زاویے بھی نت نئے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں، ہر نیا مسلک اپنی برتری واحقیت ثابت کرنے کے لئے کسی بھی صحیح وقوی حدیث کو ضعیف وبے اصل اور بے اصل کو قوی باور کرا سکتا ہے۔

واضح ہو کہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، اسحٰق بن راہویہ اور ابواسحٰق مروزی شافعی تحت السرہ ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں، امام شافعی فوق السرہ، تحت الصدر کے قائل ہیں، ابن ہبیرہ نے مشہور روایت امام احمدؒ سے بھی امام ابوحنیفہ کے موافق نقل کی ہے، اور دوسرے دلائل کے علاوہ حنفیہ کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ کے آثار بھی ہیں۔ اس میں یہ جھگڑا پڑ گیا کہ کسی قلمی نسخہ میں وہ تھے کسی میں نہیں۔ اس لئے اہل حدیث

حضرات کو موقع ملا اور انھوں نے بعض حنفی علماء کے اقوال بھی پیش کر دیئے کہ انھوں نے بھی قلمی نسخہ میں نہیں پائے۔ اس سلسلے میں ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ ابو الطیب سندی نے شیخ عبد القادر کے مکتبہ کے نسخہ میں اس کو موجود پایا اور علامہ قاسم بن قطلوبغاء نے بھی جو مسلم جلیل القدر حافظ حدیث ہیں بتلایا کہ یہ آثار مصنف کے قلمی نسخہ میں موجود ہیں، لہذا ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے (العرف ص ۱۶۳) راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قلمی نسخوں میں حذف و الحاق اور کاتبوں و ناقلوں کی اغلاط و مسامحات بہ کثرت رہی ہیں اور اب خدا کا شکر ہے مصنف ابن ابی شیبہ صحیح قلمی نسخوں سے مقابلہ کے بعد پوری صحت کے ساتھ حیدر آباد سے شائع ہو رہی ہے اور اس میں ص ۳۹۰/ ا و ص ۳۹۱/ ا میں تین جگہ تحت السرہ کی تصریح موجود ہے جن میں ایک قول حضرت علیؓ کا بھی ہے جو بحکم مرفوع ہے۔

باب اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفه الیٰ یمینه تمت صلوته

(اگر کوئی شخص امام کے بائیں طرف کھڑا ہوا اور امام اس کو اپنے پیچھے سے اپنے دائیں طرف سے آئے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی)

۶۸۷: حدثنا قتیبة بن سعیدؒ قال ثنا داؤد عن عمرو بن دینار عن کریب مولی ابن عباس عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم ذات لیلة فقمت عن یسارہ فاخذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم براسی من ورآئی فجعلنی عن یمینه فصلی ورقد فجآءہ المؤذن فقام یصلی ولم یتوضأ

ترجمہ ۶۸۷: حضرت کریب (ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام) حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز (تہجد) پڑھی، تو میں (ناواقفیت کی وجہ سے) آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، رسول خدا ﷺ نے میرا سر میرے پیچھے سے پکڑ کر مجھے (اپنی داہنی جانب کر لیا اور آپ نے نماز پڑھی اور سو رہے پھر آپ کے پاس موذن آیا تو آپ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ص ۹۷ میں بھی کچھ فرق کے ساتھ آ چکی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہاں امام و مقتدی کا اصل مقام بتلانا مقصود تھا اور تحویل کا مسئلہ ضمنا آیا تھا، یہاں یہی مقصود ہے، یا وہاں مقصود عمل قلیل و کثیر کا بیان تھا، اور یہاں یہ کہ نماز پوری ہو گئی، اگرچہ کچھ حصہ نماز کا خلاف ترتیب موضع مقتدی بھی ہوا، امام بخاریؒ تھوڑی تھوڑی باریکیوں کا خیال فرما کر تراجم و عنوانات بدل کر احادیث بکثرت لاتے ہیں۔

باب المراة وحدها تکون صفاً

تنہا عورت (بھی) ایک صف (کی طرح) ہے

۶۸۸: حدثنا عبداللہ بن محمد قال ثنا سفین عن اسحاق عن انس بن مالک قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلے اللہ علیہ وسلم و امی خلفنا ام سلیم

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے، اور ایک یتیم بچے نے اپنے گھر میں رسول خدا ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، تو میری ماں ام سلیمؓ ہم سب کے پیچھے تھیں۔

تشریح: فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر نابالغ لڑکا ایک ہو تو وہ بالغوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہو، زیادہ ہوں تو بالغوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہوں ان کی صف میں کھڑے ہوں گے تو کراہت ہوگی، لیکن عورت کی جگہ خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ مردوں کی صف کے پیچھے ہی ہے اور اسی لئے ہمارے امام اعظمؒ نے کہا کہ عورت کا مرد کے برابر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مفسد صلوٰۃ ہے، کیونکہ اس کے لئے مردوں کے برابر کھڑے ہونے کی کوئی مشروع صورت نہیں ہے، حضرتؒ نے فرمایا کہ ایسی چیزوں کا فیصلہ شریعت مطہرہ کا مزاج پہچاننے والے ہی کر سکتے ہیں، و مـــن لـــم یذق لم یدر خود امام بخاریؒ نے بھی آخر کتاب الاذان (ص ۱۲۰) میں باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال قائم کیا ہے اور یہاں سے

بھی معلوم ہوا کہ عورت کا مقام نماز جماعت میں کیا ہے، اسی سے ترتیب سمجھ کر حنفیہ نے اوپر کے مسائل نکالے ہیں۔

یہ تحقیق غالباً حضرت تھانویؒ کے افادات میں کہیں دیکھی ہے۔ لہٰذا مزید تحقیق و توثیق کر دی جائے تو بہتر ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ نزول رحمت بھی اسی ثواب والی ترتیب کے موافق ہو۔ یہ نہ ہو کہ وہ پہلے سارے داہنی طرف والوں کے لئے ہو اور پھر سب بائیں جانب والوں کے لئے۔ کیونکہ قرب امام والی فضیلت بظاہر اس میں بھی مرعی ہوگی۔

غرض رحمت و ثواب ہر دو انعامات کی تقسیم مطابق وحی نبوی ہونی چاہیے۔ و اللہ تعالی اعلم و علمہ اتم

باب ميمنة المسجد والامام

(مسجد اور امام کی داہنی جانب کی رعایت)

۶۸۹: حدثنا موسى قال نا ثابت بن يزيد نا عاصم عن الشعبى عن ابن عباسؓ قال قمت ليلة اصلى عن يسار النبى صلى الله عليه وسلم فاخذ بيدى او بعضدى حتىٰ اقامنى عن يمينه وقال بيده من ورآئ

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب نماز (تہجد) پڑھنے کے لئے میں نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، تو آپ نے میرا ہاتھ یا میرا شانہ پکڑ کر مجھے اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا۔ اور اپنے ہاتھ سے میرے پیچھے سے اشارہ کیا:۔

تشریح: امام بخاریؒ نے مسجد کی داہنی جانب بھی امام کے اعتبار سے متعین کی ہے، یعنی دونوں کا میمنہ ایک قرار دیا، حضرتؒ نے فرمایا:۔ اس مسئلہ کی طرف فقہاء نے تعرض نہیں کیا کیونکہ اس کی ضرورت نہ تھی البتہ حدیث والوں کو اس کی ضرورت ہے، کیونکہ حدیث میں وارد ہوا رحمت خداوندی نماز کے وقت اولاً امام پر اترتی ہے، پھر ان لوگوں پر جو اس کے دائیں جانب نماز میں ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد بائیں جانب کے نمازیوں پر اترتی ہے۔

یہ تو نزول رحمت کی کیفیت ہوئی، اور ثواب کی زیادتی کو کمی کا انحصار امام کے قریب کے ساتھ دائیں بائیں کی رعایت سے ہوتا ہے، مثلاً سب سے زیادہ ثواب اقرب الی الامام ہونے کی وجہ سے امام کے پیچھے والے مقتدی کے لئے ہوگا۔ پھر اس کے لئے جو اس پیچھے والے کی دائیں جانب ہوگا، کیونکہ دوسرے نمبر پر وہ قریب بھی ہے اور دائیں جانب بھی، تیسرے نمبر پر ثواب اس کے لئے ہوگا جو پیچھے والے کی بائیں جانب ہو گا کیونکہ وہ بہ نسبت ص ۲ کے یمین والے کے اقرب الی الامام ہے۔ پھر چوتھے نمبر پر زیادہ ثواب داہنی جانب والے دوسرے مقتدی کے لئے اور پانچویں نمبر پر بائیں طرف کے دوسرے کے لئے۔ اور پھر اسی طرح دائیں بائیں والے مقتدیوں کو کم و بیش ہو کر ملے گا= واللہ تعالیٰ اعلم

باب اذا كان بين الامام و بين القوم حائط اوسترة وقال الحسن لاباس ان تصلے و بينک و بينه' نهر وقال ابو مجلز تاتم بالامام وان كان بينهما طريق اوجدار اذا سمع تكبير الامام

اگر امام اور لوگوں کے درمیان کوئی دیوار یا سترہ ہو، اور حسن بصری کا قول ہے کہ اگر تمہارے اور امام کے درمیان نہر حائل ہو تو بھی اقتدا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابو مجلز کہتے ہیں کہ امام کی اقتدا کر لے اگرچہ دونوں کے درمیان میں کوئی راستہ یا دیوار ہو، بشرطیکہ امام کی تکبیر سن لے۔

۶۹۰: حدثنا محمد بن سلام قال نا عدة عن يحيىٰ بن سعيدن رالانصارى عن عمرة عن عآئشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل فى حجرته وجدار الحجرة قصير فراى الناس شخص النبى صلى الله عليه وسلم فقام اناس يصلون بصلوته فاصبحوا فتحدثوا بذلک فقام الليلة الثانية

فقام معہ اناس یصلون بصلوتہ صعوا ذلک لیلتین او ثلثا حتی اذا کان بعد ذلک جلس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یخرج فلما اصبح ذکر ذلک الناس فقال انی خشیت ان تکتب علیکم صلوۃ اللیل

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز شب اپنے حجرے میں پڑھا کرتے تھے اور حجرے کی دیوار چھوٹی تھی تو لوگوں نے نبی کریم ﷺ کا جسم دیکھ لیا، اور کچھ لوگ آپ کی نماز کی اقتدا کرنے کھڑے ہو گئے، جب صبح ہوئی، تو انھوں نے اس کا چرچا کیا، پھر دوسری رات کو آپ کھڑے ہو گئے دو رات، یا تین رات لوگوں نے یہی کیا، یہاں تک کہ جب اس کے بعد رات ہوئی تو رسول خدا ﷺ بیٹھ رہے، اور نہیں نکلے، صبح کو لوگوں نے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا مجھے یہ خوف ہو گیا کہ (اس التزام کی وجہ سے کہیں) نماز شب تم پر فرض کر دی جائے۔

تشریح: امام بخاری حدیث الباب سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر امام و مقتدیوں کے درمیان دیوار یا راستہ حائل ہو تب بھی اقتدا درست رہے گی (یہی مالکیہ کا مذہب بھی ہے) اور اس کی تائید آثار و حدیث الباب سے پیش کی حنفیہ کا مسلک اس میں یہ ہے کہ مسجد ساری ایک مکان کے حکم میں ہے، اگر مسجد کے اندر ایسی صورت پیش آ جائے کہ امام اور مقتدیوں کے درمیان دیواریں حائل ہوں تو ایک قول تو یہ ہے کہ منفذ شرط ہے کہ اس میں امام کے انتقالات کو دیکھ کر اقتدا کریں۔ دوسرا یہ ہے کہ منفذ شرط نہیں بلکہ صرف انتقالات امام کا علم ہو سکے اتنا کافی ہے مثلاً اس کی یا مکبر کی آواز سن لیں، اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔ اور صحراء میں جماعت ہو تو امام یا اس سے ملحقہ صف سے جدا شدہ صفوف کا بعد تین صف کی مقدار سے کم ہو، اگر اتنا ہو یا زیادہ تو اقتداء درست نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر جدا صفوں کے درمیان عام راستہ یا نہر حائل ہو جس پر کشتیاں چلتی ہوں تو اس کو الگ مکان سمجھا جائے گا، اور اقتدا صحیح نہ ہو گی۔ امام اوزاعی لیث اور اشہب کا بھی یہی قول ہے، اور اس کے لئے ان کا مستدل حضرت عمرؓ کا اثر ہے کہ جب امام و مقتدی کے درمیان راستہ ہو یا نہر یا دیوار تو اقتدا نہ ہو گی (عمدہ ص ۲/۷۹۸)

قولہ وجدار الحجرۃ قصیر، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بعض شارحین نے اس کو مسجد نبوی کا واقعہ قرار دیا ہے اور کہا کہ جدار سے مراد معتکف کی دیوار ہے جو بوریوں کی دیوار تھی، ان کے پاس بھی روایتیں ہیں، (اگلے باب میں ۲-۳ حدیث بعد بخاری میں بھی ہے) میرے نزدیک یہ بہت بڑا مجاز ہے کہ جدار سے مراد بوریوں کی دیوار ہو، اور میری رائے یہ ہے کہ دو واقعے الگ الگ ہوئے ہیں۔

باب صلوٰۃ اللیل
(نماز شب کا بیان)

۶۹۱: حدثنا ابراھیم بن المنذر قال نا ابن ابی فدیک قال نا ابن ابی ذئب عن المقبری عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن عن عائشۃ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان لہ حصیر یبسطہ بالنھار و یحتجرہ باللیل فثاب الیہ ناس فصفوا وراءہ

۶۹۲: حدثنا عبدالاعلے بن حماد قال نا وھیب قال نا موسی بن عقبۃ عن سالم ابی النضر عن بسر بن سعید عن زید بن ثابت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتخذ حجرۃ قال حسبت انہ قال من حصیر فی رمضان فصلی فیھا لیالی فصلیٰ بصلوتہ ناس من اصحابہ فلما علم بھم جعل یقعد فخرج الیھم فقال قد عرفت الذی رایت من صنیعکم فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوۃ صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ وقال عفان نا وھیب قال نا موسی قال سمعت ابا النضر عن بسر عن زید عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم

ترجمہ ۶۹۱: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک چٹائی تھی، جس کو آپ دن میں بچھا لیتے تھے اور رات کو اسی کا پردہ ڈال لیتے تھے، تو کچھ لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اور انھوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی۔

ترجمہ۶۹۲: حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں رسول خدا ﷺ نے رمضان میں ایک حجرہ بنایا تھا (سعید کہتے ہیں مجھے خیال آتا ہے کہ زید بن ثابت نے یہ کہا تھا کہ وہ چٹائی کا تھا) اور اس میں چند شب آپ نے نماز پڑھی اس کا علم آپ کے اصحاب کو ہوگیا اس لئے انھوں نے، آپ کی نماز کی اقتدا کی، مگر جب آپ کو ان کا علم ہوا، تو آپ بیٹھ رہے، پھر (صبح کو) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارا فعل دیکھا، اسے سمجھ لیا (یعنی تم کو عبادت کا شوق ہے) تو اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نمازوں میں افضل نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو۔

تشریح: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں پر امام بخاری کا اس باب کو درمیان میں لے آنا عجیب سا ہے کیونکہ ابھی تو صفت صلوٰۃ کے ابواب آئے بھی نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ بخاری کا انجاز ہے، گذشتہ باب میں چونکہ صلوٰۃ اللیل کا ذکر آگیا تھا، اس لئے یہاں کا مستقل ترجمہ ہی قبل از وقت رکھ دیا کہ ان کی عادت ہے اس طرح ضمنی تراجم وابواب لانے کی۔ اور ممکن ہے گذشتہ باب کی حدیث کے قصہ کی تعیین مقصود ہو کہ یہاں حضور علیہ السلام کے لئے حصیر ہونے کا ذکر ہے، اور شاید بعض شارحین نے اسی سے سمجھا ہو کہ اس واقعہ میں آپ کا حجرہ حصیر (بوریے) کا تھا۔

قولہ فان افضل صلوۃ المرء فی بیتہ. فرمایا: ۔ شریعت نوافل کو مساجد میں اور فرائض کو گھروں میں پسند نہیں کرتی۔ امام طحاوی کا مختار یہ ہے کہ ایک شخص اگر حافظ ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تراویح گھر پر پڑھے، ورنہ مسجد میں، حضور علیہ السلام عام طور سے سنتیں بھی گھر پر پڑھتے تھے اور صبح کی سنتیں تو مسجد میں ثابت ہی نہیں، حافظ زین عراقی (شیخ ابن حجر) اور حافظ عینی نے ایک روایت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر اور مسجد کے ثواب میں وہی نسبت ہے جو جماعت اور تنہا نماز کے ثواب میں ہے، اس حدیث کی اسناد جید ہے۔ علامہ عینی نے کچھ اور احادیث بھی یہاں ذکر کی ہیں، جو بہ نظر افادہ لکھی جاتی ہیں: ۔

فضل صلوٰۃ الرجل فی بیتہ علی صلوٰتہ حیث یراہ الناس کفضل المکتوبۃ علی النافلۃ (معجمہ کبیر طبرانی) عمدہ ص ۲/۸۰۳

صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰتہ فی مسجدی ہذاالا المکتوبۃ و اسنادھا صحیح (ابو داؤد)

فعلی ہذا الوصلی نافلۃ فی مسجد المدینۃ کانت بالف صلوٰۃ علی القول بدخول النوافل فی عموم الحدیث و اذا صلاھا فی بیتہ کانت افضل من الف صلوۃ. وھکذا حکم مسجد مکۃ و بیت المقدس الخ (عمدہ ص ۲/۸۰۳)

آخر میں علامہ عینی نے لکھا کہ حدیث ابن عمرؓ صلوا فی بیوتکم کے سلسلہ میں جمہور کی رائے قاضی عیاض نے یہ نقل کی ہے کہ نفل نماز میں اخفاء محبوب ہے، پھر بعض کی رائے فرضوں کے لئے بھی یہی نقل کی کہ بعض فرائض بھی گھروں میں ادا کئے جائیں تا کہ جو گھر سے باہر نہیں نکلتے ان کے لئے نماز کی ترغیب ہو، جیسے عورتیں، غلام مریض وغیرہ۔

علامہ نووی کی رائے یہی ہے کہ حدیث ابن عمر میں مراد صرف نوافل ہیں۔ فرائض نہیں۔ گھر میں نوافل کا فائدہ علاوہ اخفا کے یہ بھی ہے کہ اس میں ریا سے دوری ہے اور نماز کا ثواب کم کرنے والی بہت سی چیزوں سے حفاظت ہوگی، گھر میں برکت ورحمت اور فرشتوں کا نزول ہوگا اور شیطان اس گھر سے مایوس ونفور ہوگا۔ (عمدہ ص ۲/۸۰۴)

باب ایجاب التکبیر و الافتتاح الصلٰوۃ

(تکبیر تحریمہ کے واجب ہونے اور نماز شروع کرنے کا بیان)

۶۹۳: حدثنا ابو الیمان قال انا شعیب عن الزهری قال اخبرنی انس بن مالک ن الانصاری ان رسول الله صلے الله علیه وسلم رکب فرساً فجحش شقه الایمن وقال انس فصلی لنا یومئذ صلوٰۃ من الصلوٰۃ وهو قاعد فصلینا ورآء ه' قعوداً ثم قال لما سلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا صلے قآئماً فصلوا قیاماً واذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا سجد فاسجدوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد

۶۹۴: حدثنا قتیبة بن سعید قال نا اللیث عن ابن شهاب عن انس بن مالک انه' قال خر رسول الله صلے الله علیه وسلم عن فرس فجحش فصلی لنا قاعداً فصلینا معه' قعوداً ثم انصرف فقال انما الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد واذا سجد فاسجدوا

۶۹۵: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب قال حدثنی ابو الزناد عن الاعرج عن ابی هریرة قال قال النبی صلے الله علیه وسلم انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد واذا سجد فاسجدوا واذا صلے جالساً فصلوا جلوساً اجمعون

ترجمہ ۶۹۳: حضرت انس بن مالک انصاریؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ (ایک مرتبہ) گھوڑے پر سوار ہوئے (اور گر پڑے) تو آپ کی بائیں جانب کچھ زخمی ہوگئی، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس دن آپ نے کوئی سی نماز ہمیں بیٹھ کر پڑھائی۔ تو ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، لہٰذا جب وہ کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے، تو تم **ربنا ولک الحمد** کہو۔

ترجمہ ۶۹۴: حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تو (کچھ بدن آپ کا) چھل گیا، اس وجہ سے آپ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی تو ہم نے بھی آپ کے ہمراہ بیٹھ کر نماز پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس اقتدا کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، جب وہ (سر) اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ، اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے تو تم **ربنا ولک الحمد** کہو۔ اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو۔

ترجمہ ۶۹۵: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ امام اسی لئے بنایا گیا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے، تو تم **ربنا ولک الحمد** کہو، اور جب وہ سجدہ کرے، تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے، تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔

تشریح: محقق عینیؒ نے فرمایا۔ امام بخاریؒ احکام جماعت و اوقات و تسویہ صفوف کی ۱۲۲ احادیث اور ۱۷ آثار صحابہ و تابعین کا ذکر کرنے کے بعد اب نماز کی صفت و کیفیت مع جمیع متعلقات کا بیان یہاں سے شروع کر رہے ہیں۔

یہ پہلا باب تکبیر تحریمہ کا ہے۔ جس کے ساتھ نماز شروع ہوگئی ہے۔ اس تکبیر تحریمہ کو امام ابو حنیفہؒ نے شرط صحت صلوٰۃ قرار دیا ہے، امام مالک،

شافعی واحمدؒ اس کو رکن صلوۃ مانتے ہیں، بعض حضرات اس طرف بھی گئے ہیں کہ نماز محض نیت کرنے سے اور بغیر تکبیر تحریمہ کے بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

دوسرا اختلاف اس بارے میں یہ ہے کہ کیا تکبیر تحریمہ کا اطلاق صرف ''اللہ اکبر'' پر ہوگا جو امام ابو یوسف، امام مالک، شافعی واحمدؒ فرماتے ہیں۔ یا اس کی جگہ تسبیح تہلیل وغیرہ کلمات تعظیم بھی کافی ہیں، امام ابو حنیفہ وامام محمدؒ کے نزدیک ہر کلمہ تعظیم کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی، ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں ہے کہ حضور علیہ السلام نماز کو تکبیر کے ساتھ شروع کرتے تھے، اور ایک حدیث میں اللہ اکبر کہنے کا بھی ذکر ہے، علامہ عینی نے فرمایا کہ تکبیر تو بمعنی تعظیم ہے، جیسے آیت **فلما راینہ اکبرنہ** اور **وربک فکبر** وغیرہ میں ہے، لہذا جس کلمہ سے حق تعالیٰ کی تعظیم ہوگی، اس سے نماز شروع کر سکتے ہیں، صرف اللہ اکبر کے ساتھ تخصیص کیوں کی جائے، پھر نص قرآنی بھی ہے **وذکر اسم ربہ فصلے**، اس سے بھی معلوم ہوا کہ خدا کے کسی نام سے بھی نماز شروع کر سکتے ہیں لہذا **الرحمن اعظم** بھی اللہ اکبر کی طرح جائز ہونا چاہئے۔ دوسری آیت میں ہے **وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا** اور حدیث میں ہے، **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، یا لا الہ الا الرحمان** وغیرہ سے ایمان ثابت ہو جاتا ہے جو اسلام کی اصل ہے تو ان سب سے فروع السلام نماز وغیرہ کیوں صحیح نہ ہوں گی۔ اور سنن ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ابو العالیہ سے سوال کیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کس چیز کے ساتھ نماز کو شروع کرتے تھے؟ تو فرمایا کہ توحید سے اور تسبیح وتہلیل سے، علامہ شعبی ونخعی نے فرمایا کہ خدا کے جس نام سے بھی نماز شروع کی جائے صحیح ہو جائے گی۔ (عمدہ ص۲/۳)

غرض دوسرے ائمہ کا استدلال اخبار آحاد سے ہے اور امام اعظمؒ کا استدلال نصوص قرآنی ہے، اسی طرح آیت **وربک فکبر** سے بھی مطلق تعظیم ہی نکلتی ہے، اس سلسلہ میں جو دوسرے امور ضمناً بحث طلب ہیں وہ معارف السنن ص۵۴/۱ تا ص۷۴/۱ میں قابل مطالعہ ہیں۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وجوب تکبیر کا ذکر کیا ہے، اس تکبیر کو بھی بمعنی لغوی تعظیم لے سکتے ہیں، تو حنفیہ کے خلاف نہ ہوگا۔ پھر پہلی حدیث الباب میں تو تکبیر کا بھی ذکر نہیں ہے، تاویل سے ہی مطابقت ترجمہ ہوگی، دوسری وتیسری حدیث میں تکبیر کا حکم ہے، جس سے خاص اللہ اکبر کی فرضیت نہیں نکلے گی۔ البتہ ایجاب وفرضیت سے امام صاحب کے خلاف ہوگا کہ وہ فرض نہیں، شرط کے درجہ میں مانتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:۔ یہاں بھی الفاظ حدیث **انما جعل الامام لیؤتم بہ** الخ سے اقتداء قائم خلف القاعد کا مسئلہ آئے گا۔ جو دوسری جگہ بھی آیا ہے اور اس مسئلہ میں شافعیہ اور جمہور حنفیہ کے ساتھ ہیں کہ مقتدی تندرست ہوں تو وہ معذور کے پیچھے (جو بیٹھ کر نماز پڑھائے گا) کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ اور ان کے لئے اس امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام احمد یہ کہتے ہیں کہ تندرست مقتدیوں کو بھی امام کے اتباع میں نماز بیٹھ کر پڑھنی ضروری وواجب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ قاعد امام کے پیچھے اقتدا جائز ہی نہیں نہ کھڑے ہو کر نہ بیٹھ کر۔

حضرتؒ نے درمیان کے حالات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ سب پہلے کے وقتی احکام تھے، اور مصالح پر مبنی تھے، آخر میں مرض وفات میں جو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور پیچھے مقتدی سب کھڑے تھے، یہی حضور علیہ السلام کا آخری فیصلہ ہے اور اسی کو امام بخاریؒ اور جمہور وحنفیہ سب نے ناسخ مان کر معمول بہ قرار دیا ہے پوری تفصیل فیض الباری ص۲۴۳ ۲ تا ص۲۵۱/۲ میں دیکھی جائے۔

باب رفع الیدین فی التکبیرة الاولیٰ مع الافتتاح سوآءً

(پہلی تکبیر میں نماز شروع کرنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان)

۶۹۶: حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالک عن ابن شہاب عن سالم ابن عبداللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰة واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ' من الرکوع رفعھما کذلک ایضاً وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد وکان لا یفعل ذلک فی السجود

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ شانوں کے برابر اٹھاتے، اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے، اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد (دونوں) کہتے (لیکن) سجدے میں یہ (عمل) نہ کرتے تھے۔

تشریح: امام بخاریؒ نے یہاں چار باب قائم کئے ہیں، اوران کے ماتحت پانچ حدیثیں لائے ہیں، جن میں رفع یدین کا ذکر ہے، اور تین میں ہاتھوں کو پہلی تکبیر پر مونڈھوں تک اٹھانے کا بھی ذکر ہے، پہلے باب میں یہ بھی ثابت کیا کہ تکبیر تحریمہ اور رفع یدین ایک ساتھ ہوں۔

یہاں اگرچہ امام بخاریؒ زیادہ قوت کے ساتھ رفع یدین کا مسئلہ پیش کرنا چاہتے ہیں، اور ضمناً دوسری باتیں بھی آ گئی ہیں، اس لئے ہم پہلے ان ذیلی امور پر روشنی ڈالیں گے، اور آخر رفع یدین پوری بحث لائیں گے۔ ان شاءاللہ

تکبیر تحریمہ اور رفع یدین کا ساتھ

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دونوں کی مقارنت اور ایک ساتھ ہونا ہی ہے، حنفیہ تکبیر تحریمہ کی تقدیم کے قائل ہیں اور محدث ابن تیمیہ نے "منتقیٰ" میں شیخین اور ابوداؤد وغیرہ کی طرف، یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو مونڈھوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے اور پھر تکبیر کہتے تھے، اس سے حنفیہ کی ہی تائید ہوتی ہے، اور روایات کے الفاظ مختلف آئے ہیں، یہاں جو حدیث الباب امام بخاریؒ لائے ہیں، وہ مقارنت وغیرہ سے ساکت ہے، (اوجز ص۲۰۲/۱) تاہم حافظ اور عینیؒ نے ظاہر حدیث الباب سے اس کو ثابت مان کر مطابقت تسلیم کرلی ہے۔ حافظ وعینی نے حدیث مسلم کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں "رفع یدیہ ثم کبر" وارد ہے وہ تقدیم رفع یدین کے لئے صریح ہے۔ جو حنفیہ کا مختار ہے۔

باب رفع الیدین اذا کبروا اذا رکع واذا رفع

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان جب تکبیر تحریمہ کہے اور جب رکوع کرے اور جب رکوع سے سر اٹھائے

۶۹۷: حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبداللہ بن المبارک قال اخبرنا یونس عن الزھری قال اخبرنی سالم بن عبداللہ عن عبداللہ ابن عمر قال رایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام فی الصلوٰة رفع یدیہ حتیٰ تکونا حذو منکبیہ وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ویفعل ذلک اذا رفع راسہ' من الرکوع ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ولایفعل ذلک فی السجود

۶۹۸۔ حدثنا اسحاق الواسطی قال حدثنا خالد بن عبداللہ عن خالد عن ابی قلابة انہ' رای مالک بن الحویرث اذا صلے کبر ورفع یدیہ واذا اراد ان یرکع رفع یدیہ واذا رفع راسہ من الرکوع رفع یدیہ وحدث ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صنع ھکذا

ترجمہ ۶۹۷: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں شانوں کے برابر تک اٹھاتے، اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے یہی (اس وقت بھی) کرتے، اور یہی جب آپ (رکوع سے) اپنا سر اٹھاتے (اس وقت بھی، کرتے، اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (لیکن) سجدہ میں آپ یہ (عمل) نہ کرتے تھے۔

ترجمہ ۶۹۸: حضرت ابوقلابہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے مالک بن حویرث کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کرنا چاہتے، تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور مالک بن حویرثؓ نے یہ بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے اسی طرح کیا تھا۔

تشریح: یہاں امام بخاریؒ نے مکمل کر '' رفع یدین'' کا باب باندھا ہے، جس کے اثبات اور احقیت کے لئے یہاں سے بھی زیادہ الگ مستقل رسالہ تالیف کر کے پورا زور صرف کیا ہے، اور اس کا نہایت مکمل و مدلل جواب ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی مستقل تالیف میں دیا ہے۔ جس طرح امام بخاریؒ نے '' فاتحہ خلف الامام'' کے مسئلہ پر بھی مستقل رسالہ تالیف کیا اور اس کا بھی نہایت محققانہ و محدثانہ جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے۔ حضرتؒ کے دونوں رسائل '' نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین'' اور فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب'' علماء امت کے لئے نہایت گراں قدر علمی ذخیرہ ہیں۔

حضرتؒ نے امام بخاریؒ کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہر جزو کی تحقیق و جواب دہی کی ہے، جو اساتذۂ حدیث کے لئے لائق مطالعہ ہے۔ امام بخاریؒ نے اس باب کی پہلی حدیث میں یہ بھی روایت کی کہ حضور علیہ السلام سجود کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے تھے، حالانکہ نسائی میں مالک بن الحویرث سے روایت ہے کہ حضور عیہ اسلام نے سجدہ کو جاتے ہوئے اور سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے بھی رفع یدین کیا ہے۔ حافظ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اور ابویعلی نے حضرت انسؓ سے حدیث روایت کی کہ حضور عیہ السلام رکوع و سجود دونوں میں رفع یدین کرتے تھے، محدث ہیثمی نے کہا کہ اس کے رجال، رجال صحیح ہیں وغیرہ (اوجز ص ۲۰۴/۱)

امام بخاریؒ اگلے باب کی حدیث میں بھی یہی روایت کریں گے کہ حضور عیہ السلام سجدہ سے پہلے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ گویا جس طرح امام شافعیؒ نے دو جگہ (رکوع سے قبل و بعد) کے رفع یدین کو معمول بہ بتایا ہے، وہی رائے امام بخاریؒ کی بھی ہے، دونوں نے مذکورہ بالا دوسری احادیث صحیحہ پر عمل ترک کیا ہے البتہ یہ فرق ہے کہ امام بخاری آگے ایک مستقل باب رکعتین سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرنے کا قائم کریں گے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے دو کے علاوہ اس تیسرے رفع کے بھی قائل ہیں۔ اور امام بخاری کی یہ عادت تو پہلے سے معلوم ہے کہ وہ صرف اپنی رائے کے موافق حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس کے مخالف کو ذکر بھی نہیں کرتے۔ برخلاف دوسرے محدثین مسلم، ترمذی، ابوداؤد ونسائی ومصنف ابن ابی شیبہ ومسند احمد وغیرہ وغیرہ کے کہ وہ سب حضرات اپنے مسلک کے موافق و مخالف ساری ہی احادیث صحیحہ ذکر فرماتے ہیں۔

اس باب کی حدیث الباب میں علاوہ رفع یدین کے یہ امر بھی مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے، پھر اگلا باب صرف اسی امر کے لئے قائم کریں گے کہ ہاتھ کہاں تک اوپر اٹھائے جائیں،

ہم یہاں اور اگلے باب میں بھی دوسرے فوائد ذکر کریں گے، اور اصل معرکۃ الآراء و بحث رفع یدین کو مفصل طور سے آخری باب کے تحت لائیں گے۔ ان شاء اللہ

رفع یدین کی حکمتیں

اس بارے میں اکابر ملت کی مختلف آراء ہیں، جو درج ذیل ہیں

(۱) ہاتھ اٹھانا، علاوہ خدا کے نفی کبریا ہے اور اس کے بعد تکبیر اثبات وحدۃ للہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے، اس کو صاحب ہدایہ نے بھی اختیار کیا اور کہا کہ اسی لئے رفع یدین کو تکبیر پر مقدم کرنا چاہئے۔

(۲) نماز شروع کرنے والے کو جب دوسرا دیکھے گا خواہ وہ بہرا بھی ہو کہ تکبیر نہ سن سکے، یا دور ہو تو وہ بھی نماز شروع کر سکے گا۔

(۳) دنیا کو چھوڑ کر بالکلیہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے کی علامت ہے۔

(۴) پوری طرح حق تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرنے کا اشارہ ہے۔

(۵) نماز کی کمال عظمت کا اقرار کرتا ہے جس کو وہ اب شروع کرنے والا ہے۔

(۶) اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عابد و معبود اور ساجد و مسجود یا مولیٰ اور بندہ کے درمیانی حجابات نماز میں اٹھ جاتے ہیں۔

(۷) سارے بدن کے ساتھ حق تعالےٰ کی جانب متوجہ ہونے کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔

(۸) قیام للہ تعالیٰ کی تکمیل اس سے ہوتی ہے، قالہ الزرقانی

(۹) حق تعالیٰ کی غایۃ تعظیم کے ظاہر کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔

(۱۰) ابن رسلان نے کہا کہ کفار قریش اور دوسرے مشرک لوگ اپنی نمازوں میں بھی جو حضور علیہ السلام کے ساتھ پڑھتے تھے، اپنے بتوں کو بغلوں میں دبائے رکھتے تھے۔ اسلئے حکم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے وقت رفع یدین کیا جائے تا کہ وہ بت گر جائیں۔

(۱۱) بعض صوفیہ نے یہ کہا کہ دنیا کو پس پشت پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔ (اوجز ص ۱/۲۰۲)

باب الی این یرفع یدیه وقال ابو حمید فی اصحابه رفع النبی صلی الله علیه وسلم حذو منكبیه

(تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کہاں تک اٹھائے' اور ابوحمید نے اپنے ساتھیوں میں بیٹھ کر یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ شانوں کے مقابل تک اٹھاتے تھے)

۶۹۹: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزهری قال اخبرنی سالم بن عبدالله بن عمر ان عبدالله بن عمر قال رایت النبی صلی الله علیه وسلم افتتح التكبیر فی الصلوة فرفع یدیه حین یكبر حتی یجعلهما حذو منكبیه واذا كبر للركوع فعل مثله' واذا قال سمع الله لمن حمده' فعل مثله' وقال ربنا ولك الحمد ولا یفعل ذلك حین یسجد ولا حین یرفع راسه' من السجود

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں تکبیر شروع کی تو تکبیر کہتے وقت آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے، کہ ان کو اپنے دونوں شانوں کے برابر کر لیا اور جب آپ نے رکوع کے لئے تکبیر کہی، تب بھی اسی طرح

کیا، اور جب **سمع اللہ لمن حمدہ** کہا، تب بھی اسی طرح کیا اور **ربنا ولک الحمد** (بھی) کہا اور یہ (بات) آپ سجدہ کرتے وقت نہ کرتے تھے، اور نہ اس وقت جب سجدے سے اپنا سر اٹھاتے۔

تشریح: ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟ امام بخاری نے مونڈھوں تک کی روایت پیش کی ہے اور یہی مذہب امام مالک و شافعی کا ہے، امام احمد سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں بھی مونڈھوں تک کے لئے کہتا ہوں، لیکن جو کانوں تک ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں، وہ بھی میرے نزدیک اچھا ہے۔ حنفیہ مسلم شریف کی حدیث مالک بن الحویرث کے مطابق عمل کرتے ہیں جس میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں۔ قالہ الزرقانی۔ اور مختصر عبدالرحمن میں احرام کے وقت رفع یدین کو بھی کانوں تک لکھا ہے، علامہ باجی مالکی نے کہا کہ ہم ہاتھوں کی ہتھیلیاں مونڈھوں تک کے مقابل اور انگلیوں کے سروں کو کانوں کے مقابل کرنے کو اختیار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ حنفیہ کے موافق ہیں، ملا علی قاریؒ نے یہ بھی نقل کیا کہ امام شافعی مصر گئے اور ان سے کیفیت رفع کا سوال ہوا تو فرمایا کہ اس طرح اٹھائے کہ ہاتھ کی ہتھیلیاں مونڈھوں کے مقابل ہو جائیں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپری حصوں کے سامنے ہو جائیں۔ اس طرح منکبین، اذنین اور فروع الاذنین والی تینوں روایات جمع ہو جاتی ہیں اور مذاہب کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ حنفیہ ہاتھ اوپر اٹھانے میں دوسروں سے کچھ زیادہ مبالغہ کے قائل ہیں اور ان کے یہاں مرد و عورت کے عمل میں فرق بھی ہے، کیونکہ عورت کے لئے وہ صرف سینہ اور ثدیین تک ہی ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ ابن رسلان نے کہا کہ یہ تفریق صرف حنفیہ کے یہاں ہے، مگر امام احمد سے بھی دو روایت ہیں ایک یہ کہ ہاتھوں کو تھوڑا اٹھائے، یعنی مردوں سے کم، دوسری روایت یہ ہے کہ عورت کے لئے ہاتھ اٹھانا مشروع ہی نہیں ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے التوشیح میں طبرانی سے وائل بن حجر کی حدیث پیش کی ہے کہ مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور عورت ثدیین تک۔ لہٰذا علامہ شوکانی کا یہ کہنا کہ حنفیہ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بڑی غلطی ہے، جس سے ان کی قلت نظر معلوم مطالعہ ہوتی ہے۔ (وجز ص۲۰۲/۱)

باب رفع الیدین اذاقام من الرکعتین

دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان، جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھے

۷۰۰: حدثنا عیاش بن الولید قال حدثنا عبدالاعلیٰ قال حدثنا عبیداللہ عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کرتے (تب بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے (تب بھی) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دونوں رکعت سے اٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور اس بات کو ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے۔

تشریح: ترجمہ و حدیث الباب سے امام بخاری نے ثابت کیا کہ دو رکعت پوری کر کے تشہد کے بعد جب کھڑا ہو تب بھی رفع یدین کرے، اور بتلایا کہ حضرت ابن عمرؓ نے نہ صرف اس کو خود کیا بلکہ اس امر کو حضور علیہ السلام کی طرف بھی مرفوع کیا کہ وہ بھی ایسا کیا کرتے تھے، حالانکہ امام بخاریؒ نے اسی صفحہ پر حضرت ابن عمرؓ سے ہی تین حدیث اوپر روایت کی ہیں اور ایک روایت مالک، بن الحویرث کی بھی ذکر کی ہے اور چاروں میں سے کسی میں بھی دو رکعت سے کھڑے ہونے پر رفع یدین نہیں ہے۔ اور اسی لئے بعض محققین کو یہ تصریح کرنی پڑی کہ گو حدیث ابن عمر کی تخریج بخاری و مسلم دونوں میں کی گئی ہے، مگر وہ مواضع رفع کے بارے میں مضطرب ہے، اور شاید اسی وجہ سے امام مالکؒ نے اپنے

مشہور قول و مذہب میں اس کو معمول بہ نہیں بنایا اور اسی وجہ سے مدونہ میں امام مالک کا یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ "میں تکبیرات صلوۃ میں سے اٹھتے بیٹھتے کسی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کو نہیں جانتا بجز تکبیر احرام کے جو شروع نماز میں ہوتی ہے" اور اسی لئے ابن القاسم کا یہ قول بھی نقل ہوا کہ "بجز تکبیر احرام کے دوسری جگہوں کے لئے رفع یدین امام مالکؒ کے نزدیک ضعیف تھا"۔ اور علامہ نوویؒ نے تصریح کی کہ یہی امام مالکؒ سے مرویہ روایات میں سے سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے، (اوجز ص ۲۰۳)

اس موقع پر موطأ امام مالکؒ کی روایت ابن عمر میں **واذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذلک** پر اوجز میں جو اضطراب و اختلاف روایات نقل کیا گیا ہے کہ کسی روایت میں **رفعھما دون ذلک** ہے، کسی میں **رفع عند الرکوع** نہیں ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ائمہ اربعہ تکبیر احرام کے وقت رفع یدین پر متفق ہیں، اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تین جگہوں کے علاوہ کسی اور جگہ پر رفع یدین مستحب نہیں ہے، یعنی امام شافعی و امام احمد بھی جو رکوع سے قبل و بعد رفع یدین کو ضروری خیال کرتے ہیں، وہ بھی نہ دو رکعت سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کو ضروری مانتے ہیں، نہ مابین السجدتین نہ ہر خفض و رفع کے وقت، حالانکہ ان کے لئے بھی صحیح روایات موجود ہیں۔ جیسے کہ دو رکعت سے اٹھنے پر یہاں امام بخاری ہی حدیث صحیح لائے ہیں۔ ممکن ہے یہ خود امام بخاریؒ کا مسلک و مختار ہو اور ایک قول امام شافعی کا بھی اس کے استحباب کا نقل ہوا ہے۔

تفصیل مذاہب: بدایۃ المجتہد ص ۱۱۴/۱ میں ہے کہ اہل کوفہ امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری اور ان کے سارے فقہاء صرف تکبیر احرام کے وقت رفع یدین کے قائل ہیں اور صاحب مدونہ ابن القاسم نے امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ کیونکہ امام مالکؒ نے بھی (حنفیہ کی طرح) حدیث عبداللہ بن مسعود و حدیث براء بن عازبؓ کی وجہ سے اور موافقت عمل اہل مدینہ کے سبب سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام شافعی، امام احمد، ابوعبید، ابوثور، اور جمہور اہل حدیث و اہل الظاہر رفع یدین علاوہ تکبیر احرام کے رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی مانتے ہیں، اور ایک روایت امام مالک سے بھی ایسی ہے مگر اس قول میں بھی یہ فرق ہے کہ وہ لوگ اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، امام مالک صرف سنت مانتے ہیں، دوسرے بعض اہل الحدیث سجدہ کو جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابن رشد نے لکھا کہ اختلاف کا سبب اس بارے میں آثار مرویہ کا اختلاف ہے اور یہ بھی خود مدینہ طیبہ میں بعض آثار مرویہ کے خلاف عمل ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث مثلاً عبداللہ بن مسعود اور حدیث براء میں تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام صرف تحریمہ کے وقت ایک مرتبہ رفع یدین کرتے تھے، اس سے زیادہ نہ کرتے تھے، دوسری طرف حدیث ابن عمرؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام علاوہ تکبیر تحریمہ کے رکوع کی تکبیر کے وقت اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی رفع یدین کرتے تھے، یہ حدیث صحیح متفق علیہ ہے، اور ان لوگوں کا گمان ہے کہ اس کو ۱۳ اصحابہ نے روایت کیا ہے۔ تیسری حدیث وائل بن حجر کی ہے، جس میں روایت ابن عمر سے بھی یہ امر زائد ہے کہ سجدہ کے وقت بھی رفع کرتے تھے، پس بعض حضرات نے تو حدیث عبداللہ بن مسعود و حدیث براء کو ترجیح دے کر رفع یدین کو صرف تحریمہ کے لئے خاص کر دیا اور یہی مذہب امام مالک کا ہے کیونکہ تعامل (اہل مدینہ) اس کے موافق پایا، اور دوسرے حضرات نے حدیث عبداللہ بن عمرؓ کو ترجیح دے کر رکوع سے قبل و بعد میں بھی رفع یدین کو ضروری سمجھا، اور افتتاح کے وقت کے لئے اس کی شہرت کی وجہ سب کا اتفاق رہا۔

علامہ بنوریؒ: نے معارف السنن ص ۴۵۳/۲ میں لکھا۔ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین پر سب کا اتفاق ہے، جس طرح جمہور مواضع ثلاثہ مابین السجدتین بعد الرکعتین اور ہر خفض و رفع میں یدین کے عدم استحباب پر متفق ہیں۔ اگرچہ ان کے لئے بھی روایات موجود ہیں۔ البتہ رکوع

---

[1] امام مالکؒ کے مذہب کے سب سے زیادہ معتمد ناقل یہی ہیں، اسی لئے یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ امام مالک کا صحیح و راجح مسلک وہی ہے جو ابن القاسم نے نقل کیا ہے اگرچہ وہ روایات موطاء کے موافق نہ ہو اوجز ص ۲۰۹/۱ میں امام مالک کے روایۃ الباب ترک کرنے کے وجوہ بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اور یہ بہت سے محدثین کا طریقہ رہا ہے کہ بطور سرد روایات متعدد احادیث بیان کر دیتے ہیں۔ خواہ ان میں سے بعض معمول بہا نہ بھی ہوں بوجہ اضطراب و شذوذ وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم (مؤلف)

کے وقت اور بعد الرکوع رفع یدین میں اختلاف ہے، اور اسی کی وجہ سے رفع یدین کے مسئلہ نے مشہور اختلافی شکل اختیار کر لی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب ترک رفع کے قائل ہیں یہی روایت ابن القاسم نے امام مالک سے بھی نقل کی ہے، اور اکابر مالکیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی و احمد رفع کے قائل ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر مالکی نے ابن القاسم سے امام مالک کا معمول غیر احرام میں عدم رفع کا ذکر کیا ہے۔ جو سفیان ثوری، نخعی، شعبی و علقمہ وغیرہ سب کوفیوں کا بھی مذہب ہے۔ اور ابو مصعب، ابن وہب، اشہب وغیرہ نے امام مالک سے رفع نقل کیا ہے۔

محمد بن عبدالحکم شافعی نے یہ بھی کہا کہ امام مالک سے ترک رفع صرف ابن القاسم نے نقل کیا ہے، اور ہم حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے رفع کو اختیار کرتے ہیں''۔ علامہ اصیلی نے کہا کہ ''امام مالک نے رفع یدین کو اس لئے اختیار نہیں کیا کہ نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت رفع کو موقوفا روایت کیا ہے۔ اور یہ ان چار مواضع میں سے ہے، جن میں سالم و نافع کا اختلاف ہوا ہے۔ پھر علامہ اصیلی نے ان چاروں کو ذکر کر کے فرمادیا کہ'' ان سب کو سالم نے مرفوعا اور نافع نے موقوفا روایت کیا ہے''۔ اس کے بعد علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجر کے ایک بے جا اعتراض کا رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا مالکیہ پر اعتراض اور زرقانی[1] کا جواب

اس سے حافظ ابن حجرؒ کا بے جا جملہ اور غلط اعتراض بھی بے نقاب ہو جاتا ہے کہ'' مجھے مالکیہ کے لئے ترک رفع کی کوئی دلیل اور حجت نہیں ملی بجز قول ابن القاسم کے''۔ کیونکہ جب سالم و نافع کا رفع و وقف میں اختلاف موجود تھا تو اسی کی وجہ سے امام مالک نے اپنے مشہور قول میں رفع کو مستحب قرار نہیں دیا کہ نماز جیسی سکون و خشوع چاہنے والی عبادت کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ اس کو دوسری حرکات وافعال سے بچایا جائے (زرقانی ص ۱۵۸/۱)

حضرتؒ نے بسط الیدین ص ۶۰ میں استذکار ابن عبدالبر سے یہ بھی نقل کیا:۔ ان کی موافقت ایک مرتبہ کے سوا عدم رفع یدین میں ثوری، حسن بن حیی اور دوسرے سب فقہاء کوفہ نے کی ہے اور یہی قول ابن مسعود اور آپ کے اصحاب کا بھی ہے''۔ امام مالک نے ترک رفع کو اس لئے بھی ترجیح دی ہے کہ اہل مدینہ کا تعامل عدم رفع کے موافق تھا۔ کما صرح بہ ابن رشد فی کتابہ بدایۃ المجتہد۔ اور علامہ ماردینی نے الجواہر النقی ص ۱۳۶/۱ میں علامہ ابن عبدالبر مالکی کے یہ الفاظ ان کی ''التمہید'' سے نقل کئے کہ'' میں بھی افتتاح کے سوا رفع نہیں کرتا، بروایت ابن القاسم کی وجہ سے'' لہٰذا ماردینی نے ابن عبدالبر کو بھی ان حضرات میں شمار کیا جنھوں نے ترک رفع کو اختیار کیا ہے۔ اور شرح مسلم للقرطبی سے نقل کیا کہ یہی عدم رفع مشہور مذہب امام مالک کا ہے، اور'' قواعد ابن رشد'' میں ہے کہ یہی عدم رفع امام مالک کا مذہب ہے کیونکہ عمل اہل مدینہ کا اس کے موافق ہے۔

حافظ کی دوسری غلطی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا انتباہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ درس ترمذی شریف میں حافظ کی ایک غلطی کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ جو العرف الشذی ص ۱۶۴ میں تردد کے ساتھ نقل ہوا تھا، اور کچھ امالی لکھنے والے طالب علم نے بھی مطلب پوری طرح واضح نہ کر کے گنجلک پیدا کر دی تھی، جس کا ذکر علامہ بنوری مرحوم نے ص ۴۵۴/۲ میں کیا ہے۔ پھر اسی بات کو حضرتؒ نے نیل الفرقدین کے حاشیہ بسط الیدین میں خوب واضح اور مدلل فرما دیا ہے۔

اصل صورت حال یہ تھی کہ علامہ ابن عبدالبر نے محمد بن عبداللہ بن الحکم کی یہ بات نقل کی تھی کہ امام مالکؒ سے ترک رفع صرف ابن القاسم نے روایت کیا ہے اور ہم رفع کو حدیث ابن عمرؓ کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں الخ۔ شرح الزرقانی ص ۱۵۷/۱ میں یہ بات واضح طور سے درج ہے مگر حافظ کو مغالطہ ہوا کہ یہ بات خود ابن عبدالبر نے کہی ہے چنانچہ انھوں نے فتح الباری ص ۱۴۹/۲ میں بجائے محمد بن الحکم کے ابن عبد

---

[1] معارف السنن ص ۴۵۳/۲ میں اس موقع پر سطر ۲۱ ''ثم قال الشیخ'' ناقل کی غلطی سے درج ہو گیا ہے۔ کیونکہ حافظ کا رد علامہ زرقانی نے کیا ہے۔ شاہ صاحب نے نہیں کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ کے بے جا جملوں پر صرف حنفیہ نے ہی نہیں بلکہ مالکیہ نے بھی تعقب کیا ہے، اور یہ بھی کہ مالکیہ کا مسلک عدم رفع ہی مشہور و معروف رہا ہے، اسی لئے شافعیہ کے اعتراضات پر مالکیہ نے جوابدہی کی ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ معارف السنن کے ص ۴۵۳ ۲ میں سطر ۲ فیما حکاہ ابن عبدالبر کے بعد سے ص ۴۵۴/۲ سطر اول تک ساری عبارت زرقانی ص ۱۵۷ سے نقل ہے۔

ابر ہی کی طرف اس کو منسوب کردیا۔ حالانکہ کسی نے بھی ان کو رفع یدین کرنے والوں میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ تمہید میں خود انھوں نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ میں روایت ابن القاسم عن مالک کی وجہ سے رفع یدین صرف افتتاح کے وقت کرتا ہوں، اور اسی لئے علامہ ماردینی حنفیؒ نے الجواہر النقی ص ۱۳۶/ ۱ میں ابن عبدالبر کو ترک رفع اختیار کرنے والوں میں ذکر کیا ہے۔

افادۂ مزید: حضرتؒ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ یہ محمد بن عبداللہ الحکم اگرچہ اصحاب امام شافعی میں سے تھے۔ لیکن انھوں نے امام شافعیؒ کے انتقادعلی مالکؒ کے جواب میں مستقل رسالہ لکھا ہے، امام شافعی کا نقدواعتراض یہ تھا کہ امام مالکؒ نے تعامل اہل مدینہ کی وجہ سے آثار کو ترک کردیا ہے۔ اور ترک رفع کو بھی اسی میں شامل کیا ہوگا۔ (غالب ابن الحکم نے ہر مسئلہ کے لئے تعامل کے ساتھ آثار بھی پیش کئے ہوں گے)

ابن الحکم کی غلطی: حضرتؒ نے نیل الفرقدین ص ۲۷ میں لکھا کہ امام شافعیؒ نے بھی امام مالک کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ''معانی الاخبار شرح معانی الآثار'' للعینیؒ میں ہے، لہٰذا امام مالک سے ترک رفع کی روایت کرنے والے صرف ابن القاسم نہیں ہیں، بلکہ ان کے متابع امام شافعی ایسے جلیل القدر محدث ہیں۔

مالکیہ کا ترک رفع کے لئے تشدد

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۱/۲۷۰ میں ہے کہ مالکیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا مندوب ومستحب ہے، اور اس کے سوا میں مکروہ ہے۔ اس کے برخلاف حنفیہ کے یہاں اتنی شدت نہیں ہے، نہ وہ رفع یدین کو مکروہ بتلاتے ہیں، البتہ وہ ہمارے یہاں غیر معمول بہ اور غیر مندوب ضرور ہے، اور فقہاء حنفیہ میں سے جس نے مکروہ لکھا یا اس کی وجہ سے فساد صلوٰۃ کو کہا یا ایسی کوئی بات امام اعظم کی طرف منسوب کی تو وہ اس کی غلطی ہے کیونکہ کتب معتبرہ حنفیہ مثلاً ''الذخیرہ'' ''الواجبیہ'' وغیرہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، مزید تفصیل ''فوائد بہیہ'' میں ضمن ترجمہ مکحول نسفی ملاحظہ ہو۔ علامہ ابوبکر رازی جصاصؒ نے بھی ''احکام القرآن'' میں عدم کراہت کی صراحت کردی ہے جو اس باب میں بہت موثق ہے اور اس کا مرتبہ علماء مذاہب میں محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم معارف السنن کے افادات پیش کرتے ہیں:۔

افادۂ انور: ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ رفع وترک دونوں متواتر ہیں، کسی ایک کا انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ ترک کا تواتر تواتر عمل ہے تواتر اسناد نہیں ہے، رہا یہ کہ امام طحاوی نے نسخ کہا ہے، جس کا مفاد کراہت تحریمی ہوسکتا ہے، تو وہ نسخ بمعنی متعارف نہیں ہے، جس سے عمل بالرفع کو ناجائز کہا جائے۔ لہٰذا رفع وترک دونوں کے متواتر ہونے کی وجہ سے تین صورتیں بن گئیں۔ رفع کو ترجیح ہو، ترک کو ترجیح ہو، یہ دونوں کے لئے اختیار ہو اور ہر ایک کی طرف کچھ نہ کچھ حضرات مائل ہوگئے۔

پھر بعض احادیث میں رفع کی تصریح ہے، بعض سے ترک ثابت ہوتا ہے اور بعض ساکت ہیں۔ اگر ہم صریح ترک والی روایت پر نظر کریں تو ہماری احادیث کی تعداد کم ہے۔ اور احادیث رفع کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم ان احادیث کو بھی ساتھ ملالیں جن میں صفت صلوٰۃ بیان ہوئی ہے اور پھر بھی ان میں رفع کا ذکر نہیں ہے تو ترک رفع کی تعداد بڑھ جاتی ہے کیونکہ ضرورت بیان کے وقت سکوت کرنے کو ترک کی دلیل کہا جائے گا۔

ظاہر ہے جن احادیث صفۃ صلوٰۃ میں سارے افعال صلوٰۃ کا ذکر ہے، ارکان، واجبات، سنن وآداب سب ذکر ہوئے اور صرف رفع یدین کا ذکر ان میں نہیں ہوا اور ہوا تو صرف تکبیر تحریمہ والے رفع کا، رکوع سے قبل وبعد والے کا کوئی ذکر نہیں تو ایسی صورت میں وہ احادیث حنفیہ ومالکیہ کی موافقت میں ہی شمار ہوسکتی ہیں۔ اور اس طرح ان کی احادیث تصریح ترک والی احادیث کے ساتھ مل کے رفع یدین والی احادیث سے کہیں زیادہ ہوجائیں گی۔

غرض یوں بھی یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے یا اس کو اختلاف مباح کہہ لو۔ اور اسی حقیقت کو حافظ ابو عمر (ابن عبدالبر) نے مالکیہ میں سے اور حافظ ابن تیمیہ و ابن قیم نے حنابلہ میں سے تسلیم کیا ہے۔

ترک کا تعامل تواتر کے ساتھ رہا ہے، اہل کوفہ تو تقریباً سارے ہی اس پر عامل تھے، بہ کثرت تارکین مدینہ طیبہ میں حضرت امام مالکؒ کے زمانہ میں تھے، جن کی وجہ سے امام مالک نے ترک کو اختیار کیا، اور اسی طرح دوسری بلاد اسلامیہ میں بھی رافعین کے ساتھ تارکین بھی رہے ہوں گے۔

البتہ ہر جگہ کے بڑوں کا اثر ضرور پڑا ہے، مثلاً مکہ معظمہ میں حضرت ابن الزبیر تھے جو رفع کرتے تھے تو وہاں پر زیادہ رفع کرنے والے ہوئے، اور اسی پر امام شافعیؒ نے بھی رفع کو اختیار کیا، اہل کوفہ نے حضرت ابن مسعود اور حضرت علیؓ کا اثر لیا اس لئے وہاں تقریباً سب ہی تارکین رفع ہوئے، حضرت عمرؓ کے پاس جو آتے جاتے تھے، وہ بھی آپ کے ترک کو دیکھ کر تارک ہوگئے۔

حضرت صدیق اکبر، عمرؓ اور حضرت علی و ابن مسعودؓ کے زمانہ میں رفع و ترک کی کوئی بحث نہ تھی نہ یہ بات قابل نزاع تھی۔ رافعین بھی تھے اور تارکین بھی، کوئی کسی کو برا بھی نہیں کہتا تھا، (ان کے بعد اس مسئلہ کو نزاعی و جدالی بنالیا گیا، اور آگے امام بخاری کے رسالہ رفع یدین کا ذکر تفصیل سے آئے گا، اس سے اندازہ ہوگا کہ انھوں نے تو حدود اعتدال سے بھی بہت آگے قدم بڑھا دیئے اور شاید ان ہی کی تقلید میں بعد کے سلفی حضرات اور آج کل کے غیر مقلدین نے خوب میدان گرم کیا۔ (یاللاسف)

سلف میں تارکین رفع یدین

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود، اور ان دونوں کے اصحاب، حضرت جابر بن سمرۃؓ، حضرت براء بن عازبؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت علقمۃ بن قیس، اسود بن یزید، مغیرہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلی، عامر الشعبی، ابواسحق سبیعی، خیثمہ، وکیع، عاصم بن کلیب، امام زفر، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔ امام اعظمؒ، امام ابو یوسف، امام **محمد** اور دوسرے سب حنفیہ۔ امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب کا معمول بھی ترک رفع ہے، محدث علامہ باجی مالکیؒ نے کہا کہ مدونہ میں امام مالک سے روایت کی گئی کہ بجز افتتاح کے رفع یدین ضعیف تھا، امام بخاری کے استاذ حدیث ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت عمر و علی اور آپ کے اصحاب سے غیر افتتاح میں ترک رفع روایت کیا ہے۔ حرب بن شداد نے کہا کہ ہمارے اصحاب کے یہاں احرام کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے کذا فی ابن رسلان۔ (اوجز ص۱/۲۰۳)

معارف السنن ص۲/۴۶۴ میں کعب بن عجرہ کا اضافہ کیا، اور جماہیر اہل کوفہ کے ساتھ کثیر من اہل المدینہ فی عہد مالک پھر لکھا یا اکثریت اہل مدینہ کی بلکہ سارے ہی اہل مدینہ کا تعامل ترک رفع پر تھا جیسا کہ مالکیہ نے نقل کیا ہے اور ابن قیم نے اس کا اعتراف کیا ہے، اگرچہ اس کو حجت نہیں بنایا اور ایسے ہی سارے شہروں میں تھے اگرچہ ان کے نام نہیں معلوم ہوئے، جیسا کہ عام تعامل و توارث کے لئے عام طور سے سندی سلسلہ نہیں ہوتا، یہ بات بعد کے لوگوں نے پیدا کی کہ وہ سندیں طلب کرنے لگے، اور جب سند نہ ملی تو تواتر عملی کا بھی انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن حزم کا بھی "محلی میں یہی طریقہ ہے کہ وہ واقعات وحقائق تاریخیہ کا انکار کر دیتے ہیں گویا ان کے نزدیک جب تک کسی واقعہ کی سند مسلسل نہ بیان کی جائے تو گویا وہ واقعہ دنیا میں ہوا ہی نہیں، اسی طرح وہ اجماعیات منقولہ کا بھی اخبار آحاد کے مقابلہ میں بہ کثرت انکار کر دیتے ہیں، اور تعمیر سے زیادہ تخریب کرتے ہیں، حالانکہ اگر قرآن مجید کی بھی ہر ہر آیت کا تواترِ اسنادی طلب کیا جائے تو وہ نہ ملے گا، اور صرف تواترِ طبقہ بعد طبقہ ہی سے اس کا ثبوت ہم تک پہنچا ہے۔ اور یہی روش علامہ ابن القیم کی بھی ہے اعلام الموقعین میں الخ۔

امام بخاری کا رفع کے لئے تشدد

مسئلہ رفع یدین میں حنفیہ و مالکیہ کے مقابل شافعیہ نے سب سے زیادہ زور صرف کیا ہے، اور طرفین کے دلائل اکثر کتابوں میں مل جاتے ہیں، لیکن اس مسئلہ میں ایک بڑے معرکہ کی بحث و تحقیق و تدقیق، امام بخاری نے بھی کی ہے، اور پوری قوت و شوکت، و رشدت وحدت کا مظاہرہ مستقل رسالہ لکھ کر کیا ہے۔ مگر یہ بات عجیب تر ہے کہ انھوں نے جہاں جہاں بھی اپنا لہجہ نہایت تلخ اور بقول حضرت شاہ صاحبؒ دراز لسانی کی حد تک گرم گفتاری اختیار کی ہے اس کا نشانہ صرف امام اعظمؒ بنے ہیں، یہاں تک کہ ان کو جاہل اور غوی اور بھٹکنے والا وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ لکھ دیا ہے حالانکہ اس مسئلہ میں وہ منفرد نہیں ہیں، اور اسی لئے ہم نے اوپر ان کے شریک مسلک بہت سے اکابر امت سلف ہی میں سے گنوا دیے ہیں، اور سلف کے ہزار ہا اکابر کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ امام بخاریؒ کے بعد آئے ہیں اور امام کو کیا خبر تھی کہ بناء ملت حنفی کے جس پتھر کو انھوں نے حقیر و بیکار سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا وہی سب سے زیادہ قیمتی و کار آمد پتھر ثابت ہوگا۔

ذکر امام بخاریؒ کے رسالہ کا

رفع یدین کی تائید اور ترک رفع کی تردید میں امام بخاریؒ کا رسالہ بہت مشہور ہے، اور اس میں اور اپنے رسالہ قراءۃ خلف الامام میں بھی انھوں نے امام اعظمؒ کے خلاف بہت ہی سخت زبان استعمال کی ہے اور شاید اسی لئے ہندوستان کے غیر مقلدین نے ان رسالوں کو بار بار اہتمام کر کے شائع کیا ہے، اور رسالہ رفع یدین کا ایک ایڈیشن تو اردو ترجمہ کے ساتھ بھی شائع کیا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت حال کو واشگاف کرنے کے لئے ہم اس کے مندرجات کو ذرا تفصیل سے پیش کر دیں۔ پہلے امام بخاری کے ابتدائی کلمات خطبہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ رسالہ اس شخص کے رد میں ہے جس نے رکوع کے لئے جھکتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کا انکار کیا ہے، اور عجم کے رہنے والوں کو اس سنت رسول ﷺ سے بے خبر رکھا، اور اپنی لایعنی بات کو خواہ مخواہ ثابت کرنے کے لئے، صحابہ کرام کے ذریعہ ثابت شدہ رسول اکرم ﷺ کے فعل کو اور آپ کے اصحاب و تابعین کے تعامل کو نظر انداز کیا اور اس ضمن میں صحیح روایات کی بھی جو سلف سے ذریعہ ثقات خلف کو پہنچی تھیں، پرواہ نہیں کی کیونکہ اس کے سینہ میں کینہ و بغض بھرا ہوا تھا اور دل میں تنگی تھی۔ اور اس کو نبی اکرم ﷺ کی سنتوں سے نفرت تھی، اور حاملین سنت سے سخت عداوت تھی، بوجہ اس کے کہ اس کے گوشت پوست اور ہڈیوں و مغز میں بدعت سرایت کر چکی تھی، اور یہ چیز ان کو عجمیوں کے ماحول میں محصور رہنے اور ان سے فریب کھانے کے سبب سے حاصل ہوئی تھی، "**وقال النبی علیہ السلام لا تزال طائفة من امتی الخ**"

اس کے بعد وہ احادیث و آیات ذکر کی ہیں، جن میں مخالفین و معاندین اسلام کے لئے انذار و وعید آئی ہے۔ اس کے بعد رفع یدین کی تائید کرنے والی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور درمیان درمیان میں اہل علم کی مدح اور امام اعظمؒ کو لاعلمی کے طعنے دیے ہیں، اور بتلایا کہ اپنے زمانہ کے اہل علم وہی تھے جو رفع یدین کو مانتے اور کرتے تھے، اور ہر زمانہ کے بے علم و جاہل ان کے خلاف تھے۔

ایک جگہ حدیث ام الدرداء (ص ٢٢) نقل کر کے لکھا کہ ان تارکین رفع سے تو بعض صحابہ کی بیویاں ہی زیادہ علم والی تھیں کہ وہ نماز میں رفع یدین کیا کرتی تھیں اور جہاں تارکین کی کوئی دلیل نقل کرتے ہیں تو اس عنوان سے کہ بعض بے علم لوگوں نے اس طرح استدلال کیا یا اس طرح ہمارے استدلال پر نقد کیا وغیرہ۔ اور اس کے مقابلہ میں قائمین رفع کے لئے اہل علم و اہل نظر کے القاب اختیار کرتے ہیں۔

حدیث ص ٣٢ کے تحت لکھا: ابن المبارک رفع یدین کرتے تھے جو اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علم والے تھے، اور جن کے پاس سلف کا علم نہیں تھا۔ وہ بجائے اس کے کہ انھوں نے بے علم لوگوں کی تقلید کی وہ اگر ابن المبارک کا اتباع کرتے تو اچھا تھا۔

حدیث ص۳۴ کے تحت لکھا کہ بے علم لوگوں نے وائل بن حجر کے بارے میں طعن کیا ہے کہ وہ ابناء ملوک یمن میں سے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کا اکرام کیا اور ان کو زمین کا ایک قطعہ دیا اور ان کے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا، اس جگہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ان امور میں سے طعنے کی بات کیا تھی؟

حدیث ص ۳۶ کے تحت لکھا کہ ان بے علم لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی حدیث حضور اکرم ﷺ سے ثابت بھی ہو جاتی ہے تب بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بڑوں نے اس کو اختیار نہیں کیا یا یہ ہمارے یہاں معمول بہ نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ تو حدیث کو اپنی رائے کے مقابلہ میں لغو سمجھتے ہیں۔ اور لکھا کہ حضرت معمر کا ارشاد تو یہ تھا کہ اہل علم کے نزدیک پہلے لوگ زیادہ علم والے تھے، لیکن ان لوگوں نزدیک بعد کے لوگ زیادہ علم والے ہیں۔

حدیث ص ۳۷ کے تحت لکھا کہ عبداللہ بن مبارک نے امام صاحب کو لاجواب کر دیا تو وہ متحیر ہو کر چپ ہو گئے، **وھذا اشبہ من الذین ھارون فی غیبھم اذا لم ینصروا**۔ جو لوگ گمراہی میں حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور ان کو مدد نہیں ملتی تو وہ اسی طرح حیران ولاجواب ہو جایا کرتے ہیں)

حدیث ص۶۳ کے تحت لکھا کہ جس نے یہ دعوے کیا کہ رفع یدین بدعت ہے، اس نے صحابہ کرام، سلف اور بعد کے حضرات، اور اہل حجاز و اہل مدینہ و اہل مکہ اور کچھ اہل عراق و اہل شام و اہل یمن اور علماء اہل خراسان جن میں ابن المبارک بھی ہیں سب پر طعن کیا۔ الخ

دعوائے عدم ثبوت ترک رفع یدین: امام بخاریؒ نے دو جگہ اسی رسالہ میں یہ بھی دعوی کیا کہ ترک رفع یدین کا ثبوت حضور علیہ السلام یا کسی بھی صحابی سے نہیں ہوا۔ چنانچہ ص۳۰ کے بعد لکھا کہ ہم نے جن اہل نظر علماء اہل حجاز و اہل عراق کو پایا جن میں عبداللہ بن الزبیر، علی بن عبداللہ بن جعفر، یحیی ابن معین، احمد بن حنبل و اسحق بن راہویہ ہیں، یہ سب لوگ اپنے زمانہ کے اہل علم تھے، اور ان میں سے کسی کو بھی حضور ﷺ سے ترک رفع یدین کا علم نہیں ہوا اور نہ کسی صحابی رسول سے بات پہنچی کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

حدیث ص۶۳ کے تحت لکھا کہ ”کسی صحابی سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ ترک رفع کی روایات رفع والی روایات سے زیادہ صحیح ہیں“۔

معذرت: جوابی معروضات سے پہلے یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ساتھ آپ کی عمر کے آخری دو سال میں رہنا ہوا، اور شب و روز میں جو کچھ سنا وہ قلم بند کیا، جو احوال آپ کے دیکھے وہ قلب و نظر کی امانت ہیں، درس بخاری میں فرمایا: ”امام بخاری کا ادب ہمیشہ مانع رہا، مگر اب صبر پر قدرت نہیں رہی، اس لئے کچھ کہہ دیتا ہوں، حنفیہ کے خلاف تعصب یا غلط فہمیوں کے تحت جو کچھ جس نے بھی کہا، اس سے ان کا دل نہایت آزردہ تھا، اس کو اس شعر میں ادا فرمایا تھا۔ **ومن نفثات الصدر ما لا ابثه ومن فجعات الدهر ما قد تهجما**

شاید کچھ ایسا ہی حال میرا بھی آخر وقت میں ہو گیا ہے، کسی کی بھی غلط بات برداشت نہیں ہوتی، اور پھر قلم کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالی معاف فرمائے بڑوں کی شان میں کچھ لکھنے سے پہلے دس بار سوچنا پڑتا ہے، اور پھر مجبور ہو کر لکھنا پڑتا ہے۔

جوابی معروضات: معارف السنن ص۴۶۶/۲ میں لکھا۔ امام بخاریؒ نے جو عدم صحت ترک رفع عن الصحابہ کا دعوی کیا ہے وہ ان کا حسب عادت مبالغہ ہے کہ ان کو جب کسی بات کا یقین و اطمینان نہیں ہوتا تو اسی طرح اس کے خلاف بھرپور دعوے کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس کے رد کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کے جلیل القدر تلمیذ حدیث امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں اور ابونصر مروزی وغیرہ نے صراحت کر دی ہے کہ ترک رفع یدین کی حدیث ابن مسعود حدیث حسن ہے۔ اور ترک رفع کے قائل اہل علم اصحاب النبی ﷺ اور تابعین بھی تھے، اور یہی قول و مذہب سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا ہے۔ امام ترمذیؒ نے تو سارے اہل کوفہ کا ہی یہ مسلک بتلا دیا جبکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ وہاں جا

کر آباد ہو گئے تھے اور ان میں ۲۴ تو وہ تھے، جنھوں نے غزوہ بدر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اگر کسی بھی صحابی متوطن کوفہ پر ترک رفع کا اعتراض کسی نے کیا ہوتا تو کیا وہ نقل نہ ہوتا۔ اور اہل کوفہ کے نزدیک تو ترک رفع ہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علقمہ، شعبی، نخعی اور بہت سے صحابہ وتابعین سے قوی الاسانید روایات کے ذریعہ ثابت ہے۔ اور جو کچھ اہل کوفہ کو نسلا بعد نسل اور طبقۃ بعد طبقۃ بطور توارث وتعامل ترک رفع کی اجتماعی خصوصیت حاصل ہوئی وہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔

پھر حضرت امام مالکؒ اور آپ کے متبعین مالکیہ نے بھی تو ترک رفع ہی کو اختیار کیا، اور ان کے سامنے سب سے بڑی حجت اہل مدینہ کا تعامل تھا، جس پر امام شافعی نے امام مالک پر اعتراض بھی کیا کہ آثار کے مقابلہ میں تعامل اہل مدینہ کو حجت بنا رہے ہیں، اور اس کا جواب اکابر مالکیہ کے علاوہ خود امام شافعیؒ کے جلیل القدر تلمیذ ومقلد محمد بن عبداللہ بن الحکم نے مستقل رسالہ لکھ کر دیا تھا اور امام مالکؒ کی طرف سے پورا دفاع کیا تھا۔ یہ کیا ہے، کیا امام اعظمؒ ترک رفع میں سب سے الگ تھلگ تھے، اور ان کو اکیلا سمجھ کر ہر طرح ان کی تحقیر وتذلیل کوئی موزوں بات تھی؟ کیا عبدالرحمٰن بن مہدی کی طرح امام بخاری بھی اسی خیال پر تھے کہ مسائل شرعیہ کی وسیع وادی میں دوسرے سب ایک طرف ہیں اور صرف امام صاحب ایک گوشہ میں سب سے دور اور منفرد ایک گوشہ میں ہیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے امام صاحب کی فقہ بقول محققین شرقا و غربا برا و بحرا ساری روئے زمین پر ہمیشہ چھائی رہی، اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ کے دو تہائی یا تین چوتھائی افراد ان کے ہی فقہ پر عامل رہے ہیں، اور مجھے امام بخاریؒ کے ممدوح اعظم حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ مقولہ کبھی نہیں بھولتا کہ "امام ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو، بلکہ جو کچھ انھوں نے کہا اور بتلایا وہ سب حدیث نبوی کی مراد اور منشا ہے" یعنی وہ شارع علیہ السلام کے صحیح ترین ترجمان تھے۔ ان کے مختارات کو ان کی رائے کہہ کر استخفاف کرنا ارشادات نبویہ کے جاں نثاروں کی شان سے بہت بعید ہے۔

راقم الحروف نے یہ پہلے بھی اپنے بڑوں سے نقل کیا تھا کہ ائمہ اربعہ کے اندر حق دائر ہے، اور وہ سب حق پر ہیں اور وہ سب تقریبا تین چوتھائی مسائل شرعیہ میں باہم متفق ہیں، اور ایک چوتھائی میں بھی حلال وحرام یا وجوب وکراہت کا اختلاف بہت ہی تھوڑے مسائل میں ہے۔

پھر اس موقع کی رعایت سے یہ بھی عرض ہے کہ، جس طرح انبیاء واولیائے کرام ایک دوسرے کے ساتھ محبت شفقت اکرام وعظمت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ائمہ مجتہدین بھی ایک دوسرے کی باوجود فروعی اختلاف کے نہایت قدر ومنزلت کرتے ہیں، اسی لئے امام مالک، امام شافعی و امام احمدؒ سب ہی امام اعظمؒ کے قدر شناس اور مدحت گذار ہیں، جیسے کہ ہونا چاہیئے اس لئے جہاں کہیں اس کے خلاف دوسری قسم کا برتاؤ سامنے آتا ہے تو دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اور بادل نخواستہ اس کو نقل بھی کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے۔ فروعی اختلاف کی بات اس لئے کہی گئی کہ الحمدللہ اصول وعقائد میں کہیں بھی کسی مسئلہ میں ائمہ اربع کی کچھ اختلاف نہیں ہے اور وہ بقول حضرات اکابر "**كأسرة واحدة**" (ایک کنبہ قبیلہ کی طرح) ہیں۔ **رحمهم الله رحمة واسعة و جعلنا ممن يتبعونهم و يعظمونهم. آمين**

اس کے بعد امام بخاریؒ کی دوسری تعریضات وتشنیعات کے مختصر جوابات لکھ کر ہم حنفیہ ومالکیہ کے وہ دلائل (احادیث وآثار) ہی ذکر کریں گے جن کی وجہ سے انھوں نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواضع صلوٰۃ میں ترک رفع یدین کو ترجیح دی ہے، امام بخاری نے الزام لگایا کہ امام صاحب نے عجم کے رہنے والوں کو سنت نبوی سے بے خبر رکھا الخ حیرت ہے کہ اتنی بڑی بات امام صاحب کی طرف منسوب کردی گئی، جس کی جراءت امام بخاری کے سوا کسی نے نہیں کی، جس کو امام بخاری نے ایک وجہ بھی قائم کی ہے کہ وہ عجمیوں میں گھرے ہوئے تھے، گویا اول تو ان کا غلط اثر امام صاحب نے لیا اور پھر ان کو بھی بے راہ کرنا آسان ہوا کہ وہ مرکز شرع شریف حرمین شریفین وغیرہ سے دور تھے، کیا کسی بھی اہل علم کے دماغ میں امام صاحب کے لئے ایسی بات آسکتی ہے؟! اچھا اگر تھوڑی دیر کے لئے امام بخاری کی اس بات کو درست بھی مان لیں تو امام مالکؒ کون سے عجمی ماحول میں تھے، وہ تو مدینہ طیبہ کے ساکن تھے اور انھوں نے جو کچھ اثر لیا تھا وہ تو مدینہ کے ساکنوں سے لیا تھا، وہ ترک رفع

کے قائل وعامل کیوں ہو گئے تھے، پھر اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر کیجئے کہ امام مالکؒ کا موطأ (جس کو صحیحین کی بھی اصل کہا گیا ہے) اس کا جو نسخہ مروج ہے (بروایت یحییٰ مصمودی) اس میں حضرت ابن عمرؓ کی وہ روایت بھی نہیں ہے، جس میں رکوع کو جاتے ہوئے رفع یدین کا ذکر ہے، بلکہ صرف تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع سے سر اٹھانے کے وقت کے رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی طرح دوسرے راویان موطأ یحییٰ بن عبداللہ، قعنبی، امام شافعی، معن و یحییٰ نیشاپوری وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے، جو امام بخاری و شافعی کے مسلک کے موافق نہیں ہوتا، لیکن امام محمدؒ نے جو امام مالک سے روایت کر کے موطأ مرتب کیا ہے (جو آپ کی ترتیب و روایت اور کچھ اضافات کے باعث موطأ امام محمد کے نام سے مشہور ہوا) اس میں رکوع میں جاتے ہوئے بھی رفع یدین کا ذکر موجود ہے امام بخاریؒ ایسے واسع العلم محدث جلیل کے علم میں وہ امام محمد والی روایت والا نسخہ بھی ضرور آچکا ہوگا، کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ جس سنتِ نبویہ کو امام اعظمؒ نے سنت سے دشمنی اور بدعت کی محبت میں یا عجمیوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کے لئے مبہم و پوشیدہ کرنے کی تدبیر کی تھی، اس کو اُن کا ایک تلمیذ رشید اس طرح روایت کر کے واشگاف کر دیتا۔

امام بخاریؒ نے یہ بھی امام معمر کا قول حنفیہ پر تعریض کرنے کے لئے نقل کیا کہ ترجیح الاول فالاول کو ہونی چاہئے اور یہ لوگ الآخر فالآخر کو مقدم کرتے ہیں، کیا ہم اس موقع پر کہہ سکتے کہ امام بخاریؒ سے قبل ایک سو کے قریب احادیث و آثار کے مجموعے تیار ہو چکے تھے، ان کے لکھنے والے امام بخاریؒ، حمیدی، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسحٰق بن راہویہ، نعیم بن حماد خزاعی و محمد بن عرعرہ وغیرہ سے مقدم اور الاول فالاول کے مصداق تھے یا نہیں، اور ان کے لحاظ سے بعد کے محدثین کو الآخرین فالآخر میں داخل کریں گے یا نہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ امام بخاری وغیرہ کے اساتذہ حدیث میں کسی نے بھی رفع یدین کے مسئلہ میں امام صاحب پر امام بخاری کی طرح تشنیع نہیں کی، اور حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے تو اپنی عظیم المرتبت کثیر المنفعت تالیف ''مصنف'' میں ۱۲۵ مواضع میں امام صاحب پر نقد کیا ہے کہ ان مسائل میں امام صاحب نے حدیث کے خلاف کیا ہے، لیکن ان مسائل میں رفع یدین کا مسئلہ شامل ہے نہ قراءۃ خلف الامام کا جبکہ امام بخاری نے دونوں پر مستقل رسالے لکھ کر امام صاحب کے خلاف مواد جمع کر کے سخت و کرخت لہجہ میں طعن و تشنیع کو روا رکھا ہے۔

حافظ ابن ابی شیبہ کے جوابات اکابر امت نے لکھے ہیں، مگر اس وقت ہمارے سامنے علامہ کوثریؒ کا رسالہ ''النکت الطریفۃ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبۃ علی ابی حنیفۃ'' شائع شدہ ہے، جو محدثانہ و محققانہ طرز پر کافی و شافی جواب ہے، مشتغلین علم حدیث کے لئے اس کا مطالعہ نہایت بصیرت افزا ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ نعیم مذکور امام صاحب کے بارے میں جھوٹی روایات گھڑ کر برائیاں ان کی طرف منسوب کیا کرتے تھے، اور وہ بخاری کے راوی بھی ہیں، اگرچہ وہ معانی الآثار میں ترک رفع یدین کے راوی بھی ہیں۔ (افادہ الشیخ الانورؒ)

موطأ امام محمد وغیرہ میں امام محمدؒ وغیرہ کسی باب میں مختلف احادیث و آثار نقل کر کے یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ ان میں سے فلاں حدیث ہماری معمول بہ ہے یا اس کو ہم لیتے ہیں، یہ تو کسی حنفی عالم نے نہیں لکھا کہ ہم فلاں حدیث و اثر کو اپنے بڑوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہیں لیتے یا اس کو معمول بہ نہیں بناتے، موطأ امام محمد، کتاب الحجج امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الاثار امام ابو یوسف، مسند امام اعظم، یا جامع المسانید امام اعظم کس میں امام بخاری کے الزام و اتہام کا ثبوت مل سکتا ہے؟ کلا ثم کلا

افسوس ہے کہ اسی قسم کی تہمت اب تک بھی حنفی مسلک کو بدنام کرنے کے لئے اہل حدیث و غیر مقلدین اپنی کتابوں میں لکھ کر شائع کرتے رہتے ہیں۔ مولانا آزاد نے تذکرہ ص ۲۷ میں بلا کسی سند و حوالے کے یہ عبارت نقل کی۔ **الاصل ان کل آیة و خبر تحالف قول اصحابنا فانها تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل الخ** یعنی جو آیت و حدیث بھی ہمارے اصحاب کے اقوال کے خلاف ہو، اس کو نسخ یا ترجیح پر محمول کرنا چاہئے، اور اولی یہ ہے کہ اس کی تاویل کر لی جائے اور یہ بھی نقل کیا کہ ہر

صورت میں اصحاب مذہب کے اقوال کی تصحیح ضروری ہے اور اسی پر ہر حال میں عمل کرنا ضروری ہے۔

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک نیک نام مذہب کے خلاف بے سند باتیں شائع کر کے اس کو بدنام کیا جائے، پھر ہندوستان کا حال تو مولانا آزاد پر خوب روشن تھا کہ عبدالحق محدث دہلوی سے لے کر خاندان شاہ ولی اللہ اور اکابر دیوبند نے جو کتاب وسنت کی روشنی پھیلائی اور ہمیشہ **قال اللہ وقال الرسول** ہی کا بول بالا کیا۔ کیا وہ اسی قسم کے غلط پروپیگنڈے کے مستحق تھے؟ جس طرح امام شافعیؒ سے یہ منقول ہے کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے، اسی طرح امام اعظمؒ سے بھی ماثور ہے کہ میرے قول ومسلک کے خلاف جب بھی کوئی حدیث واثر سامنے جائے تو اس کے مقابلہ میں میرے قول کو چھوڑ دیا جائے اور بدعت وشرک کی مخالفت میں بھی حنفی مسلک سب سے آگے ہے، یوں بدنام کرنے والے بے سند حوالے کے جو چاہیں کہیں۔

''تذکرہ'' میں اور بھی بہت کچھ مسلک حق اور صحیح تاریخی واقعات کے خلاف مواد موجود ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ وغیرہ کے خلاف بے سند واقعات بھی نقل کر دیئے گئے ہیں، اگرچہ ان کے غیر معتمد ہونے کا بھی اشارہ کر دیا ہے، بھلا ایسے دروغ وبے فروغ کے نقل کرنے کا ہی کیا فائدہ تھا۔ بجز اس کے کہ غیر مقلدوں کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ واللہ المستعان۔

اعلام الموقعین بھی مولانا آزاد کی تحریک پر اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی گئی، جس میں حنفی مسلک کے خلاف بہ کثرت غیر مستند باتیں درج ہیں۔ اور راقم الحروف نے کسی جگہ لکھا تھا کہ دو بڑوں میں کتنا فرق ہے، علامہ ابن تیمیہ فقہ حنفی سے بڑی حد تک مطمئن نظر آتے ہیں اور اس کے بالکل برعکس ابن القیم اس سے سخت برگشتہ ہیں۔

مولانا آزاد اتنے بڑے سلفی تھے، مگر انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ طلاق ثلاث کا مسئلہ سلف وخلف، متقدمین ومتاخرین میں اور ائمہ اربعہ کے یہاں اور آٹھ سو سال تک کس طرح تھا، اور علامہ ابن تیمیہ وابن قیم نے آکر اس کو کس طرح بدل دیا، اور ان دونوں کی عقیدت میں ۸ سو سال کی ساری روایات بھلا کر اپنی تفسیر ''ترجمان القرآن'' ص۳۱۴/۱ میں یہ لکھ دیا کہ ''طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ، تین مجلسوں میں، تین مہینوں میں اور ایک کے بعد ایک واقع ہوتی ہے، اور وہ حالت جو قطعی طور پر رشتہ نکاح قطع کر دیتی ہے، تیسری مجلس، تیسرے مہینے، اور تیسری طلاق کے بعد وجود میں آتی ہے، اس وقت تک جدائی کے ارادے سے باز آجانے اور ملاپ کر لینے کا موقع باقی رہتا ہے''۔ علامہ مودودی نے بھی تفہیم القرآن ص۱۷۴/۱ میں اس بات کو صاف طور سے نہیں بتلایا کہ اگر کوئی شخص خلاف طریقہ مسنونہ ومستحبہ بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ تینوں طلاق واقع ہوں گی یا نہیں یوں تو وہ ہر جگہ تفصیل مذاہب بھی کیا کرتے ہیں، مگر یہاں گول کر گئے، اور ائمہ اربعہ وسلف وجمہور امت کا فیصلہ نہیں بتلایا کہ تینوں واقع ہو جائیں گی اور یہ کہ حالت حیض میں بھی طلاق دینے سے وہ واقع ہو جاتی ہیں بخلاف ما قال بہ ابن تیمیہؒ۔ شاید وہ بھی مولانا آزاد کی طرح اس مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ وابن القیم سے متاثر ہو گئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

واضح ہو کہ امام بخاری نے مستقل باب **"اذا طلقت الحائض یعتد بذلک"** قائم کیا ہے، اور امام مسلم نے بھی حیض کی حالت میں طلاق واقع ہونے کو حدیث کی وجہ سے تسلیم کیا ہے نیز امام بخاری نے بھی حدیث نبوی سے وہی بات سمجھی ہے جو ساری امت نے سمجھی ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق دینے پر وہ تینوں ہی واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ امام بخاری نے **"باب من اجاز طلاق الثلاث"** باندھا ہے اور حدیث ملاعنہ، پھر حدیث عسیلہ اور حدیث عائشہؓ کو روایت کیا ہے، جو تین طلاق دینے کے بارے میں ہیں، پھر امام شافعی وابن حزم نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ جواز ثلاث کے ساتھ کوئی گناہ بھی نہیں ہے، لیکن حنفیہ اور دوسرے اکثر حضرات کے نزدیک یہ وقوع ثلاث گناہ کے ساتھ ہوگا (کما بسطہ ابن عبدالبر فی الاستذکار) پھر بہ کثرت دوسری احادیث بھی مروی ہیں کہ جو ایک لفظ سے بھی تین یا زیادہ طلاق دے گا تو تین واقع ہو جائیں گی، باقی لغو ہوں گی، یہی بات صحابہ وتابعین اور بعد کے حضرات سے ماثور ہے کما فی الموطأ ومصنف ابن ابی شیبہ وسنن البیہقی وغیرہا،

امام ابوبکر رازی جصاص نے احکام القرآن میں آیات، احادیث واقوال سلف نقل کر کے لکھا کہ کتاب وسنت اجماع سلف کے بموجب تین طلاق ایک لفظ سے دینے پر واقع ہوجاتی ہیں اگر چہ اس طرح طلاق دینا معصیت ہے۔

علامہ ابوالولید باجی مالکی نے المنتقی شرح الموطأ میں لکھا۔ جو شخص ایک لفظ سے تین طلاق دے گا، وہ واقع ہوجائیں گی یہ جماعت فقہاء کا فیصلہ ہے اور اس کی دلیل اجماع صحابہ ہے کیونکہ حضرت ابن عمر، عمران بن حصین، عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، ابوہریرہ اور حضرت عائشہؓ سے یہی مروی ہے اور ان کی مخالفت کسی نے نہیں کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے تمہید واستذکار میں سب سے زیادہ دلائل اس مسئلہ پر ذکر کئے ہیں اور اجماع کو بھی ثابت کیا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی اپنی صغرسنی سے ہی علامہ ابن تیمیہ وابن القیم کے بڑے معتقد و متبع تھے، پھر جب بہت سے مسائل میں ان کی غلطی محسوس کی تو عقیدت کم کردی تھی اور مسئلہ طلاق ثلاث میں خاص طور سے ان دونوں کے رد میں رسالہ بھی لکھا "**بیان مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة**" اس رسالہ میں آپ نے لکھا:۔ اس کو اچھی طرح جان لو کہ کسی صحابی یا تابعی یا ائمہ سلف سے (جن کا قول فتاویٰ حلال وحرام میں معتبر ہے، اس بات کی صراحت نہیں ملے گی کہ بعد دخول کے تین طلاق ایک شمار ہوں گی۔

ابوالوفا علامہ ابن عقیل حنبلی نے (جن کے علامہ ابن تیمیہ نہایت مداح ومعتقد ہیں اور ان کے اقوال بڑے اہتمام سے نقل کیا کرتے ہیں) ''التذکرۃ'' میں لکھا کہ اگر کوئی شخص "**انت طالق ثلاثا الا طلقتین**" کہے تو تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی، کیونکہ اس نے اکثر کا استثناء کیا اور ایسا استثناء صحیح نہیں ہے۔''

علامہ ابن تیمیہ کے جد ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام بن تیمیہؒ مؤلف منتقی الاخبار نے اپنے کتاب ''المحرر'' میں لکھا کہ ایک کلمہ یا دو یا تین سے تین طلاق دے گا تو وہ سب واقع ہوں گی، اگر چہ اس طرح طلاق دینا بدعت ہے۔

علامہ بن حزم بھی جو اکثر مسائل میں جمہور سے الگ ہوجایا کرتے ہیں، وہ بھی اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہوجائیں گی۔ اس مسئلہ کی تفصیل و دلائل اپنے موقع پر آئیں گے، ان شاء اللہ، یہاں چونکہ استطرادًا ترجمان القرآن کا ذکر آگیا اور یہ معلوم ہوا کہ اس دور کے جاہل حنفی ان کی تفسیر کے اس مسئلہ سے غلط فہمی میں پڑتے ہیں، تین طلاق کو ایک خیال کر کے بغیر حلالہ کے اپنی بیویوں سے رشتہ نکاح کو باقی سمجھتے ہیں اور اس طرح حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لئے یہاں کچھ لکھنا پڑا، نیز ملک میں دوسرے بعض تیمی خیال حضرات بھی یہ چاہتے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک تصور کرنے کے ابن تیمیہ والے مسلک کو عام کیا جائے، اس لئے پیش بندی کے خیال سے یہ سطور بڑھادی گئیں۔ واللہ المسئول لھدایۃ، مسئلہ طلاق ثلاث کی بحث مکمل ومدلل "**الاشفاق علی احکام الطلاق**" للکوثریؒ میں شائع شدہ ہے، اردو میں علامہ مفتی مہدی حسنؒ (مفتی دارالعلوم دیوبند) کا رسالہ بھی جامع ومانع اور شائع شدہ ہے۔ اور ہمارے قریبی دوست مولانا عامر عثمانی مرحوم نے تو ''تجلی'' کے تین نمبروں میں اتنا کچھ مواد پیش کردیا تھا کہ انصاف پسند اردو داں طبقہ کے لئے اس سے زیادہ مفید مؤثر ومدلل کافی وشافی لکھ دینا سہل ممتنع ہے۔ **حزاہ اللہ عنا وعن سائر الامۃ حیر الجزاء**

(نوٹ) افسوس ہے کہ عامر صاحب کو علامہ کوثری کا مذکور رسالہ باوجود تلاش بسیار کے بھی دیوبند وغیرہ میں نہ مل سکا تھا، پھر بھی انھوں نے مراجعت اصول کر کے اور بڑی محنت وکاوش برداشت کر کے جتنا کچھ لکھ دیا وہ ان ہی کا حصہ وحوصلہ تھا، کیونکہ انھوں نے بہت سے جماعت اسلامی کے اپنے خصوصی احباب کے دیرینہ تعلقات کی بھی رعایت کلمہ حق کہنے کے مقابلہ میں نہیں کی تھی۔ اب ایسے دل گردے کے انسان کہاں ہیں؟! احقر کا احساس یہ ہے کہ آخر میں انھوں نے یہ مضمون اور قادیانیت کے خلاف جو کچھ لکھا، وہ ان کی آخرت کے لئے عظیم القدر ذخیرہ بنا ہوگا۔ **وما ذلک علی اللہ بعزیز**

رفع یدین کو بدعت کس حنفی نے لکھا؟ ہمارے سب اکابر متقدمین اور اب حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی یہی ثابت کیا کہ رفع یدین بھی سنت نبویہ ہے اور ترک رفع بھی سنت نبویہ وسنت صحابہ وتابعین ہے، اختلاف صرف اولیٰ وافضل کا ہے، مکروہ وغیر مکروہ کا بھی نہیں، ہمارے حضرات میں سے آخری دور میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے رفع یدین شروع کیا تھا، اور ایک رسالہ بھی اس بارے میں لکھا تھا، ان کو خیال ہوگیا تھا کہ یہ سنت مردہ ہوگئی ہے، اس کو زندہ کرنے میں سوشہیدوں کا ثواب ملے گا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادرؒ سے فرمایا:۔ ان کو سمجھادیں کہ رفع وترک دونوں ہی سنت ہیں، اور دونوں ہی امت میں معمول بہا ہیں، ان میں سے کسی کو مردہ سنت خیال کرکے اس کو جاری کرنا غلط ہے، تو اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحبؒ نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا تھا اور رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ مولانا کرامت علی جونپوری نے ''ذخیرۂ کرامت'' ص ۲/۲۲۴ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ مولانا شہیدؒ نے اپنے مرشد حضرت سید احمد صاحب قدس سرہٗ کے سمجھانے پر رجوع کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (برہان جولائی ۷۸ء)

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ شاہ ولی اللہؒ پر ایک زمانہ تک عدم تقلید کی طرف بھی رجحان رہا ہے اور انھوں نے رفع یدین کو بھی ترجیح دی تھی مگر آخر میں وہ حنفیت کی طرف زیادہ مائل ہوگئے تھے اور شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ تو نہایت درجہ مسلک حنفی کے پابند تھے اس لئے میں نے لکھا تھا کہ ہمارے اکابر دیوبند کے فکری ومسلکی امام بکل معنیٰ الکلمہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام اعظمؒ کے نہ صرف تلمیذ اعظم بلکہ آپ کے عاشقین صادقین میں سے تھے اور شاید صرف معدودے چند مسائل میں ہی امام صاحبؒ سے الگ رائے اختیار کی ہوگی اور ان میں سے ہی یہ رفع یدین کا مسئلہ ہے، اور یہ اختلاف بھی بہت معمولی نوعیت کا صرف اولویت کا تھا، اور امام صاحبؒ کے ظرف عالی کی داد دینی چاہیئے تھی کہ اپنے شاگرد کی بات پر ذرہ بھر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اس کے برعکس امام ہمام پر یہ ریمارک کیا موزوں تھا کہ وہ گمراہ تھے اور غالی گمراہوں کی طرح جوابدہی کے لئے مدونہ ملنے پر ساکت وحیران رہ گئے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

امام اعظم پر بے علمی کا طعنہ

آخر میں ہمیں اس پر بھی کچھ لکھنا ہے، کیونکہ اتنی بڑی جسارت بھی امام ہمام کے بارے میں امام بخاریؒ کے سوا کسی نے ہمارے علم میں نہیں کی ہے۔ اور اس کو انھوں نے اپنے رسالہ میں بار بار دہرایا ہے کہنے اور لکھنے میں ہر ایک کو آزادی حاصل ہے، مگر کیا وہ مقتدر ہستی جس نے مسلسل تیس بتیس سال تک درس وتدریس اور افتاء وقانون سازی کا وہ لافانی کام انجام دیا جو مذہب حنفی کی بنیاد ہے، اور جس نے چالیس علماء فحول کی مجلس تدوین فقہ قائم کرکے ساڑھے بارہ لاکھ قانونی مسائل کے جوابات مرتب کرائے، جو ان کی زندگی ہی میں الگ الگ عنوانات کے تحت مرتب ہوکر عباسی، سلجوقی، عثمانی اور مغل سلطنتوں کا قانون بن گئے تھے اور ان کے سات آٹھ سو تلامذۂ کبار دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں پہنچ کر درس و افتاء کے مسند نشین اور ساری امت مسلمہ کی عقیدتوں کے مرکز بن گئے تھے، ان کے تقریباً پچاس تلامذۂ قانون اسلامی ایسے حاذق وماہر نکلے کہ جو سلطنت عباسیہ کے قاضی اور جج مقرر ہوئے، اور ہر دور میں امت محمدیہ کے دوتہائی یا تین چوتھائی افراد علماء وعوام ان کے فقہ کی پیروی کرتے رہے ہیں، کیا ایسی عظیم وجلیل شخصیت کے لئے بے علمی کا طعنہ زیب دیتا ہے اور وہ بھی امام بخاری ایسے عظیم المرتبت قابل صد احترام کی جانب سے؟!

ع بشکفت جان ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

یہاں امام اعظمؒ کی شاندار علمی زندگی اور ان کے زندۂ جاوید علمی کارناموں کا تذکرہ موجب طوالت ہوگا، مقدمۂ انوار الباری میں اور پھر ضمناً بھی کچھ نہ کچھ لکھا ہی گیا ہے، اور آئندہ بھی حسب ضرورت لکھیں گے ان شاء اللہ، قریبی دور میں علامہ کوثریؒ اور شیخ ابوزہرہ مصریؒ نے بھی نئے طرز میں کافی تحقیق سے لکھدیا ہے۔

''خلافت و ملوکیت'' میں علامہ مودودی نے بھی باب ہفتم و ہشتم میں جو قیمتی ذخیرہ امام اعظمؒ کے بارے میں یکجا کر دیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے، یوں ہمیں علامہ کے بہت سے نظریات سے اختلاف بھی ہے مذکورہ بالا کتاب میں بھی ہمارے نزدیک متعدد مقامات مخدوش ہیں، ان کے لئے مولانا محمد تقی عثمانی عم فیضہم کی کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق شائع کردہ الجمعیۃ بکڈپو دہلی کا مطالعہ کیا جائے۔ اور ان کی تفسیر پر بھی ہمارے تقریباً ایک سو ایرادات ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ کسی کی بہتر خدمت و سعی کی داد نہ دینا بھی غیر موزوں بات ہے۔ واللہ المسئول للحق والصواب۔

ترجیح ترک رفع یدین کی احادیث

(۱) سب سے پہلی دلیل و حجت تو حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے، جس کو خود امام اعظمؒ نے بھی امام اوزاعی سے مناظرہ کے وقت پیش کیا تھا، جبکہ امام اوزاعی نے یہی بخاری والی حدیث زہری عن سالم عن ابن عمر پیش کی تھی، اور فرمایا تھا کہ اے امام! آپ کی بات ترک رفع کی کیسے صحیح ہو سکتی ہے جبکہ ایسی عالی سند کے ساتھ ہم رفع کی حدیث پیش کر رہے ہیں؟ اس پر امام اعظمؒ نے جواب دیا تھا کہ ہم سے حماد نے عن ابراہیم عن علقمۃ والاسود عن ابن مسعودؓ روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے، امام اوزاعی نے کہا کہ میں تو آپ کے سامنے ایسی عالی سند کے ساتھ زہری عن سالم عن ابیہ والی روایت پیش کر رہا ہوں اور آپ حماد الخ کو مقابلہ میں لا رہے ہیں جبکہ اس کی سند اتنی عالی نہیں ہے، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ آپ نے صرف سند کا علو دیکھا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ہماری روایت کے ایک راوی حماد ہیں جو زہری سے افقہ ہیں، دوسرے ابراہیم ہیں جو سالم سے افقہ ہیں، تیسرے علقمہ ہیں جو فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں ہیں۔ اور اگر حضرت ابن عمر کے فضل صحبت پر نظر کی جائے تو علقمہ کے ساتھ اسود بھی ہیں جن کے لئے فضل کثیر ثابت ہے، پھر آگے روایت کرنے والے حضور اکرم ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں ان کی بڑائی عظمت و فضل کا تو ذکر ہی کیا؟ یہ سن کر حضرت امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔

اس مناظرہ کا حال ہمارے شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے لکھ کر فرمایا کہ امام اوزاعی نے تو حدیث رفع یدین کی تائید علو سند سے کی تھی، ہمارے امام صاحب نے حدیث ترک کی تائید فقہ رواۃ سے کی، اور یہی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے (اور شاید اسی لئے امام اوزاعی نے سکوت اختیار فرمایا)

علامہ ملا علی قاریؒ (شارح مشکوٰۃ شریف) نے لکھا کہ بعض لوگوں نے یہ بات بھی چلتی ہوئی کہہ دی ہے کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو بخاری والی روایت نہ پہنچی ہوگی، حالانکہ یہی بخاری والی روایت تو مناظرہ کے وقت پیش کی جا رہی تھی جو بہت بعد کو امام بخاری کو پہنچی، اور اس کو انھوں نے صحیح بخاری میں درج کر دیا ہے اور چونکہ وہ اپنے اختیار کردہ مسلک کے خلاف والی حدیث کی روایت کرتے ہی نہیں، اس لئے عبداللہ بن مسعود کی روایت کو بخاری میں نہیں لیا ہے، علامہ قاری نے اس موقع پر یہ بھی لکھا کہ احادیث نبویہ صحیحہ نصر اللہ امرأ سمع منا شیئا الخ اور رب حامل فقہ غیر فقیہ و رب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ سے بھی امام صاحب ہی کے اصول کی تائید ہوتی ہے کہ راوی غیر فقیہ سے فقیہ و افقہ راوی کی روایت زیادہ قوی و محکم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم کے شرعی فیصلے اپنی رائے سے نہیں بلکہ احادیث نبویہ ہی کی روشنی میں ہوتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی یہ بات بالکل صحیح تھی کہ ابوحنیفہؒ کی رائے مت کہو کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حدیث نبوی ہی کے مطالب و معانی ہوتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ترک رفع کی ترجیح کے لئے یہ روداد مناظرہ ہی کافی ووافی ہے کیونکہ یہ مناظرہ امام صاحب کا کسی معمولی شخص سے نہیں

---

[1] اسود اخص تلامذہ حضرت ابن مسعودؓ تھے، حضرت عائشہؓ سے مہمات امور شرعیہ میں بہ کثرت سوالات کیا کرتے تھے، برادر علقمہ کے بیٹے تھے کوئی سال نہیں ترک کیا جس میں حج نہ کیا ہو، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ہدایا بھیجتے تھے، رواۃ کوفہ میں سے ہیں اور ان کا مذہب ترک رفع یدین تھا، اس سے ان کی جلالت قدر، اپنے اکابر اساتذہ سے علمی استفادات کے بعد ان کے مختارات کی قیمت پہچانی جائے (انوار نور)

ہوا تھا، امام اوزاعی بڑے فقیہ، مجتہد ومحدث ومتکلم تھے، اسی لئے ایک عرصہ تک باقاعدہ ان کا مذہب بھی امت کے اندر جاری رہا تھا۔ اس لئے بعد کے حضرات، سے ان کا کیا مقابلہ جو دوسری صدی میں آئے، اور ان کے مذہب ومسلک کا چلن چند روز کے لئے بھی نہ ہو سکا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ امام صاحب کی دلیل سن کر خاموش ہو گئے، جس طرح امام صاحب اپنے تلمیذ ابن مبارک کی بات طیران والی سن کر خاموش ہو گئے تھے، اس کو امام بخاری نے امام صاحب کی غوایت (گمراہی بتلائی) حالانکہ حق بات سن کر خاموش رہنا یا تسلیم ہی صحیح طریقہ ہے امام صاحب جانتے تھے کہ رفع وترک دونوں ہی سنت ہیں اگر شاگرد نے دوسری سنت کو اختیار کر لیا اور اپنی ذہانت سے اس کے لئے ایک توجیہ بھی نکالی تو اس میں کیا مضائقہ ہے، پھر وہ اس لئے بھی خاموش ہوئے ہوں گے کہ عبداللہ بن مبارک کی اس توجیہ کے بعد کوئی یہ نہ کہہ دے کہ حضور علیہ السلام نے تشہد کے بعد سلام پھیرنے کے وقت جو نکیر فرمائی کہ یہ کیا شریر وشوخ گھوڑوں کی طرح ہاتھ اٹھا اٹھا کر اشارے کر رہے ہو۔

نماز میں سکون کو لازم پکڑو یہ حدیث صحیح مسلم شریف وغیرہ کی ہے، جب حضور علیہ السلام نے ختم نماز پر بھی سکون کی تاکید فرمائی، تو کیا نماز کے اندر بار بار ہاتھ اٹھانے کو پسند فرماتے، ہاں حسب تحقیق حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ صحیح صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائی دور رسالت میں توسع تھا، ہر تکبیر پر بھی رفع یدین ہوا ہے، جس کے بارے میں امام اوزاعی نے بھی فرمایا تھا کہ یہ پہلی بات تھی، پھر پانچ چھ بار ہاتھ اٹھانے کی بات باقی رہی کہ امام بخاری نے علاوہ قبل الرکوع وبعد الرکوع کے دوسرے رفع بھی حدیث سے ثابت کئے ہیں اور غالباً ان کا مسلک بھی امام شافعی وغیرہ سے زیادہ بار ہی نماز میں رفع یدین کا ہے اس کے بعد یہ دو بار کا باقی رہا، جس کے امام احمد وامام شافعی قائل ہوئے، اور ابن عمر کی مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہیں، پھر آخر میں دائرہ اور بھی تنگ کر دیا گیا کہ صرف ابتداءِ صلوٰۃ میں رفع یدین باقی رہا، اور سب مرجوح ہو گئے اور اسی آخری سنت نبویہ پر اہلِ مدینہ عامل تھے اور سارے اہلِ کوفہ بھی جہاں پر سینکڑوں صحابہ جا کر آباد ہوئے تھے۔ اسی لئے حضرت امام مالکؒ وامام ابوحنیفہؒ اور دونوں کے اصحاب وتبعین نے ترکِ رفع کو ترجیح دی، لیکن بدعت رفع یدین کو بھی نہیں کہا، اور امام مالک سے تو ایک قول کراہتِ رفع یدین کا ہے بھی، امام اعظم سے ایسا بھی نہیں ہے، نہ کبارِ حنفیہ میں سے کسی نے اس طرح طعن وتشنیع رافعین پر کی، جس طرح دوسروں نے حنفیہ ومالکیہ پر کی ہے،

حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری میں فرمایا تھا کہ یہ حدیث جو بخاری لائے ہیں مالک بن حویرثؓ کی ہے جو بصرہ میں تھے اور حدیث ابن عمرؓ کی لائے ہیں جو مدینہ میں تھے، پھر فرمایا کہ مکہ معظمہ کے لوگوں میں رفعِ یدین کے نقل کرنے والے سب کم عمر کے ہیں، اور اہل کوفہ تو سب ہی ترکِ رفع کی روایت کرتے ہیں، پھر صحابۂ کرام میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت براء بن عازبؓ (بڑی عمر کے صحابہ) سب ترکِ رفع کرتے تھے (کما رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ص۱\۲۳۶) ان بڑوں کے مقابلہ میں حضرت ابن عمر وغیرہ کی روایت کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔

امام بخاری نے جزءِ رفع یدین میں اس بات پر بھی خفگی کا اظہار کیا ہے کہ ابن عمر کو لوگ کم عمر کا بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں صغیر تھے، اور جوابی طور سے امام بخاری نے لکھا کہ حضور علیہ السلام نے ان کو رجل صالح کہا ہے، کوئی بتلائے کہ وصفِ صلاح کی وجہ سے ان کے صغیر السن ہونے کی نفی کیسے ہو گئی، اور کیا صلاح کی وجہ سے وہ کبارِ صحابہ کی صف میں شامل ہو گئے؟ اس سے بھی بڑی مشکل یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے استاذِ حدیث محدثِ شہیر ابن ابی شیبہؒ نے (جو امام اعظم کے بڑے مخالفین میں بھی ہیں اگرچہ امام بخاری سے کم ہیں) ایک روایت اپنے مصنف ص۱\۲۳۷ میں ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد یہ بھی روایت کر دی کہ میں نے حضرت ابن عمر کو نہیں دیکھا کہ وہ بجز افتتاحِ صلوٰۃ کے نماز میں کسی جگہ رفعِ یدین کرتے ہوں،

اس سے معلوم ہوا کہ خود راویِ حدیثِ بخاری ابن عمرؓ نے بھی عملاً ترکِ رفع کر دیا تھا۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو راوی خود اپنی روایت

کے خلاف عمل کرے وہ اس کی روایت کے مرجوح ومتروک العمل ہونے کی علامت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد ملاحظہ کیجئے کہ امام ترمذی نے بھی اس حدیثِ عبداللہ بن مسعود کی روایت کی اور تحسین بھی کی۔ بلکہ ایک نسخۂ ترمذی کے مطابق ان کی حدیث پر ترک رفع یدین کا باب بھی باندھا، جو متداول مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

امام ابوداؤد نے مستقل باب **من لم یذکر الرفع عند الرکوع** قائم کر کے حدیث ابن مسعود کو ذکر کیا، پھر دوسری حدیث حسن بن علی سے نقل کی کہ نماز میں ایک ہی بار شروع میں رفع یدین کیا ہے، پھر حضرت براء سے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ شروع نماز پر رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے، اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ سے بھی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ دراز کر کے اٹھاتے تھے۔ بذل المجہود میں رفع وترک کی بحث پوری تفصیل ودلائل کے ساتھ قابلِ مطالعہ واستفادہ ہے)

امام نسائی نے باب **رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع** قائم کر کے حدیثِ ابن عمرؓ روایت کی۔ پھر آگے دوسرا باب **الرخصۃ فی ترک ذلک** لائے، جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں صرف ایک بار رفعِ یدین تھا۔

اسی طرح محدث ابن ابی شیبہ نے ایک باب **"من کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ"** قائم کر کے رفعِ یدین کی روایات جمع کیں تو دوسرا باب **"من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود"** قائم کیا، جس میں ترکِ رفع کی احادیث ذکر کیں۔ (ص۲۳۴؍۱ تا ص۲۳۷؍۱) ابن حزم نے محلی میں حدیث ابن مسعودؓ روایت کر کے اس کی تصحیح بھی کی۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے جو مع تصحیح کے درج ہے۔ دار قطنی نے بھی اس کو مع تصحیح کے روایت کیا۔ ابن القطان ودار قطنی وامام احمد نے تصحیح کے ساتھ لفظ **ثم لم یعد** کو منکر بتلایا اور یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ وہ ایک ایک لفظ پر ڈیرے ڈال کر چھان بین کرتے ہیں، اور جب کسی لفظ میں شبہ ہو تو منکر کہہ دیتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حدیثِ صحیح کا سارا مضمون ہی مشتبہ یا منکر ہو گیا بلکہ صرف اس لفظ کے بارے میں منکر ہونے کا حکم ہوتا ہے، اگر چہ اسی لفظ کے ہم معنی دوسرے الفاظ دوسری احادیث صحیحہ کے معروف اور غیر منکر ہوں، چنانچہ دوسری احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ صرف ایک مرتبہ شروع میں رفع یدین ہوا، یا افتتاح صلوٰۃ کے علاوہ نہیں ہوا، وہ الفاظ زیرِ بحث نہیں آئے ہیں۔

اس کے علاوہ امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں، امام طحاوی نے اپنی شرح معانی الآثار میں، امام بیہقی نے سنن میں، سب ہی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ذکر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول جو امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے بارے میں ذکر کیا وہ بھی اس روایت کے مرفوع ہونے کے بارے میں ہے خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فعل ترک رفع کے وہ بھی منکر نہیں ہیں، چنانچہ خود ان کی اپنی روایت نسائی میں موجود ہے۔ جو امام نسائی نے ترکِ رفع کے باب میں نقل کی ہے۔ اور جس طرح محدثین نے ایک ایک لفظ پر بحث کی ہے، رفع ووقف کے بارے میں بحث وتحقیق سب نے کی ہے اور جس کو بھی مثلاً رفع کے بارے میں اطمینان نہ ہوا اس نے اس کا انکار کر دیا اور جس کو اطمینان ہوا اس نے مرفوع ہونے کی صراحت کر دی۔ پھر جبکہ اس امر کو سارے ہی محدثین کبار نے تسلیم کر لیا کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ہمیشہ ترک رفع کیا، اور آپ کے اصحاب نے بھی، جن میں بہ کثرت صحابہ بھی تھے، اور سارے اہل کوفہ تارکینِ رفع تھے۔ مدینہ طیبہ کے ساکنین حضرت امام مالک کے زمانہ میں تارکینِ رفع تھے، اور دوسرے بلادِ اسلامیہ میں بھی ضرور حضرت ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ وغیرہ کبارِ صحابہؓ کے عمل کو دیکھ کر ترکِ رفع ہی پر عامل ہوں گے، اور بقول حضرت علامہ کشمیریؒ مدینہ میں بھی تعامل ترکِ رفع کی وجہ سے ہی حضرت ابن عمر کو یہ خیال آتا ہوگا کہ کہیں رفع یدین کی سنت بالکل متروک ومنکر ہی نہ بن جائے، اور اسی لئے وہ کچھ لوگوں کو کنکری بھی مار کر توجہ دلاتے ہوں گے۔ اس سے کیا ہوا جبکہ سنت تو رفع وترک دونوں ہی تھیں، حضرت ابن عمرؓ اپنے اس جذبہ میں سب سے ممتاز تھے ہی کہ حضور علیہ السلام کی کوئی سنت

متروک نہ ہونے پائے، اور وہ ہر ہر سنتِ نبویہ پر بڑی سختی سے عمل کرنے کے عادی تھے۔ اس سے بعد کے حضرات نے حنفی مسلک کو گرانے کے منصوبہ کے تحت سندوں کو آڑ بنا کر وہ سب کیا، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اور اب تک بھی معاندین حنفیہ ایسے ہی طریقوں کو اپنا کر خلاف پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی.

امام بخاری کا غیر معمولی تشدد

ان شاء اللہ العزیز اس مسئلہ کی پوری بحث پڑھ کر ناظرین فیصلہ کرلیں گے کہ کیا واقعی امام صاحب احادیث وآثار وسنن نبویہ سے نفرت کرنے والے تھے اور بدعت ان کے لحم ودم میں سرایت کرگئی تھی، جیسا کہ امام بخاری جیسے عالی مرتبت نے ان پر الزام لگایا، اور بخاری میں بھی کتاب الاکراہ ص ۱۰۲۷ وص ۱۰۲۸ میں دو جگہ قال بعض الناس کہہ کر امام صاحب کو مطعون کیا ہے، اسی موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری میں فرمایا تھا کہ امام بخاری نے یہاں امام اعظمؒ پر تشنیع کی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں فقہِ حنفیہ سے پوری واقفیت حاصل نہ تھی اگرچہ وہ کہتے یہی تھے کہ فقہِ حنفی کا مطالعہ کیا ہے لیکن ان کی کتاب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انہیں اس کا تحقیقی علم نہ تھا اور کچھ باتیں بے تحقیق بھی سنی تھیں اور ان کا یقین کرلیا تھا، پھر ان پر اعتراضات کرتے رہے جو ان کی شان وجلالتِ قدر کے لئے موزوں نہ تھے، وہ اگر صحیح طور سے جانتے کہ فقہِ حنفی میں اکراہ کی حقیقت کیا ہے تو اعتراض نہ کرتے۔ ان مسائل کی تحقیق اپنے موقع پر آئے گی۔ ان شاء اللہ

حضرتؒ نے پھر کتاب الحیل میں بھی فرمایا کہ اس کتاب میں ۱۹ جگہ امام صاحب پر حملے کئے ہیں، اور یہاں تک کہہ دیا کہ امام صاحب نے مسلمانوں میں خداع وفریب کو رائج کردیا، ایک جگہ کہہ دیا کہ امام صاحب نے ہبہ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کی ہے اور زکوٰۃ ساقط کردی ہے۔ (بخاری ص ۱۰۲۹ تا ص ۱۰۳۲)

حضرتؒ نے فرمایا کہ امام بخاری نے جوازِ حیلہ اور نفوذِ حیلہ میں فرق نہیں کیا، اس لئے جتنے اعتراض قول بالجواز پر ہو سکتے تھے وہ سب قول بالنفاذ پر کرگئے۔ حالانکہ دونوں میں واضح فرق ہے کیونکہ ایک چیز کا ارتکاب شرعاً ممنوع وناجائز ہوتا ہے تاہم اس کو کوئی کرگذرے تو اسکو واقع تو ماننا ہی پڑے گا، جس طرح کوئی زمانۂ حیض میں طلاق دے جو شرعاً محظور وممنوع ہے، تو اس کو واقع ونافذ تو ماننا ہی پڑے گا۔ الخ

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہر بعض الناس پر پوری تفصیل کرکے مدلل وشافی جوابات دیئے ہیں جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کئے جائیں گے۔ (یہاں یہ بات ضمناً یاد آگئی، اس لئے اشارہ کردیا گیا)۔

حدیثِ ابن مسعودؓ کی بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بیشتر اکابر محدثین نے اس کو تسلیم کیا ہے اور اس سے تو کسی نے بھی انکار نہیں کیا کہ خود ان کا عمل ترکِ رفع ہی تھا اور ہمیشہ رہا، حتیٰ کہ ابن مبارک بھی اس سے منکر نہیں ہوئے، اس پر بھی امام بخاری کے اس دعوے کو کیا کہیں گے کہ کسی صحابی سے ترکِ رفع ثابت نہیں ہوا۔ کیا ابن مسعودؓ صحابی نہیں تھے؟ اور صحابی بھی ایسے کہ برسوں حضور علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح بطور خادمِ خاص رہے، اور ایسے کمالات کے صحابی کہ حضرت عمرؓ ایسے جلیل القدر صحابی اور دوسرے حضرات نے ان کے علم وفضل کی تعریف بے حد وغایت کی ہے، اس کے باوجود اگر ان سے ساری عمر میں کوئی لغزش ہوگئی ہے یا نسیان کہ وہ معصوم تو بہرحال نہ تھے تو ان کی ترکِ رفع کو بات کو گرانے کے لئے اتنی باتیں نکالی گئیں کہ حد وبس ہے، کیا یہی انصاف کا تقاضہ تھا؟ کیا امام بخاری کا یہ دعویٰ سارے محدثین کی تصریحات اور تاریخی حقیقت کے خلاف نہ تھا؟ اس پر اگر ہم کچھ عرض کریں تو سارے اہلِ حدیث بھائیوں کو شکوہ کہ امام بخاری کا ادب نہیں کیا۔ ''کوئی بتلائے کہ اب ہم کیا کریں؟'' کوئی یہ نہ سمجھے کہ انہیں امام بخاری کا بڑا ادب ملحوظ ہے، ورنہ سب ہی بڑے ان کی نظر میں ایک ہوتے ان کا مقصدِ وحید تو صرف اپنی مزعومہ سلفیت کی تائید اور ائمۂ مجتہدین کے خلاف اپنے الگ مسلک کی ترویج ہے، چونکہ حسب تصریح

صاحب دراسات اللبیب وغیرہ امام بخاری بھی ''اصحاب الظواہر'' میں سے تھے، اور ان کے فقہی مسلک اور روایات سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے، پھر ان کی مخالفتِ حنفیہ سے بھی ان کا دل خوش ہوتا ہے، اس لئے ان کے ادب کی آڑ لے کر ہمیں مطعون کرنا چاہتے ہیں۔ والعلم عند اللہ

۱۲، حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ جب افتتاحِ صلوٰۃ کی تکبیر کہتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھاتے کہ ان کے انگوٹھے دونوں کانوں کی لو تک پہنچ جاتے تھے، پھر نہیں اٹھاتے تھے (ابن ابی شیبہ ابو داؤد وطحاوی) ابو داؤد نے اس کے طرقِ روایت میں کلام بھی کیا ہے، جس کا مفصل رد و جواب تنسیق النظام میں دیکھا جائے (معارف واوجز)

نیز معارف السنن ص ۴۸۹\۲ میں لکھا کہ سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ہشیم، شریک، اسماعیل بن زکریا، اسرائیل بن یونس اور حمزہ زیات سب ہی یزید بن ابی زیاد سے بہ لفظ ''ثم لا یعوذ'' روایت کرتے ہیں اور شعبہ نے بھی اس کے مرادف وہم معنی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے، پھر بھی کیا انصاف کا تقاضہ اس روایت کو ساقط کرنے ہی میں ہے؟ اور سارا جھگڑا اس لئے کھڑا کیا گیا ہے کہ یہ ان کے مسلک کے خلاف ہے، اور حق یہ ہے کہ اس روایت کو ساقط کر دینا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے **کلا ثم کلا**. الخ۔

(۳) حدیثِ عباد بن الزبیرؓ مرسلاً کہ رسولِ اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اول صلوٰۃ میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ختم نماز تک کسی موقع پر نہ اٹھاتے تھے۔ (بیہقی فی الخلافیات کمافی نصب الرایہ ص ۴۰۴\۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس کے رجالِ سند کی تحقیق کی تو حدیث کو صحیح پایا۔ بعض کتبِ حنفیہ میں غلطی سے اس حدیث کو عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جس پر ابن جوزی نے تشنیع کی ہے مجمع الزوائد میں بھی غلطی ناسخین سے عبداللہ بن زبیر ہی درج ہو گیا ہے۔ باقی تفصیل نیل الفرقدین ص ۱۲۴ میں ہے (معارف ص ۴۹۶\۲ واوجز)

(۴) حدیثِ ابن عمرؓ مرفوعاً کہ نبی اکرم ﷺ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے، (بیہقی فی الخلافیات والزیلعی فی نصب الرایہ ص ۴۰۴\۱) حاکم نے اس کو باطل وموضوع کہا، مگر اس کی تخریج زیلعی کی سند صحیح ہے، اور حضرت ابن عمرؓ سے فعلاً ترکِ رفع روایتِ مجاہد سے ثابت ہے تو پھر اس روایتِ مرفوعہ کی صحت میں بھی استبعاد نہیں ہے، حاکم کا جواب نیل ص ۱۳۷ میں ہے۔ (معارف ۴۹۷\۲)

(۵) حدیث ابنِ عباسؓ (جو ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے) کہ حضور علیہ السلام نے سات جگہوں کے علاوہ رفعِ یدین سے منع فرمایا (طبرانی مرفوعاً، ابن ابی شیبہ موقوفاً، جزء رفع الیدین للبخاری تعلیقاً عن ابن عباس ومرفوعاً عن ابن عمرو بزار وبیہقی وحاکم موقوفاً ومرفوعاً عنہما کمافی الزیلعی (اوجز ص ۲۰۶\۱)

(۶) حدیثِ جابر بن سمرہؓ، **مالی اراکم رافعی، ایدیکم کانھا اذ ناب خیل شمس، اسکنوا فی الصلوٰۃ** (مسلم، ابو داؤد والنسائی) اس کو صرف سلام نماز کے وقت کے لئے قرار دینا غلط ہے کیونکہ الفاظ عام ہیں، دوسرے یہ کہ حدیثِ مذکور دو طریقوں سے مروی ہے، تمیم بن طرفہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام تشریف لائے اور آنے نماز کے درمیان لوگوں کو ایک کے بعد ایک کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا اور منع کی اور نماز میں سکون اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا، دوسری روایتِ عبید اللہ القبطیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز ہو رہی تھی، اور آپ نے سلام کے وقت لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر اس سے روکا اور سلام کا طریقہ سمجھایا۔ اس روایت میں **اسکنوا فی الصلوٰۃ** نہیں ہے۔ اس لئے کہ نماز سے نکلنے کے وقت کیا تھا۔ (اوجز ص ۲۰۶\۱ و فتح الملہم ص ۱۴\۲)

امام بخاری کا نقد اور تشدد

آپ نے جزء رفع الیدین میں لکھا:۔ بعض بے علم لوگوں نے حدیث جابر بن سمرہ سے بھی ترکِ رفع پر استدلال کیا ہے حالانکہ وہ تشہد میں ہے نہ کہ قیام میں۔ لوگ تشہد میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے، اس کو آپ نے منع فرمایا۔ اس کے بعد امام بخاری نے لکھا کہ اس حدیث سے استدلال وہ شخص نہیں کرے گا جس کو کچھ بھی علم کا حصہ ملا ہو۔ اور اگر اس کی بات صحیح ہوتی تو نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت اور نماز عید

کی تکبیرات کے وقت بھی رفعِ یدین ممنوع ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں کوئی استثناء نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے جابر بن سمرہ کی دوسری حدیث بھی نقل کی اور لکھا کہ اس سے ڈرنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کر دی جائے جو آپ نے نہیں فرمائی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اس کے حکم کے خلاف کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی آزمائش وفتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا خدا کی طرف سے ان پر عذابِ الیم نازل نہ ہو جائے۔

اس کے بعد کم علم لوگوں کے جوابی معروضات ملاحظہ ہوں: ۔ امام مسلم نے "**باب الامر بالسکون في الصلوة**" میں پہلے تمیم بن طرفہ کی روایت سے جابر بن سمرۃ سے حدیث نقل کی کہ حضور علیہ السلام ہماری طرف نکل کر آئے اور فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں ہاتھ اٹھاتے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے کہ گویا وہ بے چین ومضطرب گھوڑوں کی دم ہیں۔ نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ دوسری حدیث عبید اللہ بن القبطیہؒ کی روایت سے جابر بن سمرہ ہی سے اس طرح روایت کی کہ جب ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، تو ہم ایک دوسرے کو **السلام علیکم ورحمة الله، السلام علیکم ورحمة الله** کہا کرتے تھے، (راوی نے دائیں بائیں اشارہ کر کے بتلایا) تو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ۔ گھوڑوں کی ہلتی ہوئی دموں کی طرح ہاتھوں سے اشارے کیوں کرتے ہو؟ بس اتنا کافی ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے رہیں اور دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کہو۔

مسلم میں تیسری حدیث بروایت عبید اللہ ہی جابر بن سمرہؓ سے اس طرح ہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی پس جب ہم سلام پھیرتے تھے تو اپنے ہاتھوں کے اشارہ کے ساتھ **السلام علیکم ورحمة الله** کہا کرتے تھے، رسولِ اکرم ﷺ نے ہماری طرف دیکھا تو فرمایا: ۔ یہ کیا تم گھوڑوں کی ہلتی ہوئی دموں کی طرح ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے ہو؟ سلام پھیرتے وقت اپنی بھائی کی طرف رخ کرنا کافی ہے، ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

ہم نے تینوں حدیث نقل کر دیں تا کہ بات صاف ہو جائے، اور ہر شخص سمجھ سکے کہ سب میں ایک ہی مضمون ہے یا الگ الگ موقع پر حضور علیہ السلام نے جدا جدا ہدایت دی ہے۔ ایک تو یہی فرق ہے کہ حضور نے باہر سے نماز کے اندر لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا، اور دوسرے موقع پر خود حضور علیہ السلام نے جماعت سے نماز پڑھائی اور سلام کے وقت ہاتھوں کے اشارے دیکھے، نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا رفعِ یدین کی صورت بنتا ہے اور سلام کے وقت ہاتھوں سے اشارہ دوسری طرح ہوتا ہے، اس میں رفعِ یدین نہیں ہوتا۔

جس موقع پر آپ نے باہر سے دیکھا اور رفعِ یدین کو روکا اس کے ساتھ نماز کے اندر سکون کا بھی حکم دیا، اور جب سلام کے وقت دیکھا تو نماز ختم ہو رہی تھی، اس موقع پر **اسکنوا فی الصلوة** کا نہ موقع تھا اور نہ آپ نے فرمایا۔ نہ راوی نے اس کو ذکر کیا۔

بذل المجہود ص ۲/۸ میں زیادہ بہتر طریقہ پر امام بخاری کے نقد کا جواب دیا گیا ہے۔ اس میں مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی ومسند احمد سب کی روایتوں کے حوالے نقل کئے ہیں اور نسائی میں راوی نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ حضور علیہ السلام ہماری طرف نکل آئے تو ہم نماز کے اندر تھے، اور ہم نے اپنے ہاتھ نماز کے اندر اٹھائے تھے، یہاں شوکانی نے بھی کچھ دخل دیا ہے، جس کا جواب ملا علی قاری اور زیلعی نے خوب دیا ہے۔ اور صاحب عون المعبود نے لکھا کہ طحاوی وعینی ایسا جواب دیتے تو تعجب نہ تھا۔ امام زیلعی ایسے محدث کبیر ومنصف کے جواب پر بہت تعجب ہے، اور کہا کہ جب راوی جابر بن سمرہ ایک ہے تو حدیث بھی ایک ہی ہونی چاہئے، اس کو نقل کر کے صاحبِ بذل نے لکھا کہ اگر صاحبِ عون المعبود کو علومِ نبوۃ سے کچھ حصہ ملا ہوتا تو نہ وہ امام زیلعی کی تحقیق پر تعجب کا اظہار کرتے اور نہ دوسری بات کہتے کیونکہ آج تک کسی بھی اہلِ علم نے وحدتِ راوی سے وحدتِ مرویات پر استدلال نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ وہ امام بخاری کے مقلد محض ہیں اور خود کے علم میں کمی ہے، اس لئے ایسی بات لکھ گئے اور امام بخاری کی تائید کر دی۔ رہا امام بخاری کا تکبیر تحریمہ وتکبیراتِ عیدین والا اشکال تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیرِ تحریمہ

کے وقت کا رفعِ یدین حضور علیہ السلام سے بلا خلاف ثابت ہے (اور وہ نماز کے شروع کے لئے ہے، داخلِ صلوٰۃ بھی نہیں) اور اس کا ترک بھی حضور سے ثابت نہیں جس طرح رکوع کے وقت کا ترک احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ اور عیدین کا رفعِ یدین حنفیہ کے یہاں اختلافی ہے، امام ابو یوسف نے اس کا انکار کیا ہے۔ لہٰذا الزام تام نہیں۔ (بذل المجہود ص۲\۹)

(۷) حدیث سیدنا علیؓ کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر پر رفعِ یدین کرتے تھے، پھر رفع نہیں کرتے تھے، یہ اثر صحیح ہے اور موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے، (طحاوی، ابن ابی شیبہ، بیہقی و کتاب الحجج والموطأ للامام محمد) حافظ ابن حجر نے بھی اس کے رجال کی توثیق کی، عینی نے اس کی سند کو شرطِ مسلم پر بتلایا۔ (اوجز ص۱\۲۰۶)

رجال و رواۃِ احادیثِ رفعِ یدین کی زیادہ بہتر، مفصل و مدلل بحث اعلاء السنن ص۳\۱۳ و ص۳\۵۵ میں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے رسائل نیل الفرقدین وغیرہ میں ہے،

ترجیح ترکِ رفع یدین کے آثار

(۱) اثر حضرت عمرؓ (طحاوی و بیہقی و ابن ابی شیبہ) سندہ علی شرط مسلم (اوجز ص۱\۲۰۶) (۲) اصحاب علیؓ (ابن ابی شیبہ) (۳) اصحاب ابن مسعودؓ (ابن ابی شیبہ) (۴) حضرت ابو ہریرہؓ (کتاب الحجج من طریق مالک) (۵) حضرت ابن عمرؓ (موطأ امام محمدؒ، طحاوی، ابن ابی شیبہ و بیہقی فی المعرفۃ وسندہ صحیح) (۶) ابو سعید خدری (بیہقی) (۷) ابوبکر بن عیاش نے (جو رجالِ بخاری میں سے ہیں اور ثوری، ابن مبارک و امام احمد وغیرہم کے مشائخ میں سے ہیں کہ) کہ میں نے کسی فقیہ کو نہیں دیکھا جو رفع یدین کرتا ہو بجز تکبیر تحریمہ کے۔ (طحاوی) (۸) شعبی (ابن ابی شیبہ) (۹) قیس (〃) (۱۰) ابن ابی لیلیٰ (〃) (۱۱) اسود (〃) علقمہ (〃) (۱۳) ابو اسحٰق (〃) یہ سب صرف افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

نوٹ: ان میں سے حضرت علی و حضرت ابن عمر وغیرہ ایسے صحابی بھی ہیں جن سے مرفوعاً رفع یدین مروی ہے اور خود ان کے عمل سے ترکِ رفع عند الرکوع بھی مروی ہے، تاہم حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً بھی اور خود ان کے عمل سے بھی ایک ہی بات نقل ہوئی ہے کہ بجز تحریمہ کے رفع یدین نہیں ہے۔

اصولی اعتبار سے جن صحابۂ کرام سے باوجود روایتِ حدیث کے بھی خود اس کے خلاف عمل ثابت ہو تو وہ اس حدیث کے نسخ کی علامت قرار دیا گیا ہے، پھر حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب سے نیز حضرت ابن مسعودؓ اور آپ کے اصحاب سے بھی ترکِ رفع عملاً ثابت ہوا تو اس سے یہی بات راجح ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کا آخری عمل ترک ہی دیکھا ہوگا، مگر چونکہ یقینی بات نہیں ہے، اس لئے سنت رفع و ترک دونوں کو ہی مانا جائے گا، البتہ ترجیحِ ترکِ رفع یدین تعاملِ اہلِ مدینہ و اہلِ کوفہ اور آثار مرویہ کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

کوفہ کی مرکزیت: حرمین شریفین کے بعد سرزمینِ کوفہ کو ہی یہ شرف حاصل ہوا کہ ہزاراں ہزار صحابہ کا وہاں ورود ہوا اور ڈیڑھ ہزار صحابہ نے تو اس کو اپنا وطن بھی بنا لیا تھا، کوفہ کی تعمیر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوئی تھی، اور آپ نے اہلِ کوفہ کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ و حضرت عمارؓ کو بھیجا تھا، ان کے وہاں پہنچتے ہی کوفہ کے گوشہ گوشہ میں علمی حلقے بن گئے، اور کتاب و سنت کے درس جاری ہو گئے تھے، پھر جب حضرت علیؓ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا تو حضرت ابن مسعود کے حق میں بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اللہ ان پر رحم کرے، انہوں نے اس بستی کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا اور ان کے تلامذہ و اصحاب کو سراجہائے امت محمدیہ کے لقب سے نوازا، آپ کے تلامذۂ فقہ و حدیث کی تعداد چار ہزار بتلائی گئی ہے، ابن سیرین کا بیان ہے کہ میں جب کوفہ گیا تو بیک وقت چار ہزار طلباء کو حدیث کا علم حاصل کرتے ہوئے پایا۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ تحصیلِ علم کے لئے کتنی بار کوفہ و بغداد گیا ہوں، اس پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری و حمیدی نے کوفہ و بغداد کے لوگوں سے بہ کثرت امام اعظم کے مناقب و فضائل بھی ضرور سنے ہوں گے، مگر بجز

ان کی برائیوں کے کبھی کوئی منقبت ذکر نہیں کی۔ بات بڑے تعجب و افسوس کی ہے خصوصاً جبکہ امام بخاری کے مشائخ میں بھی اکابر حنفیہ ہیں۔ پھر بقول بعض محققین کے امام بخاری نے رواۃ کی جانچ میں تو بڑی سختی کی ہے، مگر جہاں وہ کسی علمی بحث کے اندر دوسرے واقعات بھی اپنی تائید کیلئے پیش کرتے ہیں کیا ان واقعات کی صحیح سند ضروری نہ تھی؟ نمبر ۳۷ میں بجائے حدیث کے امام بخاری نے استدلال میں صرف عبد اللہ بن مبارک کا ایک واقعہ پیش کیا ہے اور وہ بھی بلا کسی سند و حوالہ کے جس کے بعد امام اعظمؒ کو غوی و گمراہ لوگوں سے بھی تشبیہ دی ہے، کیا اتنے بڑے مقتدائے اعظم پر بلا سند و حوالہ کے اتنا بڑا ریمارک کر دینا درست تھا؟ نہ قال ابن المبارک کی کوئی سند ہے جبکہ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، تو انہوں نے ابن مبارک کا قول کس سے سنا اس کا ذکر ضروری تھا، تا کہ سند منقطع نہ ہوتی اور اس کڑی کی جانچ ہو سکتی ممکن ہے نعیم خزاعی سے سنا ہو جو امام اعظمؒ کے بارے میں جھوٹی باتیں گھڑ کر پھیلایا کرتے تھے یا اپنے استاد حمیدی سے سنا ہو، وہ بھی امام صاحب کے بارے میں بے سند روایات بیان کیا کرتے تھے۔ اسی قصہ میں آگے امام بخاری نے قال وکیع کہا تو یہاں بھی ضروری تھا کہ بتلاتے کس سے سنا، کیونکہ امام وکیع کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوگئی تھی، امام بخاری اس وقت تین سال کے تھے، جس واسطے سے وکیع کی بات سنی تھی، ان کا نام کیوں نہیں بتلایا؟ اول تو ایک حدیثی تحقیقی رسالہ کی شان سے ہی یہ بعید تھا کہ بجائے حدیث کے کسی کے قول یا واقعہ سے استدلال کیا جائے، اگر ہزار لاکھ بھی کسی بڑے سے بڑے کے اقوال و واقعات ہوں تو وہ حدیث رسول کی برابر نہیں ہو سکتے، اور پھر وہ اقوال و واقعات بھی بے سند و حوالہ کہ ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے کہ ان کی بنا پر امام اعظم جیسی مقتدر ہستی کو گمراہوں سے مشابہ قرار دے دیا گیا۔

اس قسم کے استدراکات امام بخاری کے رسالہ رفع یدین و رسالہ قراءۃ خلف الامام اور تاریخ صغیر و کبیر پر بہت سے ہو سکتے ہیں، جو یہاں موجب طوالت ہوں گے، اگر ضرورت ہوئی اور عمر نے وفا کی تو اس کے لئے مستقل تالیف پیش ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، لیکن یہ تو غیبت سے بھی کہیں زیادہ ہے کہ امام اعظمؒ کی طرف کتنی ہی بے سند اور غلط سلط سنی ہوئی باتوں پر یقین کر کے ان کو اپنی تاریخ صغیر و کبیر اور اپنے حدیثی رسائل میں نقل کر دیا۔ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ابن حزم کا طریقہ ہے کہ وہ بے سند باتوں کا طومار باندھ کر اور کہیں اجماع کا دعوے بے دلیل کر کے اور کہیں سخت کلامی اور زور بیان کے ذریعے اپنا مدعا ثابت کیا کرتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کیا امام بخاریؒ نے امام اعظمؒ و حنفیہ کے خلاف قرآن مجید کی آیاتِ وعید و احادیث اور سخت کلامی وغیرہ کا استعمال نہیں کیا؟ حضرتؒ امام بخاری کیلئے بعض اوقات فرمادیا کرتے تھے کہ ان کا حال وہ ہے کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے۔

یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سارے حنفی امام بخاری سے پٹتے رہے اور ادب لحاظ یا ڈر و خوف کے سبب سے کسی نے رونے کی بھی جرأت نہیں کی، لوگ مطعون کریں گے امام بخاری ایسے عظیم المرتبت انسان کے خلاف لب کشائی کرتا ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ امام بخاری نے اپنے بڑوں کے بڑوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اب بوڑھا ہو گیا ہوں اس لئے صبر و ضبط نہ رہا، اور امام بخاری کے بارے میں کچھ کہتا ہوں، ورنہ ساری عمر ان کا ادب مانع رہا ہے، راقم الحروف بھی اپنی عمر کے آخری مراحل میں ہے، شاید اسی لئے اپنے شیخ کی سنت پر عمل کر رہا ہے اور حق بات کہنے میں کسی کی رعایت ہونی بھی نہ چاہیے **نحن رجال و ھم رجال واللہ یرحمنا و ایاھم۔**

ترجیح ترک رفع یدین کے سلسلہ میں دوسرے دلائل کے علاوہ اہل مدینہ و اہل کوفہ کا تعامل، اور اصحاب ابن مسعود و اصحاب علیؓ کا ترک رفع بھی حنفیہ و مالکیہ کے پاس بہت بڑی حجت ہے۔ اس لئے صرف ترجیح کی وجہ سے ان کو ہدف طعن و تشنیع بنانا انصاف سے بہت بعید ہے۔ اسی لئے ہم نے امام بخاری کے رسالہ کو خاص طور سے سامنے رکھ کر اس مسئلہ کی بحث کو زیادہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ **و اللہ یحق الحق وھو خیر الفاصلین. و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.**

افادات اکابر: بطور تکمیل بحث مناسب معلوم ہوا کہ اپنے اکابر اساتذہ کے بھی چند افادات علمیہ کا اضافہ کر دیا جائے، واللہ المصوب والمدد:۔

حضرت استاذ الاساتذہ مولانا محمود حسنؒ

فرمایا:۔ حدیثی روایات تو اس باب میں مختلف و متنوع ہیں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ کبھی تو صاحب شرع نے بعض احکام میں تدریجی طور سے تضییق و تنگی کے بعد تسہیل و وسعت کو اختیار کیا ہے جیسا کہ کلاب و اوانی خمر کے بارے میں کہ ابتداء میں کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا اور شراب کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع تھا، پھر ان احکام کو نرم کر دیا گیا، اور بعض احکام میں اس کے برعکس ہوا ہے کہ پہلے توسع ہوا اور بعد کو پھر تنگی آئی، جیسے نماز میں ابتدائی دور کے اندر کچھ اقوال و حرکات مباح تھے، پھر ان کو ممنوع کر دیا گیا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفع و ترک کا زیر بحث مسئلہ بھی اس دوسری قسم سے ہے کہ شروع میں ہر رفع و خفض کی تکبیرات کے ساتھ رفع یدین بھی تھا (**كما في رواية الطحاوى في مشكل الاثار و اعترف الاوزاعي انه كان في الاول**، پھر ۶ جگہ رہا، اس کے بعد تین مواضع میں باقی رہ گیا، جس کو شافعیہ نے اختیار کیا، پھر تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی دو بھی (قبل الرکوع و بعد الرکوع) والے رفع متروک ہو گئے،

پس اوسع المسالک ان کا ہے جو ہر تکبیر پر رفع یدین کے قائل رہے جیسے ابن حزم ظاہری اور دوسرے بعض اہل الظاہر پھر اس سے کم مواضع میں رفع یدین کے قائل ابن المنذر (و امام بخاری) وغیرہ ہوئے جن کا درجہ ائمہ اربعہ سے اجتہاد میں نازل تھا، پھر امام احمد و شافعی کا مشہور مسلک ہے، اس کے بعد سب سے کم وسعت والا مسلک اس ذات والا صفات کا ہے جس کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ساری امت کے فقہاء فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں کہ فقہائے امتِ محمدیہؐ کی سر پرستی امام صاحب نہ فرماتے تو وہ سب بے یار و مددگار اور لاوارث و بے کس یتیم کی طرح ہوتے۔ اور اسی مسلک کو امام دار الہجرۃ امام مالکؒ اور آپ کے اصحاب و تلامذہ و متبعین نے بھی اختیار کیا، اور اسی کی موافقت حضرات صحابہ کرام میں سے سیدنا حضرت عمرؓ و سیدنا علیؓ و سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کے تعامل سے حاصل ہوئی، جو مجتہدین امت کے سردار اور فقہائے صحابہ کے قائد اعظم تھے امام مسلم نے تابعی جلیل القدر مسروق سے روایت کی کہ میں نے اصحاب الرسول ﷺ کے علوم و کمالات پر نظر کی تو دیکھا کہ ان سب کا علم چھ اصحاب کی طرف منتہی ہوتا ہے کہ وہ تفقہ میں سب سے آگے ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کہتے ہیں، پھر میں نے مکرر نظر کی تو دیکھا کہ ان سب میں حضرت علی و عبداللہ بن مسعودؓ کا مرتبہ بلند تر ہے۔ پھر یہ سب بھی مثلاً حضرت ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے اور حضرت عمر حضرت علی و ابن مسعودؓ کے بڑے قدر دان اور ایک دوسرے کے مداح تھے۔ حضرت علی ابن مسعود کی مدح میں رطب اللسان رہتے تھے۔

شیخ ابن الہمام نے لکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شرائع اسلام اور حدود شریعت کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنی زندگی میں ہمیشہ احوال نبویہ کا تفقد کرتے رہے، ہر وقت حضور کے ساتھ رہتے تھے اقامت میں بھی اور سفر میں بھی، اور حضور علیہ السلام کے ساتھ لاتعداد نمازیں پڑھی ہیں، لہٰذا تعارض روایات کی صورت میں بہ نسبت دوسروں کے ان ہی کے قول کو ترجیح ہونی چاہیئے (فتح الملہم ص ۲/۱۶)

امام بخاری نے اپنے رسالہ میں پورا زور حضرت ابن عمرؓ کی روایات پر دیا اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو کوئی اہمیت نہیں دی، بلکہ ایک طرح سے اس کو گرانے کی صورت نکالی، جس کے جوابات مطولات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دو جگہ بڑے طمطراق سے دعوئے کر دیا کہ کسی بھی صحابی سے ترک رفع ثابت نہیں ہے، جبکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ امام مالکؒ نے احادیث و آثار صحابہ و تابعین کے ساتھ تعامل اہل مدینہ پر نظر کر کے ہی ترک کا فیصلہ کیا تھا جو ان کا اور ان کے اصحاب و تابعین کا مشہور مذہب قرار پایا، اور سارے اہل کوفہ کا مذہب ترک رفع کو تو سب ہی محدثین و مورخین اسلام نے تسلیم کیا ہے، مدینہ طیبہ اور کوفہ کے کتنے ہی صحابہ و تابعین کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ پھر اگر صرف ابن مسعود ہی کے ترک رفع کو لیا جائے تو کیا وہ صحابی نہ تھے، کہ امام بخاری نے فرما دیا کہ کسی صحابی سے بھی ترک ثابت نہیں

ہے۔ یا وہ بجائے ترک رفع کے رفع یدین کیا کرتے تھے؟ جبکہ علماء امت میں کسی کا بھی قول اس کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیا امام بخاری نے یہ سمجھا تھا کہ دنیا میں صرف میری کتاب اور میری تاریخ اور میرے ہی رسائل کا چلن ہوگا اور جو فیصلہ بھی میں نے کر دیا اس کو چیلنج کرنے والا کوئی نہ ہوگا، افسوس ہے کہ اس طرح کی بات سواء قال اللہ وقال الرسول کے دنیا کے کسی بھی بڑے کی نہیں چل سکتی کہ اس کو چک نہ کیا جا سکے، ہم نے بطور نمونہ چند باتوں پر نقد کیا ہے اور ان کی جواب دہی ضروری سمجھی تھی اس لئے ان کو درج کر دیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ایک دوسری بات بھی فرمائی کہ میرے نزدیک قوی رائے یہ ہے کہ یا تو قبول زیادۃ ثقات کے اصول سے اثبات رفع کو ہر خفض ورفع کے لئے مان لیا جائے اور یا بجز تحریمہ کے ہر رفع کے ترک کو راجح سمجھا جائے، کیونکہ وہ نماز کی اصل و بنیاد کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز ہے یعنی خشوع وسکون یا خشیت وانابت جیسا کہ وہ امام صاحب کا مذہب بھی ہے اور عمل بالبعض وترک بعض انصاف کے خلاف معلوم ہوتا ہے (فتح الملہم ص ۲/۱۷)

افادات علامہ کشمیری رحمہ اللہ

فرمایا: ۔ حضرت ابن عمرؓ نے جو اپنی روایات میں صرف دو جگہ کے رفع یدین پر زور دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ انھوں نے اکثر لوگوں سے ترک رفع دیکھا اور زیادہ لوگ اس کے منکر ہوں گے، کیونکہ بغیر دوسری صفات نماز کے بیان کے صرف اسی طرف ان کی وجہ و اصرار اسی لئے ہوا ہوگا کہ تارکین و جاحدین ومنازعین کی کثرت ہوگی، اور سلف سے اس بارے میں کوئی نزاع واختلاف اس لئے نقل نہیں ہوا کہ ان کے نزدیک دونوں جانب رفع وترک کی برابر تھیں، اس کے بعد جب نزاع واختلاف پیدا ہو گیا تو ضرورت محسوس کی گئی کہ صرف ایک سنت پر اکتفا کیوں ہو اور دوسری بھی کیوں نہ جاری رہے، اور اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعد کے زمانہ میں رافعین کی کثرت ہو گئی ہو۔ اور تارکین کم ہو گئے ہوں، اس لئے میری رائے ہے کہ جن امور میں اختلاف ونزاع عہد رسالت میں نہ تھا اور بعد کو پیدا ہوا ہے ان میں فیصلہ صحابہ وتابعین کی قلت وکثرت سے بھی نہ ہونا چاہیئے، بلکہ صرف حضور علیہ السلام کے عمل کی قلت وکثرت پر فیصلہ کرنا چاہئے۔ اور جن امور میں صحیح طور سے آپ کے متعلق عمل کی قلت وکثرت متحقق نہ ہو سکے ان میں دونوں طرح کے عمل کو سنت قرار دینا چاہیئے، اور جس امر کو بھی ترجیح دے کر عمل کر لیا جائے وہ اتباع سنت ہی ہوگا۔ کسی کے بھی عمل پر نکیر وتشنیع یا لعن وطعن کرنا جائز نہیں۔ والامر الی اللہ

یہ میری آخری درجہ پر رائے ہے ورنہ جس طرح امام مالک نے تعامل اہل مدینہ کو دیکھ کر ترک رفع کو راجح قرار دیا اور امام صاحب نے اور آپ کے اصحاب نے اہل کوفہ واہل مدینہ دونوں کے تعامل کی وجہ سے بھی ترک کو راجح کیا۔ اس سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ حضور علیہ السلام کے کثرت ترک کو دیکھ کر ہی صحابہ اہل مدینہ اور صحابہ واہل کوفہ نے ترک کو اختیار کیا ہوگا۔ وہ حضرات بدوں اس کے رفع کو ترک نہ کر سکتے تھے، مگر پھر بھی چونکہ یہ چیز یقینی نہیں ہے، اس لے ہم اس پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ واللہ ولی الامور

فرمایا: ۔ میرے نزدیک شافعیہ نے جو یہ اختیار کیا کہ وہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں اور انھوں نے اس کو کھڑے ہونے کے لئے سمجھا اس لئے اس سے پہلے کرتے ہیں وہ غلط ہے، وہ اس وقت ہونا چاہیئے کہ جب بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ کتاب المسائل لابی داؤد میں امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے، کیونکہ وہ سجدہ کے لئے جانے کے واسطے ہے۔ ایسے ہی میری رائے یہ بھی ہے کہ شافعیہ جو مقتدی کے لئے تسمیع وتحمید جمع کرنے کو کہتے ہیں وہ بھی درست نہیں، کیونکہ تحمید مقتدی تسمیع امام کے جواب میں ہے، لہٰذا اس کو کھڑے ہو کر کہنا چاہیئے۔ انتقالی حرکت کے دوران میں نہیں ہے۔ شافعیہ کے طریقہ کے لئے نہ حدیث میں دلیل ہے اور نہ سلف میں کسی نے اس پر عمل کیا بجز ابن سیرین کے۔ امام شافعی کے نزدیک چونکہ امام ومقتدی کا ربط ضعیف ہے، اس لئے ان کا اصول یہ ہوا کہ جو کچھ امام کرے وہ مقتدی بھی کرے، اور چونکہ امام تسمیع وتحمید دونوں کو ایک ساتھ جمع کرتا ہے، اس لئے مقتدی کے لئے وہی حکم سمجھا گیا، حالانکہ تحمید، تسمیع کے جواب میں ہے اور مقتدی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے،

حضرتؒ نے محدثین کے مبالغات پر بھی اچھی روشنی ڈالی اور مشتغلینِ حدیث کے لئے بہت کام کی باتیں ذکر کیں، ان کا مطالعہ معارف السنن ص۴۶۳/۲ اور فیض الباری ص۳۵۸/۲ میں کرلیا جائے۔ مختصر یہ کہ امام بخاری نے لکھا کہ سترہ صحابہ نے رفع کی احادیث روایت کی ہیں، علامہ ابن عبدالبر نے رواۃ رفع کی تعداد ۴۳ لکھی، بیہقی نے ۳۰ لکھی، عراقی نے پچاس تک عدد پہنچادیا۔ حالانکہ ان میں صرف تحریمہ والی بھی ہیں، جن میں مواضع ثلاثہ کا کچھ ذکر نہیں، پھر بیہقی نے خود اقرار کرلیا کہ ۳۰ میں سے ۱۵ کی اسناد صحیح ہیں، حالانکہ ان میں بھی متکلم فیہ حدیث ہیں، غرض عدد گھٹتے گھٹتے پانچ یا چھ کا رہ گیا، یہ محدثین کے مبالغات کا حال ہے۔ اور دوسری جانب بھی ترک رفع کی بھی چھ سات احادیث ہیں، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، ابن عمر، براء اور کعب بن عجرہ کی اور اوپر ان کا ذکر آچکا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر ان کے ساتھ وہ احادیث بھی شامل کرلیں کہ جن میں نماز کی ساری کیفیت بیان ہوئی ہے اور اول تکبیر تحریمہ پر رفع کا ذکر بھی ہے مگر ان میں رفع یدین عندالرکوع کا کوئی ذکر نہیں ہے، تو ہماری احادیث کی تعداد رفع والی احادیث سے زیادہ ہوجاتی ہے۔ مثلاً دارقطنی **باب ذکر الرکوع و السجود وما یجزی فیهما** ص۳۴۵/۱ (طبع السید عبداللہ ہاشم یمانی بالمدینۃ المنورۃ) میں حدیث انسؓ میں پوری نماز کی تفصیل اور صرف اول تکبیر پر رفع یدین ہے پھر نہیں ہے۔ اسی طرح التاج الجامع للاصول ص۱۶۹/۱ باب الرکوع والتسبیح فیہ میں ابوحمید الساعدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

افادات شیخ الحدیث دامت برکاتہم

آپ نے اوجز ص۲۰۸/۱ میں لکھا: ۔احادیث صحیحہ مرویہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود امام بخاری نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح اور دولاکھ غیر صحیح یاد ہیں، اور فرمایا کہ میں نے اپنی صحیح میں صرف صحیح درج کی ہیں مگر جو بخوف طوالت ترک کردی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اور وہ بھی صحیح ہیں۔ صحیح بخاری میں بحذف مکررات صرف چار ہزار حدیث ہیں، گویا ۱/۲۵ ذکر کی ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ اور کچھ ہے، علامہ سیوطیؒ نے کہا: ۔اگر بہت تتبع و تلاش کروں تو موجودہ مسانید، جوامع و سنن و اجزاء وغیرہ میں ایک لاکھ یا پچاس ہزار تک بھی تعداد غیر مکرر کی نہ ہوسکے گی۔ پھر رجال میں بھی کلام بہت زیادہ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ائمہ کبار کے عمل سے ان کی صحت پہچانی جائے، اور یہاں ترک رفع کی احادیث و آثار صحابہ و تابعین کو بھی ہم نے دیکھا کہ ان کو اکبر الائمہ امام اعظم، آپ کے صاحبین، اور جمیع علماء کوفہ، اور امام مالک و امیر المومنین فی الحدیث ثوریؒ نے معمول بہا بنایا ہے تو اس کے بعد مزید تصحیح و توثیق کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ علامہ شعرانی نے کشف الغمہ میں لکھا کہ میں نے اس کی احادیث کی تخریج اس لئے نہیں کی کہ یہ وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ مجتہدین نے اپنے مذاہب کے لئے معمول بہا بنایا ہے۔ لہٰذا ان میں دوسرے محدثین کی جرح بے اثر ہے، اور ہمیں کسی حدیث و اثر کی صحت کے لئے اس سے کسی مجتہد کا استدلال کافی ہے۔

حضرت دام ظلہم نے یہ بھی فرمایا کہ علاوہ احادیث و آثار مؤیدہ ترک رفع کے ہمارے پاس ایک وجہ وجیہ یہ بھی ہے کہ جب کبھی روایات میں اختلاف پیش آتا ہے تو حنفیہ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے عمل کے لئے وہ شکل اختیار کرتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہوتی ہے، جس کی نظایر بہ کثرت ہیں مثلاً ادعیہ صلوٰۃ و قنوت وتر میں اوفق بالقرآن کو لیا، یا آیت **و اذا قرئ القرآن فاسمتعو اله و انصتوا** سے مقتدی کے لئے قراءۃ کو مرجوح قرار دیا یا آیت **قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** سے تاخیر فجر و عصر کو اختیار کیا۔ چنانچہ یہاں ترک رفع کو بھی ہم نے آیت قرآنی **وقوموا لله قانتین** کے موافق پایا تو اس کو ترجیح دے دی (فتح الملہم ص۱۴/۲ میں آیت **قد افلح المومنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون** کو پیش کیا ہے) ایک وجہ ترجیح حضرت دام ظلہم نے یہ بھی ذکر کی کہ احادیث رفع کی روایت کرنے والے اکثر راویوں کی روایات میں تین جگہ سے زائد میں رفع کا ذکر ہے۔ لہٰذا وہ سب احادیث شافعیہ و حنابلہ کے نزدیک بھی متروک ہوں گی۔ حضرت عم فیضہم نے اسی طرح ۱۲ وجوہ ترجیح ترک ذکر فرمائی ہیں۔ اوجز ص۲۰۸/۲۰۹ جلد اول میں ملاحظہ کی جائیں۔ **و لیکن هذا اختتام الکلام و مسک الختام. و الحمد لله رب العالمین.**